اصحابِ رسولؐ
اور
اُن کے کارنامے

جلد اوّل

نبی احمد سُہا

Ferozsons limited

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور پاکستان

قیمت ۲۱.۶۰۰

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، باہتمام عبدالسلام خان پرنٹر اور پبلشر

کر کے لوگوں کے کام کرتے۔ اس وجہ سے ہر جگہ آپ کے احسان مند موجود تھے۔ شراب آپ نے توبہ کی ہوئی تھی۔ سُودی کاروبار اور جُوئے سے نفرت تھی۔ اسلام لانے کے بعد ان ں میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔

اسلام:

آپ تقریباً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے اور طبیعت میں ایک حد تک یکسانی ۔ اپنے اس مزاج کی وجہ سے بچپن ہی میں دونوں کے درمیان محبت اور گہرے تعلقات گئے تھے۔ دونوں دوستی کا حق نباہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے ارادہ نیّت کے مطابق رمضان کی ۲۵ تاریخ کو، جبکہ ۱۶ اگست ۶۱۰ عیسوی کی ایک سب سے رات تھی، اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبوّت دے کر، اُن پر غارِ حرا میں پہلی وحی نازل فرمائی، اور حکم دیا کہ نبوّت کے اِن ابتدائی دنوں میں اسلام کی دعوت صرف ں آدمیوں کو پوشیدہ طور پر دو اور اسلام کو پھیلانے کا کام شروع کر دو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے سب سے پہلے ایک خاتون حضرت خدیجہؓ جو آپؐ کی بیوی تھیں، اور دو مرد جن میں ب حضرت ابوبکرؓ اور دُوسرے حضرت زیدؓ تھے، اور ایک نوعمر آٹھ سالہ لڑکا یعنی حضرت علیؓ یا کہ اللہ نے مجھے نبی مقرر کیا ہے اور دین کی سیدھی راہ دکھائی ہے۔ میری نبوّت اور اللہ کے دین کا کلمہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ تم اگر اس کلمے پر دل سے یقین کر کے سے بھی اقرار کرو گے تو مسلمان ہو جاؤ گے۔ ان چاروں خوش قسمت حضرات نے فوراً کلمے حقیقت کو دل سے مانا اور زبان سے پڑھ کر اقرار کیا۔

حضورؐ فرمایا کرتے کہ میں نے اس دینی اور اسلامی کلمے کو جن لوگوں کے سامنے بھی پیش کیا، کے اندر کچھ نہ کچھ جھجک محسُوس کی، سوائے ابوبکرؓ کے کہ ان کے اندر اسلام کو قبول کرتے وقت دں جھجک اور تردّد نام کو نہ تھا۔ ایک دفعہ آں حضرتؐ نے مکّے والوں سے خطاب کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا "مجھ کو خدا نے تم لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا تو تم نے کہا،
ہیں، اور ابوبکرؓ نے کہا، بلاشبہ آپ سچے ہیں۔" (بخاری)

حضرت ابوبکرؓ کو ایمان لانے کے بعد فوراً اپنے دوستوں کا خیال آیا اور آ
بات کو پسند نہیں کیا کہ ان کو اسلام کی طرف بلانے میں تھوڑی سی بھی دیر کی جائے
ہوئے اور جس ترتیب سے اُن کے پاس پہنچے اور وہ ایمان لائے، وہ یہ ہے: حضرت
حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبیدؓ بن زید اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ۔ (اسی
دعوت پر دو غلام بھی اسلام لائے، عامرؓ اور ابوفکیہہؓ اور اس طرح مسلمان مرد
ہوگئی۔ اس کے بعد سات دن تک ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوا)۔

والدہ کا قبولِ اسلام:

کچھ عرصے بعد مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب ہوگئی۔ کافر اسلام لانے وا
سختیاں کر رہے تھے، اس لیے مسلمان ڈر کے مارے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہ
ایسے حالات میں کھلم کھلا لوگوں کے سامنے اسلام بیان کرنا اور اُن سے مسلمان ہو
کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنی قوم کی گمراہی اور
بہت رنجیدہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سارے قریش کفر و شرک سے توبہ کر لیں
کی خوبیوں پر غور کر کے انھیں سمجھ لیں۔ انھیں اُٹھتے بیٹھتے بار بار یہ خیال آتا ک
نور اور جو روشنی انھیں مل چکی ہے، اُسے وہ قوم کے اُن لوگوں کو بھی دکھائیں
بھٹک رہے ہیں۔ وہ سوچتے کہ جو حق مجھے مل گیا ہے اور جو سچائی رسول اللہؐ ک
میرے دل میں بیٹھ گئی ہے، میں اس حق اور سچائی کو اپنی قوم کو بھی بتاؤں اور د
چنانچہ آپ نے ایک دن حضورؐ سے اجازت لے لی اور ایک چھوٹا سا جلس
خوبیاں بیان کرنے کھڑے ہوئے۔ مکے والے اس شرک کے علاوہ کوئی بات

رند تھے جس میں وہ اور اُن کے باپ دادا ایک زمانے سے مُبتلا تھے۔ وہ غصّے سے
بے قابو ہو کر آپ کو مارنے کے لیے چمٹ گئے۔ آپ کے اپنے قبیلے کے بھی کئی آدمی جلسے
میں موجود تھے، جنھیں رحم آگیا اور انھوں نے بڑی مشکل سے چھڑا کر آپ کو گھر تک پہنچایا۔
ماں کو اپنے بیٹے کے جسم پر چوٹیں دیکھ کر بہت صدمہ ہوا۔ وہ اپنی امتا میں سمجھانے لگیں
آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو اسلام کی خوبیاں بتائیں اور کہا
لوگ اس کو نہ مانیں گے، وہ عذاب میں مبتلا ہو کر آگ میں جلیں گے۔ یہ بھی بتایا کہ جو لوگ
اسلام قبول کر چکے ہیں، اُن کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو بتائیں اور انھیں اسلام کی طرف
بلائیں۔ انھیں اس راستے میں تکلیفیں اُٹھانا پڑیں گی، مار کھانا پڑے گی اور خُدا اُن کے دین
کی مضبوطی اور اسلام میں اُن کی سچائی کا امتحان ضرور لے کر رہے گا۔
اُمّ الخیر کے دل پر بیٹے کی ان باتوں کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی مسلمانوں کی جماعت
میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو گئیں۔ دُوسرے دن صبح کو آپؓ انھیں ساتھ لے کر دارِ ارقم پہنچے۔
مخزومی قبیلے کے سردار ارقمؓ کا مکان تھا۔ یہاں روزانہ مسلمان جمع ہو جاتے تھے۔ رسُول
اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا، آج والدہ صاحبہ کو بھی لائے ہو؟ عرض کیا، وہ اسلام سیکھنے اور
مسلمان ہونے آئی ہیں۔ اے اللہ کے رسولؐ! انھیں راہِ حق کی ہدایت کیجیے۔ حضورؐ نے پہلے
انھیں اسلام کہا، پھر کلمہ پڑھایا اور اُس کا مطلب بتایا۔ وہ مسلمان ہو گئیں۔
حضرت اُمّ الخیرؓ نے بڑی عمر پائی۔ مدینے کو ہجرت کی اور اپنے بیٹے کی خلافت کے
زمانے میں وفات پائی۔ بڑی عبادت گزار اور خوش قسمت خاتون تھیں، رضی اللہ عنہا۔

والد کا قبولِ اسلام

حضرت عثمان ابوقحافہؓ مکّے کے باعزت لوگوں میں سے تھے۔ اسلام کے متعلق افواہیں
سُن کر، اُس کو وقتی ہنگامہ، کم سمجھ لوگوں کا کھیل اور چند دنوں کی بات سمجھتے تھے۔ اس بات کی

تصدیق حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ جب آں حضرتؐ نے ہجرت کے موقع پر مکہ چھوڑا اور کافروں نے پکڑ کر لانے اور انعام دینے کا اشتہار دیا تو میں آپؐ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ چونکہ حضورؐ کے سب سے پرانے اور پکے دوست حضرت ابوبکرؓ تھے، اس لیے میں وہاں بھی گیا۔ ابوقحافہؓ گھر کے باہر کھڑے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت سامنے سے حضرت علیؓ گزرے۔ اُن پر ابوقحافہؓ کی نظر پڑی تو غصے میں کہنے لگے "ان بچوں ہی نے میرے بیٹے کو بھی خراب کیا ہے۔"

ابوقحافہؓ مکے کی فتح تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ انھیں ساتھ لے کر رسول اللہ کے پاس پہنچے۔ آپؐ اس وقت مسجد میں تھے۔ ان پر نگاہ پڑی تو فرمایا "ان کو اس کمزوری اور مجبوری میں کیوں تکلیف دی۔ مجھ سے کہا ہوتا۔ ابوقحافہؓ کے پاس مجھے خود جانا چاہیے تھا۔" جب وہ قریب آ گئے تو آں حضرتؐ احتراماً کھڑے ہو گئے۔ اپنے پہلو میں بٹھا کر بڑی محبت سے اُن کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور کلمۂ طیبہ پڑھوا کر مسلمان کیا۔ حضرت ابوقحافہؓ نے لمبی عمر پائی۔ حضرت عمرؓ کے شروع دورِ خلافت میں انتقال ہوا۔ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔

تبلیغِ اسلام :

حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کرتے ہی جان لیا تھا کہ صرف میرا مسلمان ہو جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ پوری سوسائٹی کو بدلنا اور اسلام کی تعلیم کا قائل کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اسلام لاتے ہی اپنے خاص دوستوں کے پاس پہنچے تھے اور انھیں حلقہ بگوشِ اسلام کیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے اسلام کی تبلیغ کا کام اور آگے بڑھانے کا ارادہ کیا۔ مکے میں رہنے والے ایک ایک آدمی کے مزاج سے آپ واقف تھے۔ سوچ سمجھ کر بھلے اور شریف آدمیوں کے پاس گئے اور محبت اور خیر خواہی کے طریقوں سے اُن کو حضورؐ کی

رسالت اور اسلام کے بارے میں بتایا۔ سچی باتیں پاکیزہ زبان اور صاف دل سے نکلتی ہیں تو بھلے آدمیوں پر اثر کرتی ہیں۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکے کے چند اور سربرآوردہ لوگ مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ ان حضرات نے اسلام کی تاریخ میں بہت بڑے بڑے کام انجام دیے ہیں۔ اُن کے نام یہ ہیں: حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمانؓ، حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت خالدؓ بن سعید، حضرت ابوسلمہؓ۔

غریبوں نے مانا، امیروں نے جھٹلایا:

اچھے اخلاق سیکھنے اور بھلائی کے کام کرنے کے لیے جب بھی نبیوں کی طرف سے پکارا گیا ہے تو غریبوں ہی نے اُس پکار کو سُنا ہے۔ وہی اچھے اخلاق سیکھ کر نیک بنے ہیں۔ انھی غریب اور سادہ زندگی گزارنے والوں میں خلوص پایا گیا ہے۔ اِسی طبقے نے اچھے کاموں میں شریک ہو کر بھلائی کے لیے اُٹھنے والی جماعتوں کا ساتھ دیا ہے۔ اسی نے حق اور سچائی کے لیے تکلیفیں اُٹھائی اور قربانیاں دی ہیں۔ پچھلے انسانوں کی تاریخ میں بدی اور بُرائی کو مٹانے اور خوبی اور بھلائی کو اُبھارنے کے لیے دُنیا میں جب کبھی اللہ کا کوئی پیغمبر اُٹھا تو دولت والوں رئیسوں اور حکومت والوں نے قارون اور فرعون بن کر اُن پر ظلم توڑے، اُن پر جھوٹے الزام لگائے، اُن کو مارا اور قتل کیا، اور عوام کو جھوٹی اور غلط خبریں دے کر، اللہ والوں کے لیے اُن کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔

سب پیغمبروں کے بعد جب ہمارے حضورؐ نے شہر مکّہ سے صفا پہاڑی پر چڑھ کر لوگوں کو سیدھی راہ پر چلنے کے لیے کہا، تو وہی صورت پیش آئی جو پہلے زمانے میں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ وغیرہ جیسے اللہ کے پیغمبروں نیک بندوں کو پیش آئی تھی۔ سرداروں نے مخالفت کی انتہا کر دی وہ حضورؐ کو تکلیفیں دینے کے لیے نئی نئی سزائیں تجویز کرتے اور آپؐ کو قتل کرنے کے منصوبے بناتے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کافر سرداروں میں سے ایک

شخص عُقبہ جو مُعیط کا بیٹا تھا، اُس طرف آیا اور آپؐ کو نماز پڑھتا دیکھ کر اُس نے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اپنی چادر لپیٹ کر حضورؐ کی گردن میں ڈال دی اور اُسے بَل دینا شروع کر دیا تاکہ اس کے پھندے سے گردن دب کر سانس رُک جائے۔

حضرت ابوبکرؓ کافروں کی دشمنی سے واقف تھے۔ آپؓ حضورؐ کا خیال رکھتے یا اکثر ساتھ ہی رہتے۔ چنانچہ وہ آگئے اور عُقبہ کو دھکا دے کر چادر اُس کے ہاتھ سے چھین لی۔ ایک صاحب کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت ابوبکرؓ اُس ظالم سے ہاتھا پائی کر رہے تھے تو زبان سے یہ کہتے جا رہے تھے "کیا تو اس سب سے زیادہ شریف آدمی کو صرف اس وجہ سے مارے ڈالتا ہے کہ وہ صرف ایک خُدا کی بندگی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی یہی سکھاتا ہے؟"

لیکن حضورؐ کے پہاڑی کے وعظ[1] اور تنبیہ کو سُن کر جن لوگوں نے مانا، اپنے خیال اور عقیدوں کو ٹھیک کیا اور زندگی بھر سرکارِ دوعالمؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کا پکّا ارادہ کیا وہ مکّے کے غریب لوگ تھے۔ اُن میں بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی۔ یہ امیر سرداروں کے زرخرید خدمت گار تھے۔ اُن کے آقا ان غلاموں کو ایسی ایسی تکلیفیں دیتے کہ جن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

غلاموں کو خرید کر آزاد کرایا :

حضرت ابوبکرؓ کو ایسے لوگوں کی حالت پر بے انتہا رنج تھا۔ اُن کی یہ کوشش ہوتی کہ ایسے مجبور و بے کس غلام اور لونڈیوں کو اُن کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیں۔ ایک دن کہیں

---

[1] رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نبوّت دینے کے بعد، ایک دن اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم کو جو کچھ حکم دیا جا رہا ہے، اُسے صاف طور پر لوگوں کو بتادو اور مشرکین کی پروا نہ کرو۔ تو آپؐ نے صبح سویرے ایک پہاڑی جس کا نام صفا ہے پر چڑھ کر وہ نعرہ لگایا جو عربوں میں مشہور تھا اور مُصیبت سے خبردار کرنے کے لیے اس کے ذریعے لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔ جب ہر قبیلے کے لوگ جمع ہو گئے تو حضورؐ نے علیحدہ علیحدہ قبیلوں کے نام لے کر ہر ایک کو اپنی طرف متوجّہ کیا۔ اس کے بعد مختصر مگر پُر اثر انداز میں قریش کے قبیلوں کو بُت پرستی اور شرک سے ڈرایا۔ پہاڑی کے وعظ کا اشارہ اسی واقعے کی طرف ہے۔

جا رہے تھے کہ کان میں سردار اُمیہ کی آواز آئی۔ وہ اپنے حبشی غلام کو جن کا نام بلالؓ تھا، نہایت سنگدلی سے مار رہا تھا۔ آپ اُس کی طرف تیزی سے بڑھے تو دیکھا کہ اُس نے بلالؓ کو گرم ریت پر گرایا ہُوا ہے اور ایک بھاری پتھر اُن کے سینے پر رکھ دیا ہے۔ اُمیّہ کہہ رہا تھا "بے دین ہونے والے اور بتوں کی پُوجا چھوڑنے والے، بے وقوف بلال! بتا کیا خُدا بس ایک ہی ہے؟"
حضرت بلالؓ اُسی تکلیف اور درد میں جواب دے رہے تھے "ہاں، بلاشُبہ میرا اور تمام جہان کا خُدا ایک ہی ہے۔"

اُمیّہ اور حضرت بلالؓ دونوں کا کردار آپؓ کے سامنے تھا۔ آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ دل بے تاب اور بے قابو ہو گیا، چہرے کا رنگ بدل گیا۔ حالت غیر ہوگئی۔ آپؓ نے اس ظالم وحشی اُمیّہ کے قریب جا کر کہا "بلال تمھیں اچّھا نہیں لگتا تو نقد قیمت لو اور مجھے دے دو۔" وہ راضی ہو گیا اور آپؓ نے منہ مانگی قیمت دے کر اُس عظیم انسان کو آزاد کرایا۔
ایسے بہت سے غریبوں، بیکسوں اور غلاموں کو خرید کر آپؓ نے کافروں کے ظلم سے چھٹکارا دلایا۔
ان میں عامرؓ بن فُہیرہ، نذیرہ بنت نہدیہ، جاریہ، زنّیرہ، اور مؤمّل وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب لونڈی غلام اسلام کے شروع میں مسلمان ہو گئے تھے۔

حضرت عبدُاللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے حضرت عامرؓ کہا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ کے پاس کپڑے کی تجارت کے ذریعے کمایا ہُوا چالیس ہزار روپیہ تھا۔ انھوں نے وہ سارا روپیہ مسلمان لونڈی غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کر دیا۔ اُن کے باپ ابُوقحافہؓ اس بات کو اچّھا نہیں سمجھتے تھے۔ ایک دن انھوں نے ابوبکرؓ کو اپنے پاس بُلا کر کہا "بیٹا، تم نے اپنا سارا روپیہ کمزور لوگوں اور بُوڑھی عورتوں کو آزاد کرانے میں صرف کر دیا۔ تمھیں یہی کام کرنا تھا تو نوجوان لوگوں کو غلامی سے چھٹکارا دلاتے۔ اُن کی ہمدردیاں تمھارے اور تمھارے بچّوں کے کام آتیں اور وہ تمھارے لیے قوّتِ بازو بنتے۔" حضرت ابوبکرؓ نے کہا "ابّا جان، میں تو اس کام سے اللہ کو راضی اور خوش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ راضی ہو گیا تو مجھے سب کچھ مل گیا۔"

باپ بیٹوں کی باتیں اللہ نے سُنیں تو فرشتے کو اپنے نبیؐ کے پاس بھیج کر یہ اعلان کرایا کہ:

"اُس (میرے بندے ابوبکر) پر کسی کا کوئی احسان نہیں آتا ہے، جس کا بدلہ اُسے دینا ہو۔ وہ تو صرف اپنے مہربان اور عظیم خدا کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے یہ کام کرتا ہے۔ اور وہ (خدا) ضرور اُس سے خوش ہوگا۔"

دوستوں کے سرپرست جان کے دشمن ہوگئے:

ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے اُن خاص دوستوں کو جن کے مزاج سے وہ واقف تھے، حضورؐ کے نبی ہونے کی خبر اور اسلام کی ترغیب دی، اور وہ مسلمان ہوگئے۔

اسلام نہایت سچا، لوگوں کو اچھے اخلاق سکھانے والا، سیدھی راہ پر چلانے والا اور برائیوں سے نفرت پیدا کرنے والا مذہب ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جس کسی نے بھی اسلام کو مانا، وہ بدل گیا۔ اُس کا مزاج اور طبیعت بدل گئی۔ اُس کا خیال اور سوچ بدل گئی۔ جس حالت میں بھی دیکھو، جو کام بھی وہ کر رہا ہو، ہر پہلو سے وہ بدلا ہوا اور ایک نئے انداز کا آدمی نظر آتا تھا۔

عرب کے لوگوں میں بہت سی برائیاں تھیں، مگر ایک اچھائی یہ تھی کہ وہ "دو دلے" نہیں تھے جس بات کو مانتے تھے دل سے مانتے تھے اور اُسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو سچے دل سے لائے، اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلے، اسلام کی خوبیاں اُن کی زندگی میں بھر گئیں اور اُن کے چہروں اور جسموں پر چھا گئیں۔ ایک نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ جاہلیت چھوڑ کر اسلام اختیار کر چکے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی کوشش سے اُس موقع پر جو چند دوست مسلمان ہوئے اُن میں حضرت سعدؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ شامل تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ان کی حالت بدل

گئی۔ سعدؓ کی ماں حمنہ کو معلوم ہوا کہ بیٹا مسلمان ہو گیا تو وہ غصے سے بیتاب ہو گئیں، بیٹے سے زیادہ حضرت ابوبکرؓ کو بُرا بھلا کہا اور اس طرح حمنہ نے اپنے قبیلے زُہرہ کو اُن کا دشمن بنا دیا۔ عثمانؓ کو بدلا ہوا پاکر اُن کے چچا حکم نے مار پیٹ شروع کردی۔ کسی نے بتا دیا کہ تمھارے بھتیجے کو ابوبکرؓ نے گمراہ کیا ہے۔ یہ سن کر وہ آپ کے پیچھے پڑ گیا۔ طلحہؓ کے چچا نوفل کو معلوم ہوا تو وہ غصے سے بھڑک اُٹھا۔ نوفل اور ابوبکرؓ ایک ہی قبیلے تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے نوفل کو کسی مخالفت کا اندیشہ نہ تھا۔ اُس نے کہا، میں حمنہ اور حکم کی طرح ابوبکرؓ کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں اُسے مار ڈالوں گا۔ اس نے طلحہؓ اور ابوبکرؓ دونوں کو باندھ کر بے دردی سے مارنا شروع کیا۔ آخر خاندان کے لوگوں کو رحم آگیا اور خوشامد کر کے بڑی مشکل سے اُن کو چھڑایا۔

آپؓ کی خوبیاں کافروں پر اثر کرتیں :

شروع زمانے میں اسلام جو تعلیم دے رہا تھا، دُنیا اور آخرت کے بارے میں جو حقیقتیں بتا رہا تھا اور مسلمانوں پر جو کام فرض کر رہا تھا، یہ سب چیزیں آپ کے دل کی آواز تھیں۔ گویا آپؓ کا دل، ان ہی باتوں کی چاہت رکھتا تھا، ان ہی حقیقتوں کو سمجھنے اور سیکھنے کی خواہش آپؓ کے دل میں زور کرتی تھی، اور آپ اُن پر بڑے خلوص سے عمل کرتے تھے۔ اللہ کی یاد اور رسولؐ اللہ کی محبت آپؓ کی رگ رگ میں جاری اور رونگٹے رونگٹے میں ساری تھی۔

حضورؐ کو نبوت کے چند برس بعد حکم ہوا کہ اے ایمان لانے والو! اللہ کے لیے اُٹھو، اور ٹھیک ٹھیک سچائی کی گواہی دو۔ یعنی کفر اور شرک جو جھوٹ ہے، اُس کا غلط اور جھوٹ ہونا لوگوں کو بتاؤ، اور دینِ اسلام جو سچ ہے، اُس کا سچا ہونا لوگوں پر ثابت کرو۔

یہ حکم سب مسلمانوں کے لیے تھا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی دوسروں کے ساتھ مل کر اس پر عمل کرنے لگے۔ کام بہت مشکل تھا۔ پورا عرب سینکڑوں برس سے بتوں کو پوج رہا تھا۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کو وہاں کے لوگ جانتے تک نہ تھے۔ ہزاروں سال سے اُن کے

باپ دادا یہی کچھ کرتے رہے تھے، اور عرب کے یہ گمراہ لوگ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کے طریقے کو نہیں چھوڑا ہے۔

جب ایمان اور اسلام کی طرف انھیں بلایا گیا تو یہ لوگ پیغمبر اسلامؐ اور ان کے جاں نثاروں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ مسلمانوں کے سروں پر مصیبتوں کی گھٹائیں چھا گئیں۔ اس حالت میں اللہ نے مسلمانوں پر مہربانی فرمائی اور حضورؐ کو اللہ کے فرشتے نے آکر بتایا کہ مسلمانوں کو ان مشکل حالات میں صبر اور نماز سے مدد لینی چاہیے۔ اب حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی۔ حضرت صدیقؓ کا دل سیپ میں سے نکلے ہوئے تازہ موتی سے زیادہ شفاف تھا۔ اُن کے دل میں اللہ کی محبت بسی ہوئی تھی۔ جب آپ نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تو کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کا دل کانپ کانپ جاتا۔ آواز بھرا جاتی اور برابر آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے۔ آپ کی گلی سے گزرنے والے اسلام کے مخالف بھی جب آپ کی زبان سے قرآن سُنتے تو اُن پر بے انتہا اثر ہوتا، وہ بے اختیار کھڑے ہو جاتے۔ گلی میں بعض دفعہ تو بھیڑ لگ جاتی۔ اُن میں سے کچھ حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے مذہب اسلام کے متعلق سنجیدگی سے سوچنے لگتے۔ مخالفوں کا دل گواہی دینے لگتا کہ یہ کلام کسی انسان کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایسی اچھی تعلیم کسی آدمی کے دماغ میں نہیں آسکتی۔ شاید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ماننے والے سچے ہیں اور یہ کلام خُدا کا کلام ہے۔

مکّی دور میں حضورؐ سے رفاقت :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی ہونے کے بعد، کافروں کی مخالفت، عداوت اور ہر طرح کی مصیبتیں جھیلنے کے باوجود، تیرہ برس تک مکّے میں دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس مصیبت اور بے بسی کی زندگی میں حضورؐ کے رفیق و مشیر اور دست و بازو بنے رہے۔ رسول اللہ روزانہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف

لے جاتے اور اسلام کو پھیلانے کے لیے نئے راستوں کی تلاش کرنے کے سلسلے میں غور و فکر کرتے۔

حضورؐ مکے سے نکل کر آس پاس کے قبیلوں میں تشریف لے جاتے تو ابوبکرؓ بھی ساتھ ہوتے۔ چوں کہ آپ تمام قبیلوں سے پوری طرح واقف تھے، اس لیے تبلیغی کاموں میں ان حضرتؐ کو آپؓ سے بہت مدد ملتی تھی۔ رسول اللہؐ کے ایک مشہور صحابی ربیعہؓ جو عباد کے بیٹے تھے، اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبیلوں میں تشریف لے جاتے تو دو شخص آپؐ کے ساتھ لگے رہتے۔ اُن میں سے ایک آپؐ کے ساتھ ہوتا تھا اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے اور دوسرا شخص پیچھے ہوتا وہ ابولہب تھا۔ وہ لوگوں کو آپؐ کی باتیں سننے سے روکتا۔ ایک دن میں اپنے باپ عباد کے ساتھ ذوالمجاز کے بازار میں تھا کہ میری نگاہ حضورؐ پر پڑی۔ آپؐ اُس وقت کہہ رہے تھے "لوگو! مان لو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" ابوبکرؓ پاس کھڑے تھے اس کے بعد کہنے لگے "زبان سے کہہ دو، کامیاب ہو جاؤ گے۔" لیکن تھوڑے ہی فاصلے پر ابولہب پکار رہا تھا "یہ جھوٹے ہیں۔ بزرگوں کے دین سے پھر گئے ہیں۔" میں نے باپ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا محمد ہاشمی اور اُن کے ساتھ عبدالکعبہؓ اور پیچھے مخالفت کرنے والا شخص عبدالعزیٰ یعنی ابولہب ہے۔

اُمِ جمیل کی بوکھلاہٹ

ابولہب مکّے میں حضورؐ کا ہمسایہ تھا اور دیوار بیچ رہتا تھا۔ رشتے میں بھی آپؐ کا سگا چچا تھا۔ مگر اس کے باوجود دشمنی اور مخالفت میں سب سے آگے تھا۔ اُس کی بیوی اُمِ جمیل کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ آپؐ کو تکلیفیں پہنچانے کے لیے نئے نئے طریقے سوچتی اور آپؐ کو طرح طرح کے دُکھ دیتی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے سخت ناراض تھا۔ نبوت

کے آٹھویں سال اللہ نے اپنے نبیؐ پر وحی بھیج کر دُنیا والوں کو بتایا کہ "وہ مرنے سے پہلے
اس دُنیا میں نامُراد اور ناکام ہوگا۔ اس بخیل کی دولت بھی کام نہ آئے گی اور مرنے کے بعد
وہ اور اُس کی جورُو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلیں گے۔"

وحیِ الٰہی کے اس اعلان کے بعد، معاشرے نے اس پر دو حیثیتوں سے غور کیا۔ ایک
یہ کہ جب لوگ دیکھتے کہ خود دیوار بیچ رہنے والے چچا اور چچی تو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے
سب سے زیادہ واقف ہیں۔ پھر وجہ کیا ہے کہ وہ دونوں اپنے بھتیجے کو جھوٹا اور پاگل کہتے
ہیں؟ ہوتا تو یہ ہے کہ اپنے عزیزوں اور قبیلے والوں کا ساتھ ہر حالت میں دیا جاتا ہے
چاہے وہ غلطی پر ہوں۔ مگر جب قرآن میں یہ ملامت آگئی تو وہ دشمنی میں حد سے بڑھ گیا اور
اُن لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ تو خُدا واسطے کی مخالفت میں پاگل ہو رہا ہے۔ اس کی باتوں
کا اعتبار نہیں۔

دوسری یہ کہ جب رسولؐ اللہ کے چچا اور چچی کی مذمت اور بُرائی کا اعلان اس طرح
پر کر دیا گیا تو اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب کو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں کسی کی
وجہ سے کسی کی رعایت نہیں ہو سکتی۔ اسلام لا کر اللہ کا حکم ماننے والا، کہیں کا ہو، کوئی بھی ہو
وہ نبیؐ کا چہیتا بن جائے گا۔ اور مخالفت کرنے والا چاہے نبی کا رشتے دار اور ایک دادا
کی اولاد ہو، اللہ کی گرفت اور پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔

جب ان دونوں کے بارے میں وحی نازل ہوئی اور اُمّ جمیل نے اُس کو سُنا تو غصے
سے بپھری ہوئی رسولؐ اللہ کی تلاش میں نکلی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں میں پتھر لیے ہوئے
تھے کہ جہاں کہیں وہ رسالت مآبؐ کو پائے، پتھر مار مار کر زخمی کر دے۔ زبان سے بھی
بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ ڈھونڈھتی ہوئی کعبے کی عمارت میں پہنچی تو وہاں حسب معمول رسولؐ اللہ
حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ موجود تھے۔ انھوں نے حضورؐ سے عرض کیا "اے میرے آقا!
آ رہی ہے۔ شاید آپؐ کو دیکھ کر کوئی گستاخی کرے گی۔ اجازت دیجیے کہ میں اس کو روک دوں

[رحم]ت عالمؐ نے جواب دیا "ابوبکر، یہ مجھ کو نہیں دیکھ سکے گی"۔ چنانچہ یہی ہوا۔ حضورؐ اس کو [نظ]ر نہیں آئے اور وہ حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگی کہ تمھارے ساتھی محمدؐ نے ایک بیان [می]ں میری رُسوائی کا سامان کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "خانہ کعبہ کے خدا کی قسم! [انھ]وں نے تو تم پر کوئی الزام نہیں لگایا"۔ یہ سُن کر وہ چلی گئی۔ حضرت صدّیق اکبرؓ کے جواب [کا] مطلب یہ تھا کہ جو کچھ تیرے اور تیرے شوہر کے بارے میں کہا جا رہا ہے، وہ خدا [کی] طرف سے ہے۔ رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔

[ہ]جرت اور پھر واپسی:

اسلام اپنی سچّائی اور خوبیوں کے زور پر پھیلتا چلا گیا۔ حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی [ک]وششوں اور محنتوں کے نتیجے میں، ایک ایک اور دو دو کی تعداد میں لوگ دائرۂ اسلام [می]ں داخل ہوتے رہے۔ کافروں کی پھیلائی ہوئی افواہوں، رکاوٹوں اور ظلم و زیادتی کے باوجود [ا]خدا پرستوں کی تعداد سست رفتاری سے بڑھ کر، اچھی خاصی ہو گئی۔ کافروں کے اندازے غلط ہو گئے۔ اُنھوں نے غصّے اور جھنجلاہٹ میں اندھے ہو کر مسلمانوں کو دُکھ دینے کی انتہا کر دی۔ بعض کو دہکتے انگاروں پر لٹا دیتے۔ بعض کو باندھ کر اُٹھا کر کے پانی میں غوطے دیتے۔ بعض کو چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتے۔ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ تھا کہ سخت ترین مصیبتوں میں مبتلا نہ ہو۔

رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان پاکباز مسلمانوں کو اس درجہ تکلیف اور سختی میں دیکھ کر حکم دیا کہ تم لوگ مُلک حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ اس اجازت کے بعد پہلے چودہ مصیبت کے ماروں کا قافلہ، جس میں دس مرد اور چار عورتیں شامل تھیں، اپنا وطن، اپنا کاروبار اور اپنی ہر چیز کو جس کے وہ عادی تھے، چھوڑ کر حبشہ چلا گیا، اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ مسلمان ستائے

جاتے رہے اور دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں حبشہ جاتے رہے۔

حضرت ابوبکرؓ بھی اپنے ذاتی اثر اور عزت کے باوجود ظلم و مصیبت سے بچے ہوئے نہیں تھے۔ اسلام کیلیے آپؓ کی کوششیں تیز تھیں اس وجہ سے کافر آپ سے زیادہ خار کھاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن حضورؐ نے آپ کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی اور آپ سامانِ سفر باندھ کر شُعَیبَہ کی بندرگاہ کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں سے کشتی پر بیٹھ کر سمندر (بحیرۂ احمر) کو پار کرنا تھا۔ ابھی آپؓ مقام برک الغماد میں پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ کی نظر پڑ گئی۔ اس شخص کو عرب میں ہر قبیلہ پسند کرتا تھا اس وجہ سے لوگ اُس کو سیدُ القارہ (ہر قبیلے اور ہر خطے کا سردار) کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ خود آگے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ سے ملا اور پوچھا:

"ابوبکر، کہاں کا ارادہ ہے؟"

"تمھارے مُلک اور تمھاری ظالم قوم سے الگ، دُور، ایسی جگہ جہاں شرافت سے رہنا ممکن ہو۔"

"کچھ بدمزہ ہو رہے ہو۔ کچھ کڑواہٹ ہے تمھاری باتوں میں۔"

"طبیعت رنجیدہ اور دل پریشان ہے، اس لیے باتوں میں وہ مٹھاس نہیں۔ مہربانی کر کے مجھے معاف کر دو۔"

"ابوبکر میں سمجھا نہیں۔ بات کیا ہے؟"

"قریش نے مجھے وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب میں جا رہا ہوں۔ اللہ کا گھر مجھ سے چھوٹ رہا ہے۔ ۵۰ برس میں جو رشتے ناتے بنے تھے، وہ آج ٹوٹ رہے ہیں۔"

"ابوبکر، تم تو دولت و عزّت والے ہو۔ بولو جا کہاں رہے ہو؟"

"حبشہ جا رہا ہوں، اس اُمید پر کہ شاید وہاں کوئی ظالم رکاوٹ نہ ڈالے اور میں آزادی سے اپنے خُدا کی عبادت کر سکوں۔"

"تم جیسا آدمی عرب چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ تم کو کون یہاں سے نکل جانے پر مجبور کر سکتا ہے؟ تم تو مفلسوں اور غریبوں کی دست گیری کرتے ہو۔ خاندان والوں کا خیال رکھتے ہو۔ مہمان نوازی کرتے ہو۔ مصیبت زدہ غلاموں اور غم کے ماروں پر دولت خرچ کرتے ہو۔ میں تم کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔ آؤ، لوٹ چلو میرے ساتھ۔ اپنے گھر میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرو۔"

غرض ابن الدّغنہ کہہ سن کر آپؓ کو مکّے واپس لے آیا۔ اور قریش میں اعلان کرا دیا کہ آج سے ابوبکرؓ میری امان میں ہیں۔ تم انھیں نکالتے ہو۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ وہ جائیں۔ تم نے ان کی ناقدری کی ہے مگر پھر بھی ابوبکرؓ کی اچھائیوں کا انکار نہیں کر سکتے۔ تم انھیں بُرا کہتے ہو مگر اُن میں کوئی بُرائی ثابت نہیں کر سکتے۔"

قریشِ مکّہ نے یہ اعلان سُن کر کوئی بحث اور اگر مگر نہیں کی۔ البتّہ اتنا کہا کہ ہم تمھاری امان کا احترام کرتے ہیں لیکن ابوبکر کو سمجھا دو کہ وہ اپنے گھر میں نماز و عبادت جو چاہیں کریں مگر گھر سے نکل کر اگر وہ یہ کام کریں گے تو پھر تمھاری امان ان کی حفاظت نہیں کر سکے گی۔

چند دن تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پابندی کا خیال رکھا، لیکن پھر اُنھوں نے اپنے صحن میں مسجد بنالی اور تلاوت و نماز شروع کر دی۔ کافروں کو اس پر بھی اعتراض ہُوا۔ وہ ابن الدّغنہ کے پاس شکایت لے کر گئے، اور کہا کہ ابوبکر نے شرط توڑ دی ہے۔ وہ گھر کے صحن میں نماز پڑھتے اور لوگوں کو جمع کر لیتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ خراب ہو گئے اور اپنا مذہب چھوڑ بیٹھے تو ہم صاف بتائے دیتے ہیں کہ یہ سب تمھاری وجہ سے ہوگا۔ ابن الدّغنہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا "کیا آپ نے اُس شرط کو توڑ دیا ہے جو قریش سے کی تھی؟" آپؓ نے کہا "میں تو اپنے گھر کے اندر عبادت کرتا ہوں۔" ابن الدّغنہ یہ جواب سُن کر اُن کافروں کا مُنھ تکنے لگا۔ وہ بولے "اُنھوں نے یہ چبوترہ بعد میں بنایا ہے۔ یہاں پر کھڑے ہو کر اونچی آواز سے جب وہ پڑھتے ہیں تو ہمارے بچّے اور عورتیں جمع ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اُن میں سے بعض بدعقیدہ ہو جائیں۔ انھوں نے اپنا مذہب سکھانے کی یہ نئی صورت نکالی ہے اور یہ

اُس شرط کے خلاف ہے۔"

ابن الدّغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا "میں نہیں چاہتا کہ عربوں میں یہ مشہور ہو جائے کہ میں بدعہدی کرنے لگا ہوں۔ اس لیے یا تو اس چبوترے کو توڑ دو، یا مجھے ذمّے داری سے بری سمجھو۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، مجھے کسی کی پناہ نہیں چاہیے، میرے لیے خدا اور اُس کے رسولؐ کا سہارا بہت ہے۔

مکّے میں نمازیں :

اللہ نے قرآن شریف میں بتایا ہے کہ نماز بے ہودہ کاموں سے آدمی کو روک دیتی ہے۔ نماز کی اسی خوبی کو ہمارے آقا حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بہت اچھّی مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا :

"لوگو! بتاؤ۔ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو، جس میں وہ پانچ مرتبہ روزانہ نہاتا ہو تو کیا ایسے شخص کے جسم پر میل کچیل کا کوئی اثر باقی رہے گا؟" لوگوں نے جواب دیا "نہیں یا رسولؐ اللہ، ایسے شخص پر تو میل کچیل کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا" حضورؐ نے فرمایا "یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کیوں کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بدی اور بُرائی سے پاک رکھتا ہے۔"

اسی لیے خُدا نے مسلمانوں پر اسلام کے بالکل ابتدائی زمانے میں، پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دی تھیں۔ اس موقع پر ہمیں حضرت ابوبکرؓ کی نماز کا تھوڑا سا ذکر کرنا ہے۔ آپ جب نماز کے لیے قبلہ کی طرف مُنھ کر کے کھڑے ہوتے تو حالت بالکل ایسی ہوتی جیسے واقعی اللہ کے دربار میں کھڑے ہیں۔ جسم کمزور سا پڑ جاتا۔ اعضا ڈھیلے پڑ جاتے، چہرے کا رنگ بدل جاتا، اور سارے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ اللہ کے دھیان اور نماز میں جو قرآن اور دُعائیں پڑھتے اُن کے مطلب میں ایسے غرق ہو جاتے

(اپنی) بھی خبر نہیں (رہتی)۔

مدینہ آنے سے پہلے، مکے کی نمازوں میں سے ایک نماز وہ ہے جو تہجد میں آپؓ نے پڑھی تھی۔ سورۂ الشوریٰ کو پڑھتے ہوئے جب پانچویں رکوع پر پہنچے تو اس کی دو آیتیں بار بار پڑھتے اور آہ و بکا کرتے رہے۔ ان آیتوں میں کہا گیا ہے کہ:

"اے لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ (قیامت کے دن) گنہ گار لوگ سخت تکلیف اور عذاب میں ہوں گے۔ اُن کا کوئی حمایت کرنے والا اور سرپرست نہ ہوگا جو اللہ کے مقابلے میں اُن کی مدد کو آئے۔ جن لوگوں کو (اُن کی سرکشی اور سچائی کا انکار کرنے کی وجہ سے) اللہ گمراہی میں پھینک دے، اُن کے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں۔

مان لو، اپنے رب کی بات! اُس دن کے آنے سے پہلے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کسی صورت سے بھی نہیں ٹالے گا (یعنی انفرادی موت، یا قیامت کے دن کو)۔"

اِن نمازوں کے ذریعے حضرت ابو بکرؓ اس قابل بنے کہ اللہ کے سپاہی، اسلام کے خادم اور رسول اللہ کے مصاحب کی حیثیت سے جو بھاری ذمے داریاں اُن پر تھیں، وہ انھوں نے پوری کیں۔ قرآن شریف مکہ کی اُن نمازوں کا ذکر جو حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ پڑھتے تھے اس طرح کرتا ہے:

"اے نبیؐ! تمھارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت (نماز) میں کھڑے رہتے ہو، اور تمھارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔"

حضورؐ سے رشتۂ مصاہرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ دوستی کے رشتے کو کافی نہیں سمجھا۔ آپؐ نے انھیں اپنے خاندان کا رکن بنانا چاہا۔ حضرت ابو بکرؓ کی چھوٹی صاحبزادی

عائشہؓ چھ سال کی تھیں، مگر عقل، سمجھ اور صلاحیت قدرتی طور پر بہت زیادہ پائی تھی
حافظہ بھی ایسا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ حضورؐ کو خیال ہوا کہ اگر بڑی ہو کر دین کی باتیں اس
لڑکی نے سیکھ لیں تو آدھی شریعت (عورتوں سے تعلق رکھنے والے احکام) اُمّت میں پھیلا
کا کام اچھی طرح کر سکے گی۔ چنانچہ رسولُ اللہ نے حضرت خولہؓ سے ذکر کیا۔ انھوں نے حضرت
ابوبکرؓ کی بیوی، اُم رومانؓ کو بتایا اور انھوں نے ابوبکرؓ سے تبادلۂ خیال کیا، تو وہ بولے کہ
اس سے زیادہ خوش قسمتی ہمارے لیے کیا ہو گی؟ مگر جبیر کے لیے مُطعم سے وعدہ کر چکا ہوں
اور میں نے زندگی میں کبھی وعدہ خلافی نہیں کی ہے۔

مُطعم بہت سی خوبیوں والے آدمی تھے۔ مگر عربوں میں باپ دادا کے مذہب کی
حمایت اور طرف داری کی عادت بہت راسخ تھی۔ مُطعم نے یہ خیال کر کے کہ اگر ابوبکرؓ کی بیٹی
بہو بن کر میرے گھر میں آگئی تو یہاں اسلام قدم جما لے گا، کچھ دنوں بعد خود ہی انکار کر دیا
اور نبوّت کے دسویں سال حضورؐ کا عقد حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہو گیا، پانچ سو درہم مہر
مقرر ہوا اور ہجرت کے تقریباً ایک سال بعد رُخصتی عمل میں آئی۔ اس طرح ابوبکرؓ کا حضورؐ
کے ساتھ رشتۂ مُصاہرت (خسرالی رشتہ) بھی قائم ہو گیا۔

سرکارِ دو عالمؐ نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں جو خیال فرمایا تھا، وہ کس قدر صحیح
دُرست ثابت ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آپ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ
کی خلافتوں کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہؓ مشکل معاملات میں آپ
کے پاس مشورہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ عالموں کا کہنا ہے کہ شریعت کا چوتھائی حصہ صرف
اُمّ المومنین عائشہؓ سے اُمّت کو ملا ہے۔

حضورؐ کے ساتھ مدینے کو ہجرت :

اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجنے والوں کا ظلم خدا کے ماننے والوں پر بڑھتا رہا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ

نے اب دوسری بار ہجرت کا ارادہ کیا۔ مگر وہ اب جلشہ نہیں جا رہے تھے بلکہ یثرب (مدینہ) جانے کا ارادہ کر رہے تھے، اس لیے کہ اب وہاں مسلمانوں کو پناہ مل چکی تھی، اور یثرب کے لوگوں میں سے سچّے مذہب کی تلاش کرنے والے ۔ مکّے میں آکر تین مرتبہ میں نوّے آدمی مسلمان ہو چکے تھے اور حضرت مُصعبؓ کو حضورؐ نے یثرب بھیج دیا تھا۔ انھوں نے بڑی لگن سے کام کیا اور دن رات لوگوں کو اسلام سکھایا۔ اللہ نے بھی وہاں کے لوگوں کے دل اسلام کے لیے کھول دیے۔ گھر گھر اسلام کا چرچا ہو گیا اور بہت سے آدمی اور خاندان مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آقا اور سردار محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کی، "میرے مولا، میں یثرب چلا جاؤں؟" حضورؐ نے فرمایا "جلدی نہ کرو۔ خیال ہے کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔" ابوبکرؓ نے پوچھا "میں حضورؐ پر فدا ہوں۔ کیا آپؐ کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا؟" سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا "ہاں۔" ابوبکرؓ نے کہا "اللہ کے رسولؐ، مجھے بھی ساتھ لے چلیے۔" حضورؐ نے جواب دیا "اچھا، تم میرے ساتھ چلو گے۔"

اس گفتگو کے بعد چار مہینے گزر گئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام آپ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے، لیکن ہجرت سے دو دن پہلے دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ آپؐ چادر سے منھ چھپائے ہوئے تھے۔ دروازے پر دستک دی، اجازت ملنے پر اندر آتے ہوئے ابوبکرؓ سے کہا، کوئی ہو تو ہٹا دو۔ میں تم سے کچھ باتیں کروں گا۔ آپؓ نے عرض کی، حضورؐ گھر والوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کا حکم مل گیا ہے۔" آپؓ نے بے تابی سے کہا "مجھے بھی ساتھ لے چلیں گے؟" ارشاد فرمایا "ہاں۔"

ابوبکرؓ نے چار مہینے پہلے دو تیز رفتار اُونٹنیاں خرید کر اسی دن کے لیے تیار رکھی تھیں۔ انھیں حضورؐ کو دکھا کر کہا کہ ان میں سے ایک آپؐ پسند کر لیں۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ اچھا، مگر قیمت لینا ہوگی۔ دو دن بعد رات میں چلنے کا پروگرام تھا۔ چند گھنٹے پہلے حضرت ابوبکرؓ

کی بیٹیوں اسماءؓ اور عائشہؓ نے جلدی جلدی سفر کا سامان درست کیا۔ بڑی لڑکی اسماءؓ
کھانے کی تھیلی باندھنے کے لیے کوئی ڈوری نہیں ملی تو انھوں نے اپنا نطاق (کمر کا پٹکا)
پھاڑ کر اس کو باندھ دیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں معلوم ہوا تو مسکرائے ا
ذات النطاقین کہہ کر ان کو آواز دی۔ اس دن سے حضرت اسماءؓ کا یہ لقب ہو گیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی رات میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئے، پھر پیچھے کی طر
ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں اپنی اپنی اونٹنیوں پر سوار ہوئے اور اس طرح مقدس قا
جانب یثرب روانہ ہوا۔ مشرکین مکہ نے اسی رات حضورؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھ
اور وہ جانتے تھے کہ یثرب مسلمانوں کا مرکز بن چکا ہے۔ جب وہ سرورِ کائناتؐ کو مک
میں نہ پاتے تو لامحالہ یہ خیال گزرتا کہ دونوں حضرات یثرب روانہ ہو گئے ہیں، اور
انھیں راہ میں جالیتے۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر اللہ کے رسولؐ اور ان کے یارِ غار صدیق
نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مکے سے یثرب جانے والے راستے میں، جنوب کی طرف تین میل پر
جو پہاڑ (ثور) ہے، اس کے غار میں تین راتیں گزاریں اور جب خطرہ ٹل جائے تو یثر
روانہ ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے احتیاطاً اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو غارِ ثور کی طرف
ہی روانہ کر دیا تھا کہ اگر کوئی مشتبہ صورت دیکھیں تو فوراً مطلع کریں تاکہ وہ راہ بدل
جب حضورؐ اور ابوبکرؓ غارِ ثور کے پاس پہنچ گئے تو عبداللہؓ اونٹنیاں لے کر واپس چلے
حضرت ابوبکرؓ پہاڑ کے اندر اس اندھیرے غار میں اترے، سوراخ بند کیے، ہر طر
سے جھاڑا پونچھا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے کر اندر اتارا۔ اس کے بعد حضرت
صدیق اکبرؓ نے عرض کی کہ حضورؐ آرام فرمائیں، ابھی رات باقی ہے۔ حضورؐ اپنے رفیقؓ کے
زانو پر سرِ مبارک رکھ کر سو گئے۔
رات کی تاریکی میں ایک سوراخ بند ہونے سے رہ گیا تھا۔ اس میں سے ایک
سانپ نے سر نکال کر پھنکارا۔ مگر رسولؐ اللہ کے فدائی ابوبکرؓ نے اٹھ کر سانپ کو اس

مارا کہ آپؐ کے آرام میں خلل پڑے گا۔ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر سانپ کو اشارے سے اندر کیا اور سوراخ پر پیر رکھ دیا۔ اُس نے کاٹ لیا۔ خاص قسم کا سانپ تھا، پاؤں میں درد ہو گیا اور زہر اثر کرنے لگا۔ لیکن ابوبکرؓ نے پیر کو ہٹایا نہ حرکت کی۔ مگر تکلیف سے ایک آنسو آنکھ سے نکل کر سرکارِ دو عالمؐ کے نورانی چہرے پر گر گیا۔ پوچھا، ابوبکرؓ یہ کیا ہے؟ آپؓ نے بتایا تو رسولؐ اللہ نے آبِ دہن کٹی ہوئی جگہ پر لگا دیا، جس سے اُسی وقت تکلیف دُور ہو گئی اور زہر کا اثر بالکل نہیں رہا۔

آں حضرتؐ ابوبکرؓ کے ساتھ تین دن اور تین راتیں اسی غار میں رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ نوجوان تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے باپ کے کہنے کے مطابق دن بھر مکّے میں کافروں کے ارادوں کا پتا لگاتے اور رات میں اندھیرا پڑے آکر سب خبریں دیتے۔ رات کو وہیں غار میں وہ بھی سو جاتے اور صبح کے اندھیرے میں شہر واپس ہو جاتے۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اسماءؓ کھانا تیار کر کے کچھ رات گئے آتیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا چرواہا عامر بن فہیرہ صبح سویرے اپنی بکریاں لے کر پہنچ جاتا اور حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کو دودھ پلاتا تھا۔ بکریوں کے آنے سے عبداللہؓ اور اسماءؓ کے نقشِ قدم بھی مٹ جاتے تھے، اور کسی کو وہاں آنے اور جانے کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

قریش کے تمام قبیلوں کے جوان، جنھیں کافروں نے اللہ کے رسولؐ کو قتل کرنے کے لیے مقرّر کیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ جب محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) صبح کو نکلیں تو ایک ساتھ ان پر ٹوٹ پڑیں، یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائیں، آنحضرتؐ کے مکان کے اِرد گِرد گھومتے رہے۔ صبح ہو گئی تو معلوم ہوا کہ گھر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے بجائے حضرت علیؓ ہیں۔ وہ اندر گھسے اور اُنؓ سے پوچھا کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کہاں ہیں؟ اُنھوںؓ نے جواب دیا، مجھے نہیں معلوم۔ اس پر ظالموں نے علیؓ کو لے جا کر قید کر دیا۔ مگر پھر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اُن میں سے کسی نے کہا

کہ اب فوراً ابوبکر کے گھر چلو۔ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے بڑا رازدار اور ساتھی ہے۔ ہم اُس سے پتا چلالیں گے۔ جب یہ لوگ آئے تو حضرت اسماءؓ ملیں۔ پوچھا، تمہارے باپ کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا، مجھے بتا کر نہیں گئے ہیں۔ اس پر ابوجہل نے غصّے میں آکر اسماءؓ کے چہرے پر طمانچہ مارا، اور پھر سب لوگ لوٹ آئے۔

قریش اپنے منصوبے کی ناکامی پر سخت پریشان تھے۔ انھوں نے ہر طرف حضورؐ کی تلاش میں سوار اور پیدل دوڑائے اور اعلان کیا کہ جو شخص اُنؐ کو زندہ یا مُردہ لائے گا، اُس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ قریش کے بہادروں نے شہرت اور انعام کے لالچ میں ہر طرف تلاش شروع کر دی اور اُن میں سے ایک جماعت اس غار کے بالکل پاس پہنچ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ کہیں یہ ظالم میرے آقا کو پکڑ لیں۔ آپ نے حضورؐ سے کہا "یہ لوگ اگر ذرا بھی نیچے کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر اُن کی نظریں پڑ جائیں گی"۔ آپؐ نے کہا، فکر نہ کرو۔ خدا ہمارا نگہبان ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو تسلّی ہو گئی اور اللہ کے حکم سے کافروں کی نگاہ ان دونوں کو نہیں دیکھ سکی۔

تین دن بعد عبداللہ بن اُریقط دو اونٹنیاں لے کر رات میں آگیا۔ یہ شخص غیر مسلم تھا مگر عرب کے علاقوں اور راستوں سے واقف تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُس کا معاوضہ دے کر اس لیے طلب کیا تھا کہ عام راستے پر نہ چلے بلکہ سب سے قریب کی راہ اختیار کر کے یثرب (مدینہ) پہنچا دے۔

قافلۂ مختصر کی شان :

اللہ کے لیے اپنا گھر بار اور دیس چھوڑے ہوئے چوتھا دن شروع ہونے والا تھا۔ گاؤں گاؤں، گھاٹی گھاٹی ڈھونڈتے پھرے، مگر اب تین تاریخیں یعنی بہتّر گھنٹے گزر گئے ہیں۔ ڈھونڈھنے والے تھک ہار چکے ہیں۔ چوتھے دن، سورج نکلنے سے بہت

اللہ کا سب سے بزرگ اور برگزیدہ بندہ اپنے رفیق کے ساتھ ثور پہاڑی کے تاریک غار سے نکلا اور اپنی اونٹنی پر بیٹھا۔ یارِ غار ابوبکرؓ اپنی اونٹنی پر۔ عامر چرواہے کو بھی ابوبکرؓ نے اپنے پیچھے اونٹنی پر بٹھا لیا۔ اجازت ملی اور اب چار آدمیوں کا یہ تاریخی قافلہ، ریگستان کے اونچے نیچے ٹیلوں، کالے، بھورے اور لال رنگ کے پہاڑوں، پتھروں سے بھری ہوئی وادیوں اور خاردار ببول کی جھاڑیوں میں تیزی سے گزرتا مکّے سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ رسولؐ اور صدیقؓ دونوں کے دل مکّے کی جدائی سے اداس ہیں۔ پیچھے مڑ مڑ کر کعبے کی عمارت کو دیکھ لیتے ہیں۔ عبداللہ کا اونٹ، راستہ بتانے کے لیے، آگے آگے ہے۔ اتنے میں ابوبکرؓ کی نگاہ دور سے آتے ہوئے ایک سوار پر پڑی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ قریب آگیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا "حضورؐ! یہ سُراقہ سو اونٹوں کے لالچ میں ہمیں پکڑنے آرہا ہے۔" آپؐ نے جواب دیا "ابوبکرؓ! تم اس سے کچھ نہ کہنا۔ خدا سب سے بڑا محافظ ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے۔" اللہ کی قدرت سُراقہ کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑا۔ صاف چٹیل میدان میں جس طرح وہ گرا تھا، یہ معمولی بات نہیں تھی۔ اس کو فوراً خیال آیا کہ "میں کہیں ایک سچے نبی کو پکڑنے تو نہیں آگیا ہوں؟" اس نے عربوں کے طریقے کے مطابق تیر کھینچ کر فال نکالی۔ جواب ملا، کوشش چھوڑ دو۔ مگر اُسے پھر لالچ آیا۔ آگے بڑھا ہی تھا کہ گھوڑے کے پیر گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ اُس نے اتر کر دوبارہ فال لی۔ اب بھی وہی جواب نکلا تو آواز دی۔ حضورؐ ٹھہر گئے۔ سُراقہ نے آکر معافی طلب کی اور کہا، ایک امان نامہ لکھوا کر مجھے عنایت فرمادیں۔ پوچھا اس کا کیا کروگے؟ جواب دیا، شاید کسی وقت میرے کام آئے۔ حضورؐ نے فرمایا، ہمارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتانا۔ پھر عامر کو حکم دیا۔ اُنھوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر امان نامہ لکھ دیا۔

(ذیقعدہ ۸ ہجری کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین اور اوطاس کی کامیابیوں کے بعد واپس آتے ہوئے مقام جعرانہ میں ٹھہرے تو سُراقہ وہاں آکر آپؐ سے ملے اور وہ

امان نامہ دکھا کر تعارف کرایا۔ رحمتِ عالمؐ نے فرمایا "آج ایفائے عہد اور نیکی کا دن ہے"۔ سراقہؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے)۔

حضرت ابوبکرؓ کا حلقۂ تعارف بہت وسیع تھا۔ میل ملاقاتی بہت تھے۔ راستے میں بار بار جاننے والے ملتے۔ مگر وہ حضورؐ سے واقف نہ تھے۔ پوچھتے کہ یہ تمہارے ساتھ میں کون ہیں؟ آپ مصلحتاً پوری بات نہیں بتاتے اور صرف اتنا کہہ دیتے "یہ ہمارے رہنما ہیں"۔

قبا میں ورود:

اس طرح جمعرات کے دن جب کہ چاند کے حساب سے ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوت، اور سورج کے حساب سے ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کی تاریخ تھی، یہ قافلہ قبا کی آبادی کے قریب پہنچا۔ یہ قصبہ مدینے سے تین میل پہلے آتا ہے۔ مدینے اور قبا کے مسلمانوں کو حضورؐ کی آمد کی خبر مل چکی تھی۔ وہ نہایت شوق سے انتظار کر رہے تھے۔ وہ آبادی سے نکل کر استقبال کے لیے کافی دور پہنچ گئے اور ادب و تعظیم کے ساتھ جلوس کی شکل میں لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے قبا کی طرف بڑھے۔ شہر کی عورتیں دروازوں پر کھڑی اور چھتوں پر چڑھی، اپنے محبوب نبیؐ کی تشریف آوری کی خوشی میں قصیدے گا رہی تھیں۔

اللہ کے نبیؐ کا پُر نور چہرہ اس وقت خوشی سے اور زیادہ روشن نظر آرہا تھا۔ زبان پر اللہ کی تعریف و تسبیح تھی۔ ایک خاص موڑ پر آپؐ نے جلوس کو داہنی طرف مڑ جانے کو کہا۔ تھوڑا ہی چلے تھے کہ ایک ممتاز شخص کلثومؓ کا مکان آیا۔ کلثومؓ نے اللہ اکبر نعرہ بلند کیا۔ قسمت والے تھے۔ رسول اللہؐ نے اُن کی میزبانی قبول فرمالی۔

مدینہ اور قبا کے مسلمان (انصار) بڑی تعداد میں زیارت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ حضورؐ بیٹھے تھے اور ابوبکرؓ کھڑے ہو کر آنے والوں کا استقبال کر رہے تھے۔ انصار نے پہلے حضورؐ کو نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے غلطی سے ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ جب

بحالت آپؐ پر دھوپ آگئی اور جان نثار خادم ابوبکرؓ نے بڑھ کر اپنی چادر سے سایہ کیا تو رہنے والوں نے حضورؐ کو پہچانا۔

مسلمانوں کو نماز اور مسجدوں کی کس قدر ضرورت تھی ؟ اس کا اندازہ قرآن اور اللہ کے رسولؐ کی سیرت سے ہوتا ہے۔ قبا پہنچ کر آپؐ نے سب سے پہلا کام مسجد کی تعمیر کا کیا۔ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مسجد کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنے کے لیے نکلے۔ آبادی کے درمیان ایک ہموار زمین پر کھجوریں سکھائی جا رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ یہ زمین کلثومؓ کی ہے جن کے ہاں آں حضرتؐ ٹھہرے تھے۔ آپؐ نے اس جگہ کو پسند کیا، اور سب مسلمان مسجد بنانے میں لگ گئے۔ حضورؐ بھی اس محنت میں شریک تھے۔

مدینے میں سکونت، بیماری اور صحت یابی :

چودہ دن قبا میں ٹھہرنے کے بعد جمعہ کے روز رسولؐ اللہ مدینے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں بنو سالم کے محلّے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ حضورؐ نے نماز جمعے کا اعلان کرایا۔ یہ سب سے پہلی نمازِ جمعہ اور سب سے پہلا خطبۂ جمعہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ سرکارِ دو عالمؐ کے ساتھ تھے۔ جب حضورؐ ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں مہمان ہو گئے تو آپؓ زید کے بیٹے خارجہؓ کے ہاں ٹھہر گئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال حضرت طلحہؓ کے ساتھ، جو آپ کے ہم قبیلہ اور رشتے دار تھے، آگئے۔ اب ابوبکرؓ نے اپنا ذاتی مکان بنا لیا۔

مدینے کی آب و ہوا مکّے سے آنے والے مہاجرین کو موافق نہیں آئی۔ اکثر لوگ شدید بخار میں مبتلا ہو گئے، بیمار رہنے لگے اور کمزور ہو گئے۔ مدینے آنے کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکرؓ بھی بہت تیز بخار میں مبتلا ہو گئے۔ بہت دن ہو گئے، یہاں تک آپؓ نے سمجھ لیا کہ اب اچھا ہونا مشکل ہے۔ آپ کی بیٹی حضرت عائشہؓ نے ایک دن پوچھا، طبیعت کیسی ہے ؟ جواب میں آپ نے یہ شعر پڑھا اور پھر بار بار پڑھتے رہے :

"ہر آدمی اس حال میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ صبح کرتا ہے کہ موت اس کے لیے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔"

صاحبزادی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پریشانی کی حالت میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور باپ کا حال بیان کیا۔ اللہ کے رسولؐ نے سب سے اچھے وفادار اور یارِ غار کی بیماری کا سن کر زندگی اور موت اور خیر و برکت کے مالک کے آگے اسی وقت ہاتھ پھیلا دیے اور کہا:

"اے مالک! تو مکّے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینے کی محبت ہمارے دلوں میں بھر دے۔ مدینے کو بیماریوں سے صاف کر دے۔ مدینے کے صاع اور مُد (وزن من سیر اور چھٹانک) میں برکت بھر دے اور مدینے کے بخار کو حجفہ منتقل کر دے۔"

اللہ کی رحمت اپنے پیارے رسولؐ کے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹا سکتی تھی۔ جو مانگا وہ ملا۔ ابوبکرؓ بسترِ بیماری سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مدینے کی آب و ہوا مکّے سے آنے والوں کے لیے خوش گوار ہو گئی۔

بھائی چارہ :

مکّے سے مدینے آنے والے مہاجرین بالکل بے سروسامان تھے اور انھیں مدد کی ضرورت تھی۔ اس لیے آں حضرتؐ نے مہاجرین اور مقامی مسلمانوں (انصار) کے درمیان بھائی چارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت انسؓ اس وقت دس سال کے بچّے تھے۔ وہ مہاجرین اور انصار کو بُلا لائے۔ حضورؐ لوگوں پر نظر ڈالتے اور پھر ایک ایک مہاجر اور انصاری کو بُلا کر فرماتے کہ تم ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ اس رشتے میں دونوں آدمیوں کے مرتبہ اور عزّت کا بھی لحاظ رکھا گیا۔ حضرت خارجہؓ انصاری کو حضرت ابوبکرؓ کا بھائی بنایا گیا۔ وہ مدینے میں ہر دل عزیز اور صاحبِ اثر تھے۔ دونوں حضرات کا مزاج اور

مذاقِ طبیعت بھی ایک تھا۔

حضرت ابوبکرؓ مدینے آکر اپنے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر کام میں ساتھ رہے۔ یہودیوں کے ساتھ معاملات اور معاہدے کرنے میں غور و فکر کرتے اور مشورے دیتے۔ مکّے کے مہاجر حضورؐ کے بعد سب سے زیادہ آپؓ ہی سے قریب تھے۔ وہ آپ سے محبّت کرتے، آپ پر اعتماد کرتے اور اپنا درد دُکھ آپ سے بیان کرتے۔ آپ ان لوگوں کے کام آتے، اور بڑے بڑے معاملات کو حضورؐ کی خدمت میں لے کر جاتے۔ آپ کو حضورؐ کی رفاقت، صحبت اور اسلام کی خدمت سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ اس کے باوجود مدینے کے ضرورت مندوں کے لیے وقت نکال لیتے۔ آپؓ کو کسی کام سے پرہیز نہیں تھا۔ جن گھروں میں بوڑھے اور بچّے ہوتے، اُن کے جانوروں کا دُودھ نکالنا اپنے ذمّے لے لیا تھا۔ مدینے میں مسجد کے لیے زمین خریدنے اور اُس کے بنانے کا موقع آیا تو آپؓ نے زمین کے مالک، دو یتیم بچّوں، کو اپنی جیب سے قیمت ادا کی۔ (آج حضورؐ کے مزار کا سبز گنبد اور مسجدِ نبویؐ جس پلاٹ پر قائم ہے، وہ آپؓ ہی کے پیسے سے خریدا گیا تھا)۔

آپؓ مسجد کی تعمیر اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر والوں کے لیے کوٹھریاں تیّار کرنے کے لیے مٹّی کا گارا بناتے اور پتھر سر پر رکھ رکھ کر لاتے۔ مسجد اور کوٹھریوں کی چھت کے لیے چھپّر تیّار ہونا تھا۔ اُس کے لیے کھجور کی شاخیں اور پتّے ڈھو ڈھو کر لاتے۔ جب حضرت طلحہؓ اور آپؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کے ساتھ آپ کے گھر والے بھی مدینے آگئے تو آپ نے مقامِ سنح میں اُن کے رہنے کا انتظام کر دیا اور کپڑے کے کاروبار کے لیے بھی برابر میں جگہ بنالی۔

مُسلمانوں اور اُن کے آقا و رہنما حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مدینے چلے آنے کے بعد مکّے والے غصّے میں دانت پیستے رہ گئے۔ وہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح

پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ یہ کیوں ہو گیا؟ کیسے ہو گیا اور اب کیا کریں؟ وہ ایک دوسرے پر الزام دیتے تھے کہ تمھاری نرمی سے محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اور اُن کے ساتھی ہمارے چُنگل سے نکل گئے۔ اُنھوں نے مسلمانوں کی ساری جائیداد و اسباب پر، جس کو وہ مکّے میں چھوڑ آئے تھے، قبضہ کر لیا۔ جس کسی کے بے چارے اور کمزور عزیز مدینے نہیں آسکے تھے، اُن پر پابندیاں لگا دیں۔ مدینے سے حرم کی زیارت کے لیے آنے پر بھی پابندی لگا دی اور مسلمانوں پر، اُن کو ختم و تباہ کرنے کے لیے، ایک زبردست حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ حضورؐ مکّے کے قریشیوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے تعلّقات بہت وسیع تھے۔ وہ پل پل کی خبریں، لوگوں کو مکّے بھیج کر یا آس پاس کے علاقوں میں آنے جانے والوں کے ذریعے لیتے رہتے تھے۔ راتوں کو مدینہ سے باہر تک گشت کرتے ہوئے چلے جاتے اور اکثر جاگ کر پہرا دیتے۔ کیوں کہ قریش نے مسلمانوں کی ہمّت کا اندازہ کرنے کے لیے اپنے فوجی دستے بھیجنا شروع کر دیے تھے۔ وہ ایک دفعہ سردار جابر کے بیٹے کُرز کو کچھ جوانوں کے ساتھ مدینے کے پاس چراگاہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیج چکے تھے۔

جنگِ بدر میں آپؓ کا کردار:

قریشِ مکّہ کے جذبات برابر بھڑکتے رہے۔ یہاں تک کہ رمضان ۲ ہجری میں وہ ایک ہزار فوج کے ساتھ عتبہ کی قیادت میں مسلمانوں کو تباہ کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فوراً خبر مل گئی اور اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو فتح کی بشارت دی۔ آپؐ نے صحابہؓ کا جلسۂ عام بُلایا، جس میں حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو نازک حالت کا احساس دلایا اور جان و مال فدا کر دینے کی ترغیب دی۔ حضورؐ نے ابُولبابہؓ کو مدینے میں چھوڑا اور ۱۲ رمضان ۲ ہجری کو ۳۱۳ جاں نثاروں کے ساتھ اُس میدان کی طرف روانہ ہوئے جو بدر گاؤں کے پاس تھا۔ ۱۶ رمضان کو یہ اللہ کے عاشق اور اسلام کے سپاہی

میل چل کر بدر کے میدان میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک
پہنچ گئے ہیں، اس لیے حضورؐ نے دہاں پڑاؤ کیا۔
میدان میں ایک طرف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوٹا سا سائبان بنا دیا گیا۔ اس
سائبان کی حفاظت اور پاسبانی حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ذمے لی۔ دوسرے دن نمازِ صبح
پڑھتے ہی حضورؐ نے ۸۲ مہاجر سپاہیوں کا سردار حضرت مصعبؓ کو بنایا۔ مدینے کے مقامی
مسلمان (انصار) دو قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؐ نے ۱۷۰ خزرجی انصار کا سردار
حضرت حبابؓ کو مقرر کیا اور ۶۰ اَوسی انصار کا عَلَم حضرت سعدؓ بن معاذ کو عطا کیا۔
جب صبح کی روشنی پھیل گئی تو اللہ کے حبیبؐ نے صف بندی شروع کی۔ آپؐ کے
ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ اُس سے اشارہ کرتے ہوئے صفوں کو اس طرح سیدھا کر رہے تھے
کہ وہ تِل برابر بھی ٹیڑھی نہ رہیں۔ عجیب منظر تھا۔ ایک طرف ایک ہزار بتوں کے پجاری، ہر
طرح کے اسلحے سے لیس، لوہے کی زرہیں اور ٹوپیاں پہنے، ایک سو گھڑ سواروں کے ساتھ
دعوتِ مبارزت دے رہے تھے۔ دوسری طرف ان کے مقابلے میں صرف ۳۱۳ بے سر و سامان
مظلوم مسلمان تھے جو صرف اللہ کا نام اور کلمہ بلند کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکل کر اس
وادی میں آئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اللہ کے حضور
میں دُعا کے لیے پھیل گئے۔ آپؐ نے زمین پر سر رکھ دیا۔ ابوبکرؓ دیکھ رہے تھے۔ وہ قریب
پہنچے تو اُنھوں نے سُنا آپؐ کہہ رہے تھے:

"اے مالکِ کائنات! اے میرے خدا! میں تجھ سے تیرے (فتح کے) وعدے کو پُورا
کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ اے میرے رب! اگر آج یہ چند خدا پرست مٹ گئے تو
پھر دُنیا میں تیری بندگی کرنے والے اور تیرا کلمہ بلند کرنے والے نہیں رہیں گے۔"

یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھے اور حضورؐ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا، "بس حضورؐ، یہ
کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پُورا کرے گا۔" سرکارِ دو عالمؐ نے سر اُٹھایا اور یہ

کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ کفّار درہم برہم ہو جائیں گے، اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے

جنگ شروع ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ اُن کا بیٹا عبدالرحمانؓ (اُس وقت تک مُسلمان نہیں ہوئے تھے) مکّے کی فوجوں میں شامل ہے اور مُسلمانوں سے لڑنے آیا ہے۔ وہ غصّے سے بیتاب ہو گئے۔ انھوں نے کسی طرح اُسید بن حُضیرؓ کو قبیلۂ اَوس کا عَلم دلوا کر حضرت سعدؓ بن معاذ کو بُلایا اور اپنی ڈیوٹی پر لگا کر عبدالرحمٰن کی طرف بڑھے۔ آپؓ اس کے پاس پہنچ کر وار کرنا ہی چاہتے تھے کہ اُس نے بھاگتے ہوئے کہا، ابّا جان! تمھارا دل پتھر ہو گیا ہے؟ آپؓ نے جواب دیا، ہاں۔ وہ کافروں کے لیے بہت سخت ہے۔

لڑائی میں کُل ۱۴ مسلمان شہید ہوئے۔ مشرکین میں سے ۷۰ قتل اور ۷۰ گرفتار ہوئے اور بہت جلد لڑائی جیت لی گئی۔ آں حضرتؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ قیدیوں کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں۔ لیکن حضرت عُمرؓ نے کہا کہ کسی کو رہا نہ کریں۔ سب قتل کر دیے جائیں۔ رحمتِ عالمؐ نے حضرت صدّیقؓ کی رائے پر عمل فرمایا۔ مگر اللہ کو یہ عمل پسند نہیں آیا۔

جنگِ اُحد میں آپؓ کا کردار :

قریش کے دل میں بدر کی ہاری ہوئی لڑائی کا بدلہ لینے کا بے حد جوش تھا۔ انھوں نے نے اپنے مقرّروں اور شاعروں کو اس کام کے لیے تیّار کیا کہ قریش کے تمام قبیلوں میں جنگ کے جذبات بھڑکائیں۔ ابوسفیان قریش کا سب سے بڑا لیڈر تھا۔ اس نے روپے کا انتظام کر دیا۔ اس طرح تین ہزار فوج تیّار ہو گئی۔ شوال ۳ ہجری مطابق مارچ ۶۲۴ عیسوی میں یہ لشکر مُسلمانوں سے لڑنے کے لیے مکّے سے چلا۔ سرداروں نے اپنی لڑکیاں اور بیویاں بھی ساتھ لے لیں تاکہ وہ اُن مُسلمان مجاہدین کی لاشیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں جنھوں نے ایک سال پہلے بدر کی لڑائی میں اُن کے باپوں، بھائیوں اور عزیزوں کو قتل کیا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ۵ شوال ۳ ہجری کو قریش کے لشکر کی خبریں مل گئیں۔ آپؐ نے دو آدمیوں اُنس اور مُونس کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے واپس آکر بتایا کہ ایک بڑا لشکر مدینے کی طرف بہت آگے تک آچکا ہے اور چراگاہ عریض کو اُس کے گھوڑوں نے صاف کر دیا ہے۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی رائے کے مطابق ہر طرف آبادی کے سروں پر، لوگوں کے پہرے بٹھا دیے۔ ایک موقع پر حضرتِ صدیقؓ نے پوری رات پہرا دیا۔

۱۴ شوال ۳ ہجری مطابق ۲۹ مارچ ۶۲۴ عیسوی کو جمعے کی نماز کے بعد حضورؐ مقابلے کے لیے نکلے اور مدینے سے چار میل آکر مجاہدین کو صفوں میں اس طرح کیا کہ اُحد پہاڑ پیٹھ کے پیچھے تھا۔ پہاڑ میں ایک راستہ تھا، جہاں سے دشمن آکر ایک دم پیچھے سے حملہ کر سکتے تھے۔ اس لیے آپؐ نے ایک مجاہد عبداللہؓ کی ماتحتی میں ۵۰ تیر انداز مقرر کر دیے اور ہدایت کر دی کہ حکم کے بغیر یہاں سے نہ ہٹیں۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کی تعداد سات سو سے بھی کچھ کم تھی۔ مسلمان نہایت بے جگری سے لڑے۔ خاص کر حضرت حمزہؓ، حضرت ابودجانہؓ اور حضرت علیؓ نے حیرت ناک شجاعت دکھائی۔ کافروں پر دباؤ پڑ رہا تھا، وہ برابر پیچھے ہٹ رہے تھے اور اُن کے کمانڈر ایک ایک کر کے قتل ہو رہے تھے۔ آخر میں صواب قتل ہوا تو کافر پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مجاہدین اُن کا چھوڑا ہوا مال و اسباب جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ پہاڑی راستے پر جو تیر انداز مقرر تھے وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال لوٹنے میں لگ گئے۔ یہ دیکھ کر بھاگتے ہوئے کافر گھڑ سوار پلٹ پڑے۔ مسلمان ہتھیار پھینک کر دوسرے کام میں مصروف تھے کہ یکایک اُن کے سروں پر تلواریں اور برچھیاں بھالے جھکنے لگے۔ وہ پریشان اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گنتی کے چند آدمی رہ گئے تھے۔ ان کی

صحیح تعداد گیارہ بتائی گئی ہے۔ اس نازک موقع پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کچھ آگے بڑھ کر کافروں سے بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ ابودجانہؓ حضورؐ کی طرف رُخ کر کے اس طرح کھڑے ہوئے کہ دشمنوں کے تیر آ آکر اُن کی پیٹھ پر لگتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کے اُن واروں کو اپنے ہاتھوں پر روکا جو حضورؐ پر کیے جا رہے تھے، یہاں تک کہ اُن کا ایک ہاتھ کٹ کر جُدا ہو گیا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے اس قدر تیر برسائے کہ کمانیں اُن سے ہاتھ سے ٹوٹ گئیں اور جب کمان نہیں ملی تو دونوں ہاتھوں میں ڈھال لے کر حضورؐ کے چہرے کے سامنے آڑ کر لی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے آں حضرتؐ کی داہنی طرف آکر کافروں پر اس قدر تیزی سے تیروں کی بارش کی کہ اُن کے ارادے خاک میں مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اپنے ترکش کے تیر بکھیر دیے اور فرماتے رہے کہ سعد! مارا اور مار۔ حضرت اُمِ عمارہؓ انصاری بھی موقع کی نزاکت دیکھ کر آگئیں اور حملہ آوروں پر اُچھل اُچھل کر تلوار سے وار کرتیں۔ اُنھوں نے بہت سے کافروں کو جہنم پہنچایا۔

رسول اللہ کے جاں نثار عاشق، کافر سواروں اور پیدل فوج کا زور توڑنے میں کامیاب ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ اپنے آقا کو لے کر پہاڑی پر گئے۔ حضورؐ دوہری زرہ پہنے تھے، اس لیے چڑھنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔ یہ دیکھ کر زخموں سے چُور حضرت طلحہؓ جھکتے ہوئے آئے۔ ابوبکرؓ نے سہارا دیا اور اُنھوں نے حضورؐ کو اپنی پیٹھ پر سوار کیا۔ اس طرح آپ چوٹی پر چڑھ گئے۔ اس کے بعد باقی ماندہ مسلمان بھی اوپر آگئے۔ اُس وقت رسول اللہؐ نے فرمایا "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کو زخمی کرے۔"

ابوسفیان نے یہ دیکھا تو پہاڑی کے قریب آکر پکارا "کیا تمھارے گروہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں؟" اِدھر سے کوئی جواب نہ ملا تو ابوسفیان اور اس کی پارٹی نے اوپر چڑھنے کی کوشش کی، لیکن ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے اوپر سے

لڑکائے، اس لیے اُن کی ہمّت اُوپر چڑھنے کی نہیں ہوئی۔

دُوسرے دن مسلمان مدینے واپس پہنچے۔ حضورؐ کو خیال ہوا کہ مکّے والوں کا لشکر، کہیں مدینے پر حملہ نہ کر دے۔ ابھی مجاہدین نے ہتھیار نہیں کھولے تھے، اُن کے جسموں سے خون رِس رہا تھا کہ مُنادی کرنے والے نے پکارا "مجاہدین ہتھیار نہ کھولیں اور فوراً اللہ کے رسولؐ کے ساتھ مکّے کی فوجوں کا تعاقب کرتے چلیں"۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کو علم دیا گیا اور آٹھ میل دُور تک جا کر مقام حَمراءُ الاَسَد میں قیام کیا۔ مشرکین کو معلوم ہوا تو اُن کی ہمّت مدینے کی طرف آنے کی نہیں ہوئی۔ وہ مکّے چلے گئے اور مجاہدین مطمئن ہو کر مدینے واپس آ گئے۔

صُلحِ حُدیبیہ میں آپؓ کا کردار:

کافروں نے مسلمانوں کو مکّے آنے کی ممانعت کر دی تھی۔ کوئی ایک مسلمان حج کے لیے بھی وہاں نہیں جا سکتا تھا۔ ایک رات حضورؐ نے خواب دیکھا کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ مکّے گئے ہیں اور عُمرہ کر رہے ہیں۔ پیغمبروں کا خواب سچّا اور اللہ کی طرف سے اُن کے لیے حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کچھ اصحابؓ سے خواب کا ذکر فرمایا اور مکّے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کے ساتھ خاص تعلّق تھا۔ انھوں نے عرض کیا "یا رسولؐ اللہ! مسلمانوں کو بتا دیجیے کہ ہم اللہ کے حکم سے عُمرہ کرنے جا رہے ہیں جو ہمارے ساتھ چلنا چاہیے وہ سواری اور سفر کا سامان ٹھیک کرے اور ہمیں بتا دے"۔ ایسا ہی کیا گیا اور چودہ سو صحابیؓ مکّے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان لوگوں نے عُمرے کے لیے احرام باندھے اور قربانی کے لیے اُونٹ ساتھ لیے، جن کی گردنوں میں پٹّے ڈال دیے تاکہ دُور سے نظر پڑتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ قُربانی کے جانور ہیں جنھیں حاجیوں کا قافلہ اپنے ساتھ لیے جا رہا ہے۔

قریش مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ وہ کئی بار مدینے پر چڑھائی کے ارادے سے آ چکے تھے۔ اور ایک سال پہلے بھی (۵ ہجری میں) بہت سے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر حملہ کر چکے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ کی مہربانی سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ اب اُن کو خبر ملی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے آ رہے ہیں تو جنگ کی دھمکی دی۔ اُنھوں نے کہا، ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم عمرے کے لیے ہی آ رہے ہو، مگر ہم یہ بدنامی کیسے گوارا کریں کہ پورے ملک میں یہ خبریں پھیلیں کہ قریش کے دشمن مکّے میں زبردستی داخل ہو کر عمرہ کر گئے۔ مجبوراً حضورؐ مقامِ حدیبیہ میں جہاں سے مکّہ صرف ۱۳ میل رہ جاتا ہے ٹھہر گئے۔

کافروں نے قبیلہ ثقیف کے سردار عُروہ کو رسولؐ اللہ کے پاس بھیجا کہ وہ کسی طرح آپؐ کو لوٹ جانے پہ آمادہ کرے۔ بات چیت کے دوران اُس نے یہ کہا کہ آپؐ کے ساتھی بہت تھوڑے اور بغیر ہتھیاروں کے ہیں۔ جب قریش ہتھیار لگا کر اُن کے سامنے آئیں گے تو وہ آپؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔" سردار عُروہ کی اس بات نے حضورؐ کے صحابیوںؓ کے تن بدن میں آگ سی لگا دی۔ حضرت ابوبکرؓ بُردبار طبیعت کے آدمی تھے مگر اُن کے جذبات بھی بھڑک اُٹھے۔ آپؓ نے عُروہ کو پکار کر فرمایا "بدتمیز! کیا بکتا ہے یہ پیغمبر کے جاں نثار ہیں۔ ملعون! یہ کافروں کی بھیڑ نہیں ہے۔ ہم اور حضورؐ کو چھوڑ کر جائیں گے؟"

عُروہ نے ناواقف بنتے ہوئے پوچھا "یہ کون ہیں؟" لوگوں نے جواب دیا "ہمارے آقا رسولؐ اللہ کے ساتھی اور دوست حضرت ابوبکرؓ"۔ عُروہ نے کہا "ابوبکرؓ! تمھارا ایک احسان میری گردن پہ ہے، جس کو میں ابھی تک اُتار نہیں سکا ہوں۔ ورنہ میں بھی تم سے اسی طرح پیش آتا۔"

آخر میں سہیل کو مکّے والوں نے بھیجا اور چند شرطیں منظور کر کے قریش سے صُلح نامہ ہو گیا

صلح نامہ حُدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا اس لیے اُس کو صُلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ صُلح کی جو شرطیں حضرتؐ نے قبول فرمائی تھیں۔ وہ مسلمانوں کو ناپسند تھیں۔ اُن میں جو بھلائی چھپی ہوئی تھی اور آیندہ مسلمانوں کو جو کچھ حاصل ہونے والا تھا، اُن تک، کسی شخص کا ذہن نہیں گیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ کافروں سے معاہدہ دب کر کیا جا رہا ہے۔ حضرت عُمرؓ جیسے دانشور اور سیاست کے ماہر کا بھی اس موقع پر جو حال تھا وہ خود اُن کی زبان سے سُنیے۔ اُنھوںؓ نے فرمایا "مسلمان ہونے کے بعد، اسلامی کاموں کے بارے میں کبھی میرے دل میں وہم نہیں آیا مگر صُلحِ حُدیبیہ کے وقت میں اُس سے نہ بچ سکا۔"

حضرت عُمرؓ بے چین ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور کہا "اے وہ شخص کہ تیرے دل پر سب سے پہلے اسلام کی روشنی پڑی اور تو ہی رسولؐ کا سب سے پرانا ساتھی ہے مہربانی کر اور میرے سوالوں کا جواب دے، تاکہ میرا دل قرار پائے۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "کہو! کیا کہتے ہو؟"

عمرؓ نے پوچھا "کیا حضورؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟"

ابوبکرؓ نے جواب دیا "بیشک وہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔"

عُمرؓ نے پھر پوچھا "کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟"

ابوبکرؓ نے جواب دیا "بلاشُبہ ہم مسلمان ہیں۔"

عمرؓ نے تیسرا سوال کیا "کیا ہمارے مقابلے میں مُشرک نہیں ہیں؟"

ابوبکرؓ نے جواب دیا "اس میں کیا شُبہ ہے، وہ سب شرک کرنے والے ہیں۔"

اس کے بعد عمرؓ نے کہا "ابوبکرؓ جواب دو! پھر آخر ہم دین کے معاملے میں ذِلّت کیوں اختیار کریں؟"

ابوبکرؓ نے جواب دیا "اے عُمرؓ! وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اللہ کے حکم پر چلنے والے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ اللہ اپنے رسولؐ کو کامیابی اور عزّت دے گا۔"

اس سوال و جواب سے حضرت عمرؓ کی پوری طرح تسلی نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی یہی سوالات اُنھوںؓ نے کیے اور آپؐ نے بھی اُن کو وہی جواب دیے جو حضرت ابوبکرؓ پہلے ہی دے چکے تھے۔

غور کرنے کی بات ہے۔ صدّیقِ اکبرؓ کا رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور تربیت سے بنا ہوا ذہن کس درجہ تربیت یافتہ تھا کہ حُدیبیہ کے ظاہری حالات کے پیچھے مسلمانوں کے لیے جو کامیابیاں چھُپی ہوئی تھیں، وہ اللہ کے رسولؐ اور صدّیقؓ دونوں کو یکساں نظر آئیں۔ یہی وجہ تھی کہ جو صدّیقؓ نے کہا، وہی حضورؐ نے بھی فرمایا۔ بعد میں حضرت عمرؓ مدّتوں اس گفتگو پر نادم رہے، جو اُنھوںؓ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کی تھی۔

عرب کی شمالی سرحدوں کے پاس، دُومۃ الجندل کے قریب، کلابی قبیلے کے لوگ آباد تھے۔ انھوں نے غسّانیوں کے اشارے پر، صُلحِ حُدیبیہ کے دس گیارہ مہینے بعد مدینہ اور اُن کی اسلامی ریاستِ مدینہ کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ آس پاس کے قبیلوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگے۔ بنو عبس اور مرّہ کے لوگوں کو بھی کلابیوں نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر طرف کی خبر رکھتے تھے۔ آپؐ کو اطلاع ملی تو پانچ سو مجاہدین کو حضرت ابوبکرؓ کی ماتحتی میں روانہ فرمایا۔ یہ لشکر شعبان ۷ ہجری میں مکّے سے روانہ ہوا اور نہایت خوبی سے کلابیوں کی سرکوبی کر کے شوّال میں لوٹ آیا۔

حضرت صدّیقؓ کلابیوں کی سرکوبی سے فارغ ہو کر مدینے واپس آئے تھے کہ حضورؐ نے انھیںؓ مدینے کے شمال و مشرق میں تقریباً ڈیڑھ سو میل دُور فزارہ والوں کی مسلّح بغاوت کو دبانے کے لیے بھیج دیا۔ آپؐ نے بنو فزارہ کو سمجھایا اور مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ مگر غطفان کا جنگ جو قبیلہ اُن کی ہمّت بندھائے ہوئے تھا، اس لیے سمجھانے کا اثر نہیں ہوا۔ مجبوراً آپؐ کو جنگ کرنی پڑی۔ بنو فزارہ جم کر مقابلہ نہیں کر سکے، میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور آپؐ کثرت سے قیدی اور مالِ غنیمت لے کر واپس آئے۔

فتحِ مکّہ میں آپؓ کا کردار:

حُدیبیہ کے صُلح نامے میں ایک بات یہ طے ہوئی تھی کہ مُسلمان اور اُن کے ساتھی اور مکّے کے کافر اور ان کے ساتھی آپس میں آیندہ دس سال تک نہیں لڑیں گے۔ لیکن اس معاہدے کو ابھی دو سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ بنی بکر جو قریشِ مکّہ کے دوست تھے نے قبیلۂ خُزاعہ پر جو مسلمانوں کے ساتھی تھے، پرانی دشمنی کی بنا پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں قریش نے ان کی مدد کی۔ خُزاعہ تعداد میں تھوڑے تھے۔ وہ شکست کھا کر حفاظت کے خیال سے حرم کے علاقے مکّہ میں چلے گئے۔ لیکن بنی بکر کے سردار نوفل نے کہا کہ ایسا موقع شاید پھر نہیں ملے، اس لئے ان بے چاروں کو حرم کے حدود میں قتل کیا گیا، جہاں کافر بھی خون بہانا اور لڑنا حرام سمجھتے تھے۔ خزاعی سردار عمرو دوڑے ہوئے مدینے آئے اور حضورؐ سے فریاد کی۔ آپؐ نے فرمایا تم اطمینان رکھو۔ ہم ان کو ظلم کرنے اور معاہدہ توڑنے پر جلد ہی سزا دیں گے۔

اُدھر قریش اپنی غلطی پر بہت خوف زدہ ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان اپنے وعدہ کے مطابق خزاعہ کی مدد ضرور کریں گے۔ اُنھوں نے اپنے رئیس ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ معافی مانگیں۔ مگر سرورِ عالمؐ راضی نہیں ہوئے۔ ابوسفیان نے سوچا کہ مجھے حضرت ابوبکرؓ کے پاس جانا چاہیے۔ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشیر اور وزیر ہیں اور آپؐ کے بعد سب سے بڑے آدمی وہی ہیں۔ چنانچہ اب وہ آپؓ کے پاس آکر خوشامد کرنے لگا کہ آپؓ آن حضرتؐ سے سفارش کر کے دوبارہ صُلح نامہ کرا دیں۔ مگر آپؓ نے صاف انکار کر دیا۔ ابوسفیان مایوس ہو کر مکّے لوٹ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ ۱۰ رمضان ۸ ہجری مطابق یکم جنوری ۶۳۰ عیسوی کی صبح کو سرورِ کائناتؐ دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس لشکر کی تیاری کی ذمّے داری حضرت ابوبکرؓ کو سونپی گئی تھی اور اس میں علیحدہ علیحدہ قبیلوں

کو آگے پیچھے لگایا گیا تھا۔ سب سے آگے غفاری قبیلہ تھا جس کے علمبردار حضرت ابوذر غفاری
تھے۔ دوسرے نمبر پر جہینہ تھا جس کے علمبردار حضرت سعد بن ندیم تھے۔ غیر زرہ پوش فوج ا
کے بعد تھی، جس کے علمبردار حضرت ابو عبیدہ تھے۔ انصار کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ کے ہا
میں تھا۔ سوار فوجوں کا علم حضرت خالد بن ولید اٹھائے ہوئے تھے۔ مہاجر صحابہ سب
کم اور سب سے پیچھے تھے۔ انھی میں رحمتِ عالم صلی اللہ وسلم تھے۔ حضرت زبیر مہاجر فو
کے علمبردار تھے۔

شہر مکہ چند میل رہ گیا تھا کہ اوّل رات میں صحابہ کا لشکر مرّ الظہران پہنچا۔ حضور
حضرت ابو بکر سے یہیں ٹھہرنے اور نماز پڑھنے کیلیے فرمایا۔ اس کے بعد لشکر مجاہدین کو ایک ایک
ہزار کی دس ٹکڑیوں میں بانٹ دیا گیا، اور ان سے کہا گیا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اپنا ا
پڑاؤ کریں اور آگ روشن رکھیں۔ مکے والوں کو اب تک خبر نہیں ہوئی تھی۔ اللہ والوں کی
جماعت جب بالکل ان کے سروں پر پہنچ گئی اور انھیں جنگل میں ہر طرف روشنی اور آدمی ہی
آدمی دکھائی دیتے تو ان کے دل بیٹھ گئے۔

دوسرے دن مسلمان پاکبازوں کا لشکر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوا، قبیلہ وار حرم میں داخل ہو
کے لیے بڑھا۔ حضور اپنی اسی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے جو حضرت ابو بکر نے آپ کو دی تھی
کافر اس لشکر کو دیکھ کر سہمے جا رہے تھے۔ رمضان کی بیس تاریخ تھی کہ اللہ کی رحمت میں
ڈوبا ہوا یہ لشکر کعبۂ ابراہیمی کے پاس پہنچا۔ خدا کے آخری نبی نے اپنی سواری ہی پر سات
کعبہ کا طواف کیا۔ پھر کعبے کو بتوں سے صاف کرا کے اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز
پڑھی اور ایک سرے سے تمام خون کے پیاسوں کو معاف کر دیا۔ اس رحم اور مہربانی نے
اسلام کے مخالفوں کے دل بدل گئے اور گنتی کے چند آدمیوں کے سوا، جو بعد میں اسلام لائے
تمام قریش اسی دن مسلمان ہو گئے۔

غزوۂ حُنین میں آپؓ کا کردار

مکہ فتح ہوگیا تھا اور کعبے کو بتوں سے پاک و صاف کر دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی ان کامیابیوں سے عرب کے کافر قبیلوں پر دو مختلف اثرات پڑے۔ بہت سے قبیلے تو اسلام کی سچائی اور رسولؐ اللہ کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ مگر تھوڑے لوگ ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں مسلمانوں سے حسد اور مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے ان لوگوں میں آگے آگے تھے۔ یہ نڈر اور بہادر تھے۔ اور باقاعدہ جنگ کی تربیت حاصل کرتے تھے۔ ان کی عمریں لڑائیوں میں گزری تھیں۔ تیر اندازی میں کوئی اُن کا ثانی نہ تھا۔

مکّے پر حضورؐ کے قبضے کی خبر سُن کر یہ قبیلے آگ بگولا ہو گئے۔ انھوں نے ہوازن کے قبیلے تیس سالہ جوان مالک کو جو عوف کا بیٹا تھا، اپنا سپہ سالار منتخب کیا اور مسلمانوں سے مکہ اور مدینہ چھین لینے کے لیے تیاری شروع کر دی۔

مکہ فتح ہوئے ابھی چند دن ہوئے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہیں مقیم تھے کہ آپؐ کو یہ خبریں ملیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ اسلمیؓ نے بھی آکر تصدیق کر دی۔ آپؐ تیاری کر کے بارہ ہزار فوج کے ساتھ ہوازن کی طرف روانہ ہوئے۔ مکّے کے نئے مسلمان اور وہ لوگ جو ابھی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے مگر اسلام قبول کرنے کے لیے سوچ رہے تھے، بڑے جوش سے اسلامی لشکر میں شامل ہوئے اور مقدمہ (اگلے حصّے) میں یہی لوگ رہے۔

مالک نے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کر لیا تھا کہ مسلمان حُنین کی وادی میں اُس جگہ سے ہو کر آئیں گے۔ چنانچہ اُس نے راستے کی ایک ڈھلان میں، جس کے دونوں طرف جھاڑیاں، پتھریلے ٹیلے اور گڑھے تھے، اپنے سپاہیوں کو چھپا کر بٹھا دیا۔ صبح کے دُھندلکے میں، اسلامی لشکر کے اگلے حصّے کے لوگ اُس مقام پر اُوپر سے نیچے کی طرف تیزی کے ساتھ گزر رہے تھے کہ یکایک دشمنوں نے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ لیکن گیارہ اصحاب ایسے

تھے جو رسول اللہؐ کے ساتھ چٹان کی طرح اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ انھی میں حضرت ابو
بھی تھے۔ جب بوکھلاہٹ میں لوگ بھاگ رہے تھے تو آپؓ بہادر قبیلے بنو مالک
رئیس اور علمبردار ذوالخمار کو قتل کر رہے تھے۔

چند منٹ بعد حضرت عباسؓ نے جن کی آواز بہت بلند اور گرجدار تھی، پکارا "
گروہِ انصار! کہاں ہو؟ اے حدیبیہ میں جاں نثاری کی بیعت کرنے والو!" عباسؓ
پکار فوراً سنی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً سو آدمی حضورؐ کے پاس آ گئے اور اس زور سے
کیا کہ دشمن پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اسی دوران میں دوسرے مسلمانوں نے بھی پلٹ
حملہ کر دیا۔ ہوازن اور اس کے ساتھی قبائل، اپنے جھنڈے اور مردے چھوڑ کر بھا
کھڑے ہوئے۔

بے مثال ایثار:

رومی بادشاہ نے سات ہجری کے آخر میں مسلمانوں کے سفیروں کو عام دستور
خلاف، قتل کرا دیا تھا۔ لہٰذا آٹھ ہجری میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار مسل
کا لشکر عیسائیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ جب وہ مقام موتہ پہنچا تو بصریٰ کا حا
ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ مگر اللہ کی مدد اور رحمت کہ کئی گھنٹوں کی سخت لڑ
کے بعد بھی وہ مجاہدوں کو کوئی خاص نقصان نہ پہنچا سکا۔ صرف ۱۲ مسلمانوں نے شہادت
کا جام پیا، لیکن عیسائی بڑی تعداد میں ہلاک ہوئے۔

موتہ کی لڑائی کا بدلہ لینے کے لیے ایک سال بعد روم کے بادشاہ ہرقل نے اپنے
ماتحت حاکم غسانی کے ذریعے سرحدوں پر بہت بڑی تعداد میں فوجیں جمع کرنی شروع
حضورؐ سیاسی حالات سے مکمل طور پر باخبر تھے۔ اس موقع پر آپؐ نے خاص طور پر مس
سے اپیل کی۔ جس پر ہر امیر اور غریب نے جان و دل سے عمل کیا۔ حضرت عمرؓ نے نص

ائی کا آدھا حصہ لاکر رکھ دیا۔ لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نقد اور اسلحہ کے علاوہ آٹے کی چکی، ٹھنے کی چٹائی، پینے کا پیالہ غرض کہ ہر چھوٹا موٹا اور نیا پرانا سامان لاکر جہاد فنڈ میں جمع کرانے ے، تو آں حضرتؐ نے پوچھا "ابوبکرؓ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟" حضرت صدیقؓ نے ض کیا "اُن کے لیے اللہ اور اُس کا رسولؐ کافی ہے۔"

حجِ اکبر میں آپؓ کی امارت :

۹ ہجری میں پہلا حج مسلمانوں کے انتظام میں ہوا۔ کعبے کو ڈھائی ہزار برس پہلے، اللہ کے دو فرماں بردار بندوں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت سماعیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے، خالص اللہ کی عبادت کے لیے بنایا تھا۔ اس گھر ں مدت تک اللہ کی عبادت ہوتی رہی۔ پھر رفتہ رفتہ اس عبادت میں دوسروں کو بھی شریک کرلیا گیا۔ یہاں تک کہ اس پاک گھر کو بُت خانہ بنا ڈالا گیا۔ طواف جب بھی ہوتا تھا و مرد اور عورت دونوں بالکل مادر زاد ننگے ہو کر اس مقدس گھر میں گھومتے تھے۔ وہ جب بھی سات طواف کرتے تھے، مگر اپنی زبانوں سے اللہ کی بڑائی اور کبریائی بیان کرنے کے بجائے، مُنھ سے سیٹیاں بجاتے تھے۔ ان باتوں کے علاوہ اور بہت سی خراب حرکتیں جہالت کی وجہ سے وہاں ہونے لگی تھیں۔

ایک برس پہلے ۲۰ رمضان کو حضورؐ نے اللہ کے اِس پاک گھر کو بُتوں سے صاف کردیا تھا اب عرب میں بہت سے لوگ مُسلمان ہوگئے تھے اور جو بچے کھُچے رہ گئے تھے، انھیں اس مرکزِ ابراہیمیؑ کو بیہودگیوں کے لیے استعمال کرنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی تھی۔ اس لیے حضورؐ کو اللہ کے حکم سے، ۹ ہجری کے حج کے موقع پر یہ اعلان کرانا تھا کہ اس کے بعد پھر کبھی کافر حج کے لیے نہ آئیں۔ بلکہ شہر مکہ میں داخل ہونے کی اُن کے لیے سرکاری طور پر مُمانعت ہے۔ نیز مشرکین سے مسلمانوں نے جو معاہدے کیے ہوئے ہیں، اُن میں سے جن کی مدت پُوری ہوتی جائے گی، وہ

ختم ہوتے جائیں گے اور آیندہ نہ مدّت بڑھائی جائے گی نہ معاہدے ہوں گے۔ حضورؐ او
آپؐ کی اسلامی حکومت اب کافروں کی ذمّے دار نہیں ہے۔

اس بڑے اور اہم مقصد کے لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب سے بزرگ
صحابی حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو منتخب فرماکر مکّہ مکرّمہ بھیجنے کا حکم دیا، اور تین سو صحابہؓ کا ایک قا
آپؓ کی ماتحتی میں دیا جس میں بڑے بڑے صحابہؓ شریک تھے۔ آں حضرتؐ نے اپنی طرف سے
قربانی کے لیے بیس اونٹ بھی اس قافلۂ حجّاج کے ساتھ روانہ کیے۔

قرآن نے اس حج کو حجِّ اکبر کہا ہے۔ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے حضرت صدّیقؓ
امارت میں یہ حج خُدا کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کیا۔ یہ حج اس بات کی علامت
تھا کہ اب شیطان کی چلائی ہوئی جاہلیت اور بُرائیوں کا دَور رخصت ہو رہا ہے اور خُدا کی بتائی ہو
شریعت اور خوبیوں کا زمانہ شروع ہو رہا ہے۔

اس حجِّ اکبر میں صدّیقِ اکبرؓ نے مسلمانوں کو حج کرنے کے طریقے بتائے، یوم النحر میں
(قربانی کے دن، ۱۰ ذی الحجہ کو) حجّاج کے جلسے میں تقریر کی جس کا لوگوں پر بہت اثر ہوا

حضورؐ کی آخری تقریر اور ابوبکرؓ :

۲۶ ذیقعدہ سنیچر کے دن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینے سے مکّے کو حجۃ الود
کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے۔ اس سفر سے لوٹنے کے بعد بیماری کے
دنوں میں آپؐ نے ایک تقریر کی اور اس میں یہ بھی فرمایا:

"خُدا نے ایک بندے کو دُنیا اور عُقبےٰ کے درمیان فیصلہ کرنے کا موقع
دیا تھا، یعنی وہ چاہے تو دُنیا میں رہے اور چاہے آخرت کو پسند کرے۔ مگر اس
نے عُقبےٰ کو دُنیا پر ترجیح دی۔"

حضرت صدّیقؓ یہ سُن کر رونے لگے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کونسا موقع تھا جب

بات نے ابوبکرؓ کو رُلا کر بے قابو کر دیا تھا، وہ بھرے مجمع میں کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آئی۔ مگر آپؓ کی سمجھ نے اُسے پالیا۔ آپؓ سمجھ گئے کہ اس تقریر میں "بندے" سے مراد خود حضورؐ کی ذاتِ اقدس ہے۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے بعد اپنی تقریر کو آگے بڑھایا اور چند جُملوں کے بعد کہا:

"سب سے زیادہ میں جس کی محبت، رفاقت (دوستی) اور دولت کا قدردان اور اُس کے احسان کو ماننے والا ہُوں، وہ ابوبکرؓ ہیں۔ بلاشبہ اگر میں دُنیا میں کسی کو اپنی اُمت میں سے دوست بناتا، تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلام کا رشتہ میری اور اُن کی دوستی کے لیے کافی ہے۔ مسجدِ نبویؐ میں جن اصحاب کے گھروں کی کھڑکیاں کُھلتی ہیں، وہ بند کر دی جائیں۔ لیکن ابوبکرؓ کی کھڑکی کُھلی رہے گی۔"

حضورؐ کی بیماری میں آپؓ کا امامت پر تقرُّر:

۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ ہجری میں آدھی رات گزرنے کے بعد سرکارِ دو عالم کی طبیعت خراب ہوئی، بُخار اور سر میں درد ہو گیا۔ اس بیماری کا سلسلہ جاری رہا۔ کمزوری بڑھتی گئی۔ مگر تکلیف میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی تھی۔ بیماری کے دسویں دن جمعے کی رات شروع ہوئی۔ اس وقت سر سے رُومال باندھ کر آپؐ مسجد میں گئے اور مغرب کی نماز پڑھائی۔ عشا کی نماز میں جانے کے لیے بار بار جسم پر پانی بہا کر بُخار کو کم کرنے کی کوشش کی، مگر ہر مرتبہ ایک دو لمحوں کے لیے طبیعت سنبھلی اور پھر بے ہوش ہو ہو گئے۔ تیسری بار کی غشی کے بعد جب ہوش آیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دھیمی آواز میں فرمایا "ابوبکرؓ سے کہو، نماز پڑھائیں۔" اُنھوںؓ نے کہا "یارسُولؐ اللہ! ابوبکرؓ بہت کمزور دل والے آدمی ہیں جب امامت کی جگہ پر آپؐ کو نہ دیکھیں گے تو رنج سے اُن کا دل بے قابو ہو جائے گا اور وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔"

آپؐ نے فرمایا "نہیں۔ ابوبکرؓ امامت کریں۔" اب حضرت عائشہؓ نے امّ المومنین حفصہؓ سے کہلوایا کہ "حضورؐ! واقعی ابوبکرؓ نرم دل کے آدمی ہیں۔ وہ آپؐ کی جگہ امامت نہیں کر سکیں گے۔ اجازت دیجئے کہ حضرت عمرؓ کو آپؐ کا یہ حکم پہنچا دیا جائے۔" اس طرح بار بار کے مشورے سے آپؐ پریشان ہو گئے کیوں کہ نبی کا کام، اُس کا علم اور اُس کی مصلحت صرف وہی جانتا ہے دوسرے لوگ کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اس مرتبہ حضورؐ نے تھوڑے غصّے سے کہا "تمھاری مثال اُن مصری عورتوں کی طرح ہے جنھوں نے یوسف علیہ السّلام کو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔" اس کے بعد نیک دل بیویاں سہم گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جگہ نماز پڑھانے کا حکم ملا تو اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بہر حال جمعے کی رات میں عشا کی نماز سے ابوبکرؓ نے نمازیں پڑھانا شروع کر دیں۔

پیر کے دن صبح کو، فجر کی نماز کے وقت، طبیعت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ کا کمرا، جس میں آپؐ اُس وقت تھے، مسجد سے ملا ہوا تھا۔ حضورؐ نے نماز کی صف بندی کے وقت تکبیر اقامہ کی آواز سنی تو کمرے کے دروازے پر آئے اور پردہ اٹھا کر دیکھا۔ آپؐ کے شاگرد، آپؐ کے چاہنے والے، خُدا کے متوالے، بڑے شوق اور خلوص سے صفوں میں کھڑے ہیں۔ اللہ کے آخری پیغمبرؐ یہ منظر دیکھ کر خوشی سے مسکرا دیے۔ یکایک اُسی وقت حضورؐ کے شیدائیوں کی نظر اُس جمالِ صورت پر پڑ گئی۔ دیکھنے والوں نے جو کچھ بتایا، اُسے آج تک لوگوں نے یاد رکھا ہے اور تاریخ نے اُسے محفوظ کر لیا ہے۔ صحابہؓ نے کہا "ہمارے آقا کا چہرہ اُس وقت ایسا نورانی تھا جیسے مُصحف کا ورق۔" سب کے دل خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔ ابوبکرؓ کا چہرہ مسرت سے چمک اُٹھا۔ وہ سمجھے اب سرکارؐ نماز پڑھائیں گے۔ اس لیے امامت کی جگہ خالی کرنے کے لیے پیچھے ہٹنے لگے۔ آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے روکا، پھر پردہ چھوڑ دیا اور واپس حُجرے میں چلے گئے۔

صبح کی نماز پڑھا کر حضرت ابوبکرؓ اپنی بیٹی کے ہاں حضورؐ کے پاس مزاج پوچھنے

کے لیے حاضر ہوئے۔ طبیعت پہلے سے بہتر تھی۔ کچھ دیر بعد آں حضرتؐ نے آپ کو گھر جانے کی اجازت دے دی اور ابوبکرؓ مقامِ سنخ میں، جہاں اُن کی بیوی صاحبہ حبیبہؓ رہتی تھیں، تشریف لے گئے۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت جیسے جیسے دن چڑھتا گیا، زیادہ خراب ہوتی گئی یہاں تک کہ عصر کے وقت وہ رُوحِ اعظمؐ اپنے رب سے جا ملی۔

حضورؐ کی وفات پر آپؓ کا استقلال :

مدینے کے لوگ غم سے پریشان تھے۔ اُن کے جذبات سُلگ رہے تھے اور دل بے قابو تھے۔ آپؓ نے دیکھا کہ مسجد کے اندر اور باہر اصحابؓ جمع ہو گئے ہیں لیکن آپ کسی سے نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے کمرے میں داخل ہوئے۔ چہرے پر سے چادر ہٹائی، پیشانی کو بوسہ دیا اور رو کر کہا :

"میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ خُدا کی قسم آپؐ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی۔ کیوں کہ وہ موت جو آپؐ کو آنی تھی اُس کا مزہ تو آپؐ چکھ چکے۔ اس کے بعد اب کوئی موت نہیں آئے گی۔"

پھر چادر سے مُنھ ڈھانپ دیا اور کمرے سے نکل آئے۔ لوگوں کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ پر وفات کا بُہت اثر ہے۔ وہ جوش اور جذبے میں لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ میرے آقا نے وفات نہیں پائی ہے۔ جو کوئی یہ کہے گا کہ آپؐ وفات پا گئے ہیں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُن سے کہا "عمر! بس کرو اور بیٹھ جاؤ" مگر اُنھیں کسی کی بات سننے کا ہوش نہ تھا۔ ابوبکرؓ نے ذرا ہٹ کر تقریر شروع کر دی اور سارا مجمع حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر آپ کی طرف جُھک پڑا۔ آپؓ نے فرمایا :

"ہاں، جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے ہوں، اُنھیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ وُہ تو وفات پا چکے۔ لیکن جو لوگ اللہ کے بندے اور اُس کی بندگی

کرنے والے ہیں، اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ خُدا زندہ ہے اور اُسے موت نہیں۔
خُدا نے اپنے پیغمبر سے خود فرمایا ہے کہ تم وفات پاؤ گے اور سب لوگ بھی۔
محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک رسولؐ ہیں۔ اُن سے پہلے اور رسولؑ بھی
گذر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ مر جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم لوگ اُلٹے پاؤں
پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو (اسلام کو چھوڑ کر واپس کفر کی طرف) پھر جائے گا،
وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں کرے گا۔ البتہ جو لوگ (ہر حالت میں) اللہ تعالیٰ
کے شُکر گزار بن کر رہیں گے، وہ انھیں اس کی جزا دے گا۔"

آپؓ کی یہ تقریر سُن کر صحابہؓ کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ خود حضرت عمرؓ کی حالت
غیر ہو گئی اور وہ دھڑام سے فرشِ زمین پر گر پڑے۔

حضرت سعدؓ کی بیٹھک میں انصار کا جلسہ:

مدینے کے انصار دو حلقوں خزرج اور اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ خزرج تعداد میں زیادہ
تھے اور اُن کے رئیس حضرت سعدؓ بن عُبادہ تھے۔ مدینے کے بازار کے پاس اُن کا مکان تھا اور اُس
سے متصل ایک چبوترہ انھوں نے بنایا تھا جس پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ جب انصار کو معلوم ہُوا کہ
سرورِ عالمؐ وفات فرما گئے تو اوس اور خزرج کے سردار سعدؓ کی اُس بیٹھک میں جمع ہوئے
تاکہ وہ اپنے قبیلہ میں سے کسی کو خلیفہ (رسولؐ اللہ کے دین کا محافظ اور اُمت کا امیر) مقرر
کرلیں۔

سچے، نیک اور اسلام کے انتہائی وفادار انصار میں یہ خیال منافقین نے پیدا کر دیا، جو
دھوکا دینے کے لیے اسلام کا اقرار کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ مدینے کے سرداروں
میں خلافت کی خواہش پیدا کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑانا چاہتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ ابھی مسجد سے نہیں گئے تھے کہ انصار کے جلسے کی خبر ملی۔ آپ نے موقع کی

نزاکت کو محسوس کیا اور اپنے ساتھ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ کو لے کر حضرت سعدؓ کی بیٹھک میں پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ کوئی شخص کمبل میں لپٹا، منہ چھپائے جھکا ہوا بیٹھا ہے۔ پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ انصار نے بتایا، حضرت سعد بن عبادہؓ ہیں۔ بیمار اور کمزور ہیں۔ ہمارے بلانے پر آگئے ہیں حضرت عمرؓ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو روک دیا۔ اور خود بڑے اعتماد وقار اور سنجیدگی کے ساتھ کھڑے ہو کر ایک بہت اچھی تقریر کی، جس میں پہلے مہاجرین کی خدمات اور اُن کی بزرگی بیان کی۔ پچھلے ۲۲ سال میں انھوں نے اسلام کی راہ میں جو جو مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں اُن کا ذکر کیا۔ پھر انصارِ مدینہ کی تعریف کی۔ اُن کی دینی خدمتوں کو ایک ایک کر کے گنایا اور ان کے ایمانی جذبے کی دِل کھول کر تعریف کی۔ اس کے بعد کہا، اللہ کے رسولؐ نے فرمادیا ہے۔ اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْش امام قریش میں سے ہوں گے

پس رسولؐ اللہ کے فیصلے پر عمل کیا جائے گا، قریش میں سے امیر ہوگا اور تم میں سے وزیر، تمہارے مشورے قریش کے لیے ضروری اور قیمتی ہوں گے۔ ابوبکرؓ کی تقریر ختم ہوئی تو حباب بن منذرؓ انصاری نے اپنے خیالات بیان کیے جن کا حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے کھڑے ہو کر کہا "انصاری بھائیو! سب سے پہلے اسلام قبول کرنے اور اس کی حمایت کرنے کے لیے تم آگے بڑھے۔ اب اسلام کی عمارت کو ڈھانے میں تمہیں پہل نہیں کرنی چاہیے۔"

یہ سن کر حضرت بشیر بن سعدؓ انصاری کھڑے ہوئے اور انصارِ مدینہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا

"بھائیو! ہم نے اسلام قبول کرنے اور اللہ کے لیے جہاد کرنے کے سلسلے میں جو کچھ بھی خدمت انجام دی، وہ رسولؐ اللہ کی اطاعت اور اللہ کی خوشنودی کے لیے تھی۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ اُن خدمات کو ہم اپنی زبانوں پر لائیں اور دوسروں سے اُن کا معاوضہ مانگیں۔ اپنا حق جتا کر عہدوں اور منصب کے

خواہش مند ہوں۔ دینِ اسلام کے لیے ہماری محنتیں اگر اس قابل تھیں، تو خدا کو پسند آگئی ہوں گی اور اُن کا انعام دینے والا بھی وہی ہے۔ اور اس کا انعام کوئی معمولی چیز نہیں۔ وہ تو ہر چیز سے بہتر ہو گا۔

میرے بھائیو! سچی بات یہی ہے کہ قریش طاقتور ہیں۔ اُن کا عرب میں اثر ہے اور قریش کے لوگ ہی پہلے دن سے حضورؐ کے ساتھی رہے ہیں۔ خود حضورؐ قریشی تھے۔ لہٰذا وہی خلیفہ ہو سکتے ہیں اور تمام قبیلے بھی صرف ان ہی کی خلافت میں راضی رہ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا ہے "امام قریش میں سے ہوں گے"۔ پس میری بات مانو۔ اللہ سے ڈرو اور مخالفت سے باز رہو۔"

بشیرؓ کی تقریر سُن کر انصار نے کہا، آپ نے ٹھیک کہا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت بڑے دانشور تھے، اُنھوں نے اس خیال سے کہ پھر سکھانے پڑھانے سے کوئی رئیس نااتفاقی پر نہ اُتر آئے، اس معاملے کو کل پر چھوڑنا نہیں چاہیے۔ انصار کے سرداروں سے، جنھیں اللہ نے اس وقت خاموش کر دیا ہے، اسی وقت خلافت کے لیے بیعت لے لی جائے۔ اُمت کے دو بہترین آدمی بھی اس وقت موجود تھے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ یہاں موجود ہیں۔ مسلمانوں میں سے ہر شخص ان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ دونوں میں سے جس کو تم پسند کرو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ مگر ان دونوں حضرات نے کہا

"آپ تمام مسلمانوں میں افضل ہیں۔ غار میں اللہ کے رسولؐ کے رفیق، حج میں حضورؐ کے بنائے ہوئے امیر۔ نماز میں رسولؐ اللہ نے اصرار کر کے آپ ہی کو اپنا قائم مقام اور امام بنایا۔ اور نماز وہ شے ہے جو دین کے تمام کاموں میں افضل ہے۔ بھلا آپ سے بہتر کون شخص ہو سکتا ہے۔ آپ ہی اس فرض کو سنبھالیے۔"

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امینِ اُمت ابو عبیدہؓ اور بشیرؓ بن سعد نے ان کی پیروی کی۔ اس کے بعد تمام سردار اور عام مسلمان بیعت کے لیے ٹوٹ

پڑے۔ اس موقع پر خلیفۂ اوّل کی کوشش اور سمجھ داری سے مسلمان ایک بحران سے بچ گئے اور امّت میں اختلاف رونما ہوتے ہوتے رہ گیا۔

بیعتِ عام اور تقریر :

سقیفہ بنی ساعدہ (سعدؓ کی بیٹھک) میں بیعت کے بعد، دوسرے روز شام کے بعد مسجدِ نبویؐ میں عام بیعت ہوئی۔ اُس کے بعد صدیق اکبرؓ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اپنے خیالات اور منشور کا نہایت بلاغت کے ساتھ اظہار کیا۔ آپؓ نے فرمایا :

"صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کر دیا گیا، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھّے کام کروں تو اُن میں میری مدد کرو، اور اگر دیکھو کہ میں بُرائی کی طرف جا رہا ہوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچّائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت (یعنی میں نے اس عہدے یا رسول اللہؐ کی قائم مقامی میں سچّائی کو امانت کے طور پر لیا ہے، اس لیے مجھے صداقت اور سچّائی کی راہ خود بھی اختیار کرنا اور دوسروں کو بھی سچّائی پر قائم رکھنا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو جھوٹ ہوگا، اور میرے فرائض و ذمّہ داری کے خلاف)۔

اے لوگو! تم میں سے جو ضعیف ہے، وہ میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں اُس کا حق دلا دوں۔ اِنشاءَ اللہ۔ اور بہ ظاہر زور و قوّت رکھنے والا آدمی بھی میرے نزدیک کمزور ہے۔ یہاں تک کہ میں بے سہارا کمزور آدمی کا حق اُس سے دِلا دوں اِنشاءَ اللہ تعالےٰ۔

جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیتی ہے، اُس کو خُدا خوار اور ذلیل کر کے چھوڑتا ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جائے، خُدا اُس کی مُصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔ میں خُدا اور اُس کے رسُولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلوں

تو تم لوگ میری اطاعت کرو۔ لیکن اگر میں خُدا اور رسولؐ کے راستے کو چھوڑ دوں، تو تم میں سے کسی ایک پر بھی میرا حُکم نہیں چل سکتا۔ اچھّا، اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم کرے۔"

خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکرؓ کا یہ خُطبہ پوری دُنیا کے لیڈروں اور حاکموں کے لیے نمونے کی حیثیت رکھتا ہے، سچّی اور پکّی جمہوریّت کا سبق دیتا ہے۔ نیکی اور بھلائی کے لیے امداد چاہتا ہے اور بھلائی چاہنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ بدی اور بُرائی مٹا دینا چاہتا ہے اور اگر بُرائی کے راستے پر حاکم بھی چل پڑے تو فوراً اُس کی گردن پکڑ کر اچھائی کے راستے پر ڈالنے کا حُکم دیتا ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں یہ بات بھی کھول کر بتا دی کہ اچھائی صرف وہ ہے جسے خُدا اور رسولؐ نے اچھّا بتایا ہے، اور بُرائی وہ ہے جس کو قرآن اور سُنّت نے بُرائی قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے دین کو "بازیچۂ اطفال" نہیں بنایا کہ جس ناواقف کا جی چاہے اپنی پسند کی باتیں یا دوسروں کی پسند آئی ہوئی باتیں اور طریقے یہ بتا بتا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگے کہ اسلام یہ چاہتا ہے یا دین کا یہ مُطالبہ ہے اس پر عمل کرو۔

مختصر یہ کہ حضرت صدیقؓ کی یہ تقریر سچائی میں ڈوبی ہوئی ہے اس کا لفظ لفظ بڑے حوصلے اور پکّے ارادے کو ظاہر کر رہا ہے۔ ہم نے مختصراً چند باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اگر اس تقریر پر تفصیلاً گفتگو کی جائے تو اس کی خوبیاں ریت کے ذرّوں کی طرح بے حساب و بے شمار ہیں۔

خلافت کیا ہے؟

اب ہم حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کے اُن کاموں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو اُنھوں نے اسلام کے خلیفہ ہونے کی حیثیت میں کیے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خلیفہ اور خلافت کا مطلب بیان کر دیا جائے۔ اس کے بعد اُن کے کاموں کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

خلافت کا مطلب ایک ایسی حکومت ہے جو قوم اور ملک کا بندوبست کرنے میں نہ اپنی مرضی چلا سکتی ہو، نہ قوم کے لوگوں کی خوشی اور خواہش کے مطابق قانون بنا کر انتظام کرتی ہو۔ بلکہ خلافت ایسی حکومت کو کہیں گے جو خدا اور اُس کے رسولؐ کے بتائے اور سکھائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی پابند ہو (یہ طریقے قرآن، سُنّت اور اصحابِؓ رسولؐ کے اعمال میں موجود ہیں) اس خلافت یا حکومت کے سب سے بڑے ذمّے دار حاکم کو خلیفہ کہتے ہیں۔

خلیفہ کو ملک کے لوگ منتخب کریں گے۔ خلیفہ کا انتخاب کرتے وقت اُن کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ وہ جس کو خلافت سونپنا چاہتے ہیں اس سے واقف ہیں۔ وہ شخص اس قابل ہے کہ اُس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے۔ وہ شخص قرآن و سُنّت (شریعت) کو اچھی طرح سمجھتا بھی ہے، اُس پر پکّا اعتقاد بھی رکھتا ہے اور اُس کی زندگی اُس پر عمل کرتے ہوئے گزری ہے۔ ایسا شخص خلافت کا خواہشمند اور اُمّیدوار نہیں ہونا چاہیے۔ ہر زمانے میں اس وقت کے وسائل کے مُطابق، خلیفہ کا انتخاب کرنے میں لوگوں کی رائے لی جائے گی۔ کسی ایک رائے کو بھی، غلط طریقے سے استعمال کرنے کی ہرگز گنجائش نہ ہوگی۔ اس طرح جو خلیفہ بنے گا وہ ظاہر ہے قوم میں بہترین آدمی ہوگا اور اللہ کے قانون کو لوگوں پر نافذ کرے گا۔

خلیفہ اپنی مدد کے لیے لوگوں میں سے کچھ دیانت دار، سمجھ دار، نیک اور باعلم افراد کی ایک مجلس بنا لے گا اور اُس کے مشوروں سے اپنی ذمّے داری پر خُدا کی مرضی اور ہدایت کے مطابق مسلمانوں اور اُن کی ریاست کا انتظام کرے گا۔ اسلام کا خلیفہ ہر وقت ہر شخص کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔

ہمارے آقا رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے چار خلیفہؓ اسی طرح منتخب ہوئے۔ ان کے زمانے کو خلافت راشدہ کا عہد کہتے ہیں۔ یعنی وہ زمانہ جس میں ہدایت یافتہ بزرگوں کے پاس خلافت تھی۔ دنیا میں حقیقی خلافت اور اُس کی ذمّے داریوں کو پورا کرنے کی توفیق ملنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کی طرف سے بہت کم انسانوں کو دی گئی

ہے۔ اس نعمت سے تو فرشتے بھی محروم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ کو بتایا تھا کہ میرے بعد تیس برس حقیقی خلافت رہے گی۔ اس کے بعد بادشاہت ہو گی۔ چنانچہ خلافت راشدہؓ کا کُل زمانہ اتنا ہی رہا۔ اُس کی تفصیل یہ ہے :

عہدِ خلافتِ راشدہ

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ از ۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ تا ۲۱ جمادی الاوّل ۱۳ھ
(۲ برس ۳ ماہ ۱۹ دن)

۲۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ از ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ تا ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ
(۱۰ برس ۶ ماہ ۴ دن)

۳۔ حضرت عثمان غنیؓ از یکم محرم ۲۴ھ تا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ
(۱۱ برس ۱۱ ماہ ۱۷ دن)

۴۔ حضرت علی مرتضےٰؓ از ۲۴ ذی الحجہ ۳۵ھ تا ۱۷ رمضان ۴۰ھ
(۴ برس ۸ ماہ ۲۳ دن)

۵۔ حضرت حسنؓ از ۱۸ رمضان ۴۰ھ تا ۱۱ ربیع الاوّل ۴۱ھ
(۵ ماہ ۲۲ دن)

حضرت علیؓ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی خلافت کا یہ مختصر زمانہ سوچنے سمجھنے خط و کتابت اور مشوروں میں ہی گزر گیا۔ اس کے بعد وہ خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ مگر یہ زمانہ خلافت راشدہ ہی میں شامل کیا گیا ہے، اور حضورؐ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ کُل مدت ۲۹ سال گیارہ مہینے اور ۲۶ دن ہوتی ہے۔

آپؓ چاہتے تھے کہ میں خلیفہ نہ بنوں :

حکومت کو اگر اللہ کے بندوں پر حکم چلانے کے شوق کا ذریعہ بنایا جائے تو اس میں رسو

سے ہے، تباہی ہے اور بُرائی ہے۔ لیکن اگر اس کو، امانت سمجھ کر خدا کی مرضی کے مطابق کام کر کے، سچی خلافت بنایا جائے تو پھر وہ ایسی امانت ہے کہ اس کے بوجھ سے زمین و آسمان کانپ جاتے ہیں۔ یہی بات تھی جس کو محسوس کر کے حضرت ابوبکرؓ خلافت کے بوجھ کو اُٹھاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ آپؓ نے فرمایا "مجھے تم پر حاکم بنا دیا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں"۔ ایک مرتبہ فرمایا "بڑا بوجھ مجھ پر ڈالا گیا ہے۔ کیسے اُٹھاؤں گا"۔

ایک دن آپؓ نے تقریر کی اور اُس میں فرمایا :

"لوگو! میں تو یہی چاہتا تھا کہ اس بوجھ کو کوئی دوسرا شخص اُٹھاتا، اور میں اس سے فارغ رکھا جاتا۔ اب اگر تم مجھ سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کی بالکل ٹھیک ٹھیک پیروی کا مطالبہ کرو گے تو میں عاجز ہوں۔ سوچتا ہوں کہ اُن کی سُنّت کی اتباع مجھ سے کیسے ہوگی۔ وہ تو شیطان اور اُس کے فریب سے محفوظ تھے، اور اُنؐ پر آسمان سے وحی آتی تھی۔ اُنؐ کو ہر ضرورت پر اللہ سے ہدایت مل جاتی تھی"۔

مسائل کا ہجوم

آپؓ کے خلافت سنبھالتے ہی ہر طرف سے پریشان کن خبریں آنے لگیں۔ مسلمانوں کے سروں پر مصیبت کی گھٹائیں چھا گئیں اور خلیفہ کو حل کرنے کے لیے بہت سے مسئلے ایک ہی وقت میں سامنے آ گئے۔ ان میں سے ہر مسئلہ مسلمانوں کی موت کا سبب بن سکتا تھا۔ وہ مسائل یہ تھے ؛

۱۔ روم کا قیصر (بادشاہ) مسلمانوں کو اپنا غلام بنانا چاہتا تھا۔ اُس کے مقابلے پر، حضورؐ کے حکم کے مطابق، پورے اسلامی لشکر کی رُومی سرحدوں پر روانگی۔

۲۔ یمن و نجد کے صوبوں اور مُلک عرب کی تقریباً ساری آبادی جو صحرا نشین قبیلوں کی صورت میں تھی اور فتح مکّہ کے بعد دو برس کے اندر اندر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی تھی مگر اُس کی اچھی تعلیم و تربیت نہیں ہو سکی تھی، حضورؐ کی وفات کے بعد اُس نے زکوٰۃ دینے سے انکار

کرکے اسلام ترک کر دیا۔

۲۔ کئی سرداروں نے رسول اللہؐ کی نبوت اور اُس کی حقیقت کو جانے بغیر، صرف یہ دیکھ کر کہ محمدؐ نے ایک روز نبوت کا دعویٰ کیا، کچھ کلام سُنایا جس کی وجہ سے جان نثار پیدا ہوئے اور حکومت اُن کو مل گئی، کیوں نہ ہم بھی اسی طرح کریں اور بڑے آدمی بن جائیں، لوگوں کو لالچ دے کر بہت بڑے ہجوم اپنے ساتھ اکٹھا کر لیے اور جھوٹے نبی بن بیٹھے۔

آپؓ نے بڑی بہادری اور ہمت کے ساتھ ان باغیوں، اسلام چھوڑنے والوں اور جھوٹے نبیوں سے بہت تھوڑے دنوں میں کامیابی سے نمٹ کر، بے مثال صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ ہم ان واقعات کا علیحدہ علیحدہ ذکر کریں گے

لشکرِ اُسامہؓ کی روانگی :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے ماتحت گورنر غسانی کے پاس ۸ھ میں حضرت حارثؓ کو ایک خط دے کر بھیجا تھا، جس نے حارثؓ کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد تنبیہ کے لیے آپ نے تین ہزار فوج مدینے سے بھیجی۔ اس فوج کے سپہ سالاروں میں حضرت زیدؓ بھی تھے۔ غسانی رومیوں سے مدد لے کر ایک لاکھ فوج مقابلے میں لے آیا۔ مقامِ موتہ میں لڑائی ہوئی۔ حضرت زیدؓ شہید ہو گئے مگر وہ اسلامی فوج کو شکست نہ دے سکا۔ ۱۱ ہجری کے شروع میں حضورؐ نے ایک لشکر حضرت اُسامہؓ کی ماتحتی میں، جو پچھلی جنگ کے شہید سپہ سالار حضرت زیدؓ کے نوجوان صاحبزادے تھے، رومیوں سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ یہ لشکر ابھی روانہ ہی ہوا تھا کہ حضورؐ کی بیماری کی خبر اُسامہؓ کو ملی اور وہ فکر مند ہو کر ٹھہر گئے۔ پھر وفات کی اطلاع ملنے پر، فوج کو ساتھ لے کر آں حضرتؐ کے دیدار اور دفن میں شریک ہونے کے لیے واپس آ گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے اُسامہؓ کے لشکر کو حضورؐ کے حکم

مطابق روم کی سرحد پر مورتہ بھیجنے کا ارادہ کیا تو صحابہؓ نے کہا " ہماری رائے میں اُسامہ کے لشکر کی روانگی اس وقت روک دی جائے، کیوں کہ آپ جانتے ہیں کہ ان دنوں مُلک میں نازک صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے۔ ہر طرف سے بُری خبریں مل رہی ہیں۔ بے شمار لوگ اسلام چھوڑ چکے ہیں۔ کسی وقت بھی مُلک پر اور خاص کر مدینے پر حملہ ہو سکتا ہے "۔

جس کام کا فیصلہ حضورؐ کر چکے تھے، صدّیق اکبرؓ اُس کو کسی حالت میں بھی مُلتوی کرنے کا اپنے آپ کو حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ نے کسی کی رائے کو نہ مانا۔ جن خطرات کی طرف اُنھوں نے آپ کو توجہ دلائی تھی، اُس کا جواب آپؓ نے یہ دیا :

" قسم ہے اُس اللہ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر میں یہ بھی جان لوں کہ درندے مجھ کو پھاڑ کھائیں گے یا کُتّے اور بھیڑیے بھی مجھے اُچک لے جائیں گے، جب بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔ چاہے ان ساری بستیوں اور پُورے مُلک میں کوئی بھی نہ رہے، میں اکیلا رہ جاؤں تب بھی یہ فوج ضرور جائے گی۔ ضرور جائے گی "۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت صدّیقؓ لوگوں کا مشورہ مان لیتے اور فوج نہ بھیجتے تو رسولؐ اللہ کی مخالفت کا پہلا بیج اُمّت میں پڑ جاتا۔ اس لیے کہ سرکارِ دو عالمؐ نے فوج بھیجنے کا حکم دیا تھا اور پھر وفات سے پہلے بار بار اُس کے لیے تاکید بھی فرماتے رہے تھے۔

اس فوج کے کمانڈر حضرت اُسامہؓ (زیدؓ کے صاحبزادے) تھے اور وہ آں حضرتؐ کے غلام مشہور تھے۔ نو عمر بھی تھے۔ اُس وقت اُن کا سن سترہ برس تھا۔ انصار کو اُن کی سپہ سالاری پسند نہیں تھی۔ لیکن اُن کی ہمت نہیں ہوئی کہ خود جا کر اس بارے میں کہیں، اس لیے حضرت عُمرؓ کو بھیجا۔ اُنھوں نے ابُوبکرؓ سے کہا :

" آپ لشکر بھیجتے ہی ہیں تو کسی معزز خاندان کے اور بڑی عمر کے آدمی کو اُس کا افسر بنایئے، جو طبیعت اور ارادے میں مضبوط اور لڑائی کے کام اور ہُنر سے اچھی طرح واقف ہو "۔

اُن کا یہ مشورہ سُن کر حضرت صدّیق رضؓ غصّے سے بیتاب ہو گئے اور فرمایا :

" خطّاب کے بیٹے ! تیری ماں تجھے روئے اور تجھے کھو دے۔ میرے آقا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو اُس لڑکے اُسامہ رضؓ کو مقرّر کر دیا ہے، اور تُو مجھ کو کہتا ہے کہ میں اُسے ہٹا دوں "

حضرت صدّیق رضؓ نے شوریٰ اور فوج کے ان جذبات کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا جو قریش و انصار کے مشہور رئیسوں پر، اُسامہ رضؓ کو کمانڈر بنانے کی وجہ سے پیدا ہو رہے تھے۔ ان کے خیالات کو درُست کرنے کے لیے آپؓ نے نہایت خُوبی سے، فوجی کارروائیوں کے دوران، راستہ نکالا تاکہ اسی وقت اُن کی سوچ اور نظریں بدل دی جائیں، اور جس شخص کو وہ اونچے لوگوں سے نیچا سمجھ رہے ہیں، وہ بھی انھیں اُونچا ہی نظر آنے لگے۔

لہٰذا جب آپ رضؓ حضرت اُسامہ رضؓ اور اُن کی پچاس ہزار فوج کو رُخصت کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو تمام بڑے بڑے صحابہ رضؓ، سردار، قبیلوں کے رئیس، نوعمر اُسامہ رضؓ کی ماتحتی میں محاذِ جنگ پر جا رہے تھے۔ شان یہ تھی کہ اسامہ رضؓ کے گھوڑے کی لگام حضرت عبدُالرحمان بن عوف رضؓ تھامے ہوئے تھے اور خود خلیفہ صدّیق اکبر رضؓ اُن کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

حضرت اُسامہ رضؓ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ سپہ سالار کے رُکنے سے پُورا لشکر ٹھہر گیا۔ اُسامہ رضؓ نے نظریں جُھکا کر عرض کیا " اے خلیفۂ رسولؐ ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر مجھے اُترنے کی اجازت دیں "

آپ رضؓ نے اُن کے چہرے پر نظر ڈالی اور پھر فرمایا " نہ میں خود سوار ہوں گا نہ تم کو پیدل چلنے کی اجازت دوں گا "

حضرت ابوبکر رضؓ نے ہزاروں آدمیوں کے سامنے یہ مظاہرہ اور ایک نوعُمر اور کم رُتبہ خاندان کے بیٹے اُسامہ رضؓ کی یہ تعظیم اس لیے کی، اور دوسروں سے بھی کرائی کہ زمانۂ جاہلیت کے جو بچے کُھچے اثرات رہ گئے ہیں، وہ ختم ہو جائیں۔ عرب اپنی پُرانی عادتوں کے بموجب نوجوانوں کو،

ناتجربہ کار سمجھ کر، نااہل سمجھتے تھے اور غلام زادوں کو، چاہے اُن میں کتنی ہی خوبیاں ہوں، عزّت کا کوئی مقام نہیں دیتے تھے۔ عربوں کی ان عادتوں کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کا یہ ایک جہاد تھا جو بڑا مفید رہا۔ تمام اُمّت اُس دن سے اُسامہؓ اور اُن جیسے افراد کی دل سے عزّت کرنے لگی۔

حضرت اُسامہؓ کی فوج میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور اس وقت خلیفہ کی مدد کے لیے مدینے میں اُن کا رہنا ضروری تھا۔ اس لیے ابوبکرؓ نے اُسامہؓ سے درخواست کی کہ اگر نامناسب نہ ہو تو حضرت عمرؓ کو میری مدد کے لیے مدینے میں رہنے دو۔ حضرت اُسامہؓ نے حضرت عمرؓ کو بُلا کر کہا، تم مدینے میں رہو۔ (یہ بھی اُمّت کے لیے جمہوریت کا ایک سبق تھا۔ کیوں کہ فوج کے افسرِ اعلیٰ اُسامہؓ تھے اور کسی کو رُخصت دینے یا نہ دینے کا اختیار اُنھی کو تھا۔ اگر خلیفہ اُن کو خود روک لیتے تو یہ فوج کے افسر کے اختیارات میں مداخلت ہوتی)۔

آپؓ مدینے سے باہر مقامِ جرف تک اسی طرح ہلکے پھلکے انداز میں اُسامہؓ کو مفید باتیں بتاتے ہوئے ساتھ ساتھ گئے۔ وہاں سے لشکر کو رُخصت کرنا چاہا تو اس سے خطاب کیا:

"لوگو! ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں تم کو دس باتوں کی وصیّت کرتا ہوں۔ اُن کو غور سے سُنو اور پُورے طور پر عمل کرو۔ خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی نہ کرنا، کسی کے اعضا نہ کاٹنا، بوڑھوں، بچّوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجوروں یا دوسرے پھل والے درختوں کو نہ کاٹنا، غذائی ضرورت کے بغیر کسی جانور کو ذبح نہ کرنا۔ تم کو وہ لوگ بھی ملیں گے جو دُنیا چھوڑ کر خانقاہوں میں عبادت کے لیے بیٹھے ہیں، اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا۔ ایسے لوگوں پر بھی تمھارا گزر ہو گا جو برتنوں میں تیار کھانے تمھارے لیے لائیں گے، مگر تم ہمیشہ ایسے کھانوں میں بسم اللہ کہہ کر ہاتھ ڈالنا۔ اور تمھیں ایسی جماعتیں بھی مل سکتی ہیں جن کے سروں میں شیطان نے گھونسلا بنا رکھا ہے۔ اُن کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ اچھا اب اللہ پر بھروسا کرو۔ اُسی کا نام لے کر روانہ ہو۔ وہ تمھیں

دشمنوں کے تیروں، تلواروں اور طاعون سے بچائے۔ خدا حافظ! السلام علیکم۔"

اسلامی تاریخ کا یہ سب سے بڑا لشکر جس کی تعداد پچاس ہزار تھی، یکم ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو مدینے سے روانہ ہوا اور اس نے شام کے سرحدی علاقوں بلقاء اور قضاعہ میں کئی لڑائیاں لڑیں شامی، رومی، غسانی فوجیں، مسلمانوں کے شدید حملوں کے مقابلے میں ایک دفعہ بھی جم کر نہیں لڑ سکیں۔ اُسامہؓ کو ہر حملے میں کامیابی ہوئی۔ اُن کی قوت اور بہادری کی دھاک عیسائیوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔ اُسامہؓ صرف چالیس دن میں اس قدر سامان، اسلحہ، قیدی اور مالِ غنیمت ساتھ لے کر لوٹے جس کا شمار مشکل تھا۔

اس مہم کے بعد مُلک عرب کے اندر اور باہر اسلام کے دشمنوں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی وفات سے اُن کے اندر کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی، ورنہ وہ دُنیا کی سب سے بڑی طاقت پر اس طرح حملہ آور نہ ہوتے۔

مُرتدین کے بارے میں آپؓ کا موقف:

نجد اور یمن کے رہنے والے اور بعض دوسرے بدوی قبیلے اس خیال سے مسلمان ہو گئے تھے کہ یہ ایک طاقت ور جماعت ہے، لہٰذا یہ کہہ کر "ہم مسلمان ہیں" یہودیوں عیسائیوں اور مشرکوں کے مقابلے میں برتری حاصل کر لی جائے، اور مُسلمانوں سے بھی فائدہ اُٹھایا جائے۔ یہ لوگ سچے دل سے ایمان نہیں لائے تھے اور صرف زبانوں سے کلمہ پڑھ کر اُنھوں نے مصلحۃً اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرا لیا تھا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالےٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

> "بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ اُن سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یوں کہو کہ ہم مُطیع ہو گئے۔ ابھی ایمان تو تمھارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان لوگوں نے سوچا کہ رسول اللہ نے جو احکام دیئے تھے، وہ اُنھیں کے ساتھ ختم ہو گئے۔ ہم اب اُن کی پابندی نہیں کریں گے۔ ان لوگوں پر سب سے زیادہ گراں و مشکل جو چیز تھی وہ زکوٰۃ تھی۔ بہت سے قبائل نے اعلان کر دیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ بعض نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر درخواست کی کہ ہم سے نمازیں پڑھوا لیجیے مگر زکوٰۃ نہ مانگیے۔

ان مُرتدین کا فساد پُورے مُلک میں پھیل گیا۔ بگاڑ اور تباہی لانے والی ایک آندھی تھی جس نے عرب میں ہلچل مچادی اور اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ حضورؐ کے خاص خادم اور مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اُس حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے :

"دین سے پھرنے والوں کے اُٹھائے فساد کے زمانے میں حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ مُسلمانوں کی حالت بکریوں کے اُس ریوڑ کی طرح تھی جو سرما کی ٹھنڈی رات میں، جب اُوپر سے اولے اور پانی برس رہا ہو، گھر سے دُور، تیز سائیں سائیں کرتی ہواؤں، بیابان کے اندر بغیر چرواہے کے رہ جائے۔"

حضرت صدیق اکبرؓ کا اللہ پر بھروسے کا جذبہ اس وقت بھی امتحان میں پڑ گیا۔ اُن کے ارادے کی قوّت کی آزمائش کا پھر موقع آگیا۔ آپ نے شوریٰ کا اجلاس بُلا کر بزرگ صحابہؓ سے رائے مانگی۔ سب نے رائے دی کہ مصلحتِ وقت یہی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ وقتی طور پر نرمی برتی جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ خاموش تھے۔ آپؓ نے اُن کے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہا "تمھارا مشورہ کیا ہے؟" اُنھوں نے کہا "میں بھی وہی کہتا ہوں، جو دوسرے آپ کو بتا چکے ہیں۔" اس پر حضرت صدیقؓ نے فرمایا :

"عمرؓ! تجھ سے تو مجھے اس بات کی اُمید نہ تھی۔ جاہلیت میں تو تُو بڑا جرأت مند تھا۔ یہ کیا ہوا کہ اسلام لا کر خوار ہو گیا۔ رسول اللہ کے بعد وحی کا سلسلہ ختم ہوا اور دین کامل ہو چکا۔ کیا میرے جیتے جی اُس میں کمی کی جا سکتی ہے؟ قسم اللہ کی اگر

زکوٰۃ کا ایک جانور بھی کوئی قبیلہ روکے گا، یا اُس رسّی کے ٹکڑے کو بچالے گا جس سے وہ باندھا جاتا تھا، تو میں ضرور اُس سے جہاد کروں گا۔"

حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے، اُن کے ارادے معلوم کرکے، میرے دل نے کہا کہ ابوبکرؓ کی طبیعت کو اللہ تعالےٰ نے جہاد کے لیے آمادہ کر دیا ہے۔ مُلک کے چاروں طرف سے زکوٰۃ کی معافی کے لیے درخواستیں لے کر جو قاصد آئے تھے، وہ ناکام لوٹا دیے گئے اور حضرت صدیقؓ اُسامہؓ کے لشکر کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

۱۱ جمادیُ الثانی ۱۱ ہجری کو لشکرِ اسلام بڑی سُرخروئی کے بعد واپس آگیا۔ خلیفۂ اوّل نے حضرت اُسامہؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر کیا، ان کے لشکر کو انھی کے پاس چھوڑا اور خود اپنی قیادت میں مجاہدینِ اسلام کو لے کر مُرتدین سے جہاد کرنے روانہ ہُوئے۔ صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا "تم جاکر صدیقؓ کو روکو۔" حضرت علیؓ نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگے

"اے ہمارے سردار اور خلیفۂ رسولؐ! کہاں جارہے ہیں؟ میں آپ سے وہی کہتا ہوں جو اُحد کے دن اللہ کے رسولؐ سے کہا تھا۔ خُدا کے لیے اپنی تلوار کو نیام میں کرلیں، خلافت کے مرکز میں بیٹھ کر جہاد کرائیں، سپاہ کا سالار بنا کر جس کو چاہیں بھیج دیں، اس لیے کہ خُدا نا خواستہ اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو پھر اسلام کا یہ سارا نظام تباہی کی زد میں آجائے گا۔"

ابوبکرؓ نے فرمایا "میں تمھارے مشورے کو غلط نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اب خُدا سے لَو لگا چکا ہوں، اُس پر بھروسا کرچکا ہوں، ہتھیار لگا چکا ہوں اور پُر اُمید ہوں۔ بولو! کیا اب بغیر لڑے ہتھیار کھول دوں؟ بتاؤ! کیا اب اُمید توڑ دوں؟ اور جواب دو، کیا اب خُدا پر بھروسا چھوڑ دوں؟"

ان سوالوں کا آپ کو حضرت علیؓ سے کوئی جواب نہ ملا تو آپؓ گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گئے۔

پہلا پڑاؤ مقام ابرق میں ڈالا۔ وہاں بنو عبس اور مُرّہ کے قبائل اتحاد کرکے لڑنے آئے مگر آپ کے پُرجوش حملے اور دباؤ کے آگے ٹھہر نہ سکے۔ لاشیں اور سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ں کے بعد آپ نے جنوب و مغرب کی طرف بڑھ کر بنی ذبیان کو مغلوب کیا، اور چراگاہیں
ہدین کے جانوروں کے لیے وقف کر دیں۔ وہاں سے مدینے واپس آ گئے۔

اسامہؓ کے لشکر کے لوگ اب تازہ دم ہو گئے تھے۔ آپؓ نے اُن میں سے ضرورت کے
طابق کچھ فوج اپنے ساتھ لی اور کچھ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عکرمہؓ کو دے کر انھیں
دسرے دن، مقامِ ذوالقصہ میں، جو مدینے سے نجد جانے والے راستے پر ۱۲ میل ہے، پہنچ
نے کی ہدایت کی۔ جب سارا لشکر اور افسران جمع ہو گئے تو آپ نے ایک باثر تقریر کی، جس
ں فرمایا کہ میں نے اللہ پر بھروسا کر کے ارادہ کر لیا ہے کہ ملک میں مرتدین پر ایک بھرپور حملہ کر کے
ں کی طاقت کو ختم کر دیا جائے۔ پھر سات جھنڈے سپہ سالاروں کو دے کر انھیں مرتدین کے
قابلے پر بھیجنے کا اعلان فرمایا۔ مرتدین لاکھوں کی تعداد میں پورے عرب میں بکھرے ہوئے تھے،
ں لیے میدانِ جنگ مغرب میں سمندر (ساحلِ بحرِ احمر) سے مشرق میں خلیج فارس تک پھیلا ہوا
ما۔ اور شمال میں عراق اور شام کی سرحدوں سے لے کر جنوب میں عمان اور یمن تک۔ فوجی کمانڈروں
کے نام اور جن مقامات کی طرف اُن کو روانگی کا حکم ملا تھا، کی تفصیل یہ ہے:

مرتدین کے استیصال کے لیے سپہ سالاروں کا تقرر

۱۔ حضرت قعقاعؓ بن عمرو	علقمہ کے مقابلے پر۔ بنی کلاب اور بنی تغلب اُس کے ساتھ تھے۔ مدینے سے شمال میں تقریباً ۲۵۰ میل کے فاصلے پر۔
۲۔ حضرت خالدؓ بن ولید	قرہ اور عیینہ کے مقابلے پر۔ اِن کے ساتھ بنو عامر اور بنو عبدالقیس تھے۔ مدینے کے جنوب و مشرق کی طرف، کوئی ۴۲۵ میل دُور۔
〃 〃 〃 〃	ایک عورت سلمیٰ بنتِ مالک کے مقابلے پر۔ اس

کے ساتھ غطفان، ہوازن، سُلیم، طے اور اسد
قبیلے، مقام حواب میں مُرتد ہو کر جمع ہو گئے تھے۔

۳۔ حضرت عُلاءؓ بن حضرمی — مُنذر بن نُعمان اور حُطم بن ضبیعہ کے مقابلے پر۔ بنو
اور بنو بکر کے قبیلے ان سرداروں کے ساتھ ہجر
علاقے میں خلیج فارس کے پاس ایک وادی میں پڑاؤ
ڈالے ہوئے تھے۔

۴۔ حضرت طریفہؓ بن حاجز — بن عبد یالیل اور نجبۃ کے مقابلے پر۔ انھوں نے
ساتھ بنو عامر اور بنو ہوازن کو ملا کر مدینے کے مشرق
میں اجتماع کیا تھا۔

۵۔ مہاجرؓ بن ابی اُمیّہ اور حضرت عکرمہؓ — اشعث بن قیس کے مقابلے پر، جس کے ساتھ کِندہ
ہمدان کے لوگ بیس ہزار کی تعداد میں تھے۔

۶۔ حُذیفہ بن مُحصن ضمیریؓ — لقیط کے مقابلے پر عمان میں۔

۷۔ حضرت عکرمہؓ — سردارانِ مضیح کی سرکوبی کے لیے مقام مہرہ کی طرف
(عمان اور مہرہ کی سرحدیں ملی ہوئی تھیں)۔

مُرتدین کو تنبیہ:

مُرتدین کے لیے آپؓ نے ایک پیغام بھی دیا۔ جس کی ایک ایک نقل کر کے سب سپہ سالار
نے اپنے ساتھ رکھی۔ پیغام کا خُلاصہ یہ ہے:

"مجھ کو تم لوگوں میں سے، اُن سارے قبیلوں کا حال معلوم ہو چکا ہے جو مسلمان
ہو چکے تھے، مگر اب اسلام چھوڑ بیٹھے اور اپنی پُرانی جاہلیت کی طرف لوٹ گئے۔ بس
میں اسلام کے لیے کوئی بُرائی نہیں۔ خود چھوڑنے والوں کی تباہی ہے۔ حقیقت میں ایسے

تمام لوگوں نے اپنی بے پرواہی اور بے وقوفی کی وجہ سے اللہ کو پہچانا ہی نہیں۔ شیطان کے فریب میں آ گئے اور نہیں جانتے کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔

خیر، اب میں تمہارے پاس فلاں شخص کو مسلمانوں کی فوج کا لیڈر بنا کر بھیج رہا ہوں۔ وہ تم کو پھر اللہ کی طرف سیدھے راستے پر بلائے گا۔ تو جو لوگ مان لیں گے اور نیک کام کریں گے، وہ ہمارے بھائی ہیں۔ لیکن جو لوگ باز نہ آئیں گے، اُن کے اُوپر وہ تلوار اُٹھائے گا (کیوں کہ ہمارے طریقے میں اپنی خوشی سے مسلمان ہو جانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے)۔ ہمارا افسر اور فوج کسی سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہیں کرے گا۔ میں نے سالارِ لشکر کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے اس پیغام کو تمہارے مجمع میں سنا دے یا تمہیں پہنچا دے۔ اور (پیغام کو مان لینے کی) نشانی یہ مقرر کی ہے کہ جس بستی کے لوگ اذانیں پکاریں، اُن سے ہاتھ روک لیا جائے۔"

ان سپہ سالاروں کی ماتحتی میں ۴۳ ہزار مجاہدین کی فوج تھی۔ ہر سپہ سالار فوج کا پرچم ہاتھ میں اُٹھائے، اپنے علاقے کی طرف روانہ ہوا۔ ہر افسر اور سپاہی کے دل میں اللہ کی یاد اور زبان پر تکبیر تھی۔ اللہ کے یہ سپاہی اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اب پھر عرب کے بدوؤں کو سکھانے جا رہے تھے۔

مرتدین کی سرکوبی:

۱۔ علقمہ، حضورؐ کے زمانے میں، طائف کی فتح کے بعد مرتد ہو کر ملک شام چلا گیا تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد یہ سمجھ کر کہ اب مسلمان اور اُن کا مذہب ختم ہو جائے گا واپس آ گیا اور بنی کلاب کو بھی گمراہ کر کے اسلام سے پھر جانے کا اعلان کرا دیا۔ جب حضرت قعقاعؓ پہنچے اور خلیفہ کا پیغام سنایا تو اس نے مقابلہ کیا مگر اُس کے ساتھی نہ ٹھہر سکے اور بھاگے۔ علقمہ اپنے خاندان

سمیت گرفتار ہوا۔ تعاقب کرکے اُس کے کئی ہزار آدمیوں کو بھی پکڑ لیا گیا۔ سب نے درخواست کی ہم مرکزِ خلافت جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ علقمہ اور سارے قیدی مدینے آکر سچے دل سے دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

۲۔ قرّہ ۹ ہجری میں فتح مکہ کے بعد ایمان لے آیا تھا۔ حضورؐ کی وفات کی اطلاع پاکر اُس نے زکوٰۃ اور نماز سے اپنے قبیلے کو چھٹی دے دی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے تھوڑے ہی دنوں بعد، عمان سے آتے ہوئے، حضرت عمروؓ بن عاص اس سے ملنے گئے۔ قرّہ نے بہت عزت اور تواضع کی۔ مگر رخصت کے وقت کہنے لگا کہ اگر تم زکوٰۃ معاف کرا دو تو ہم عام مسلمانوں کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین ہم نے اپنے اوپر پابندیاں لگوانے اور محصول دینے کے لیے قبول نہیں کیا ہے۔ حضرت عمروؓ نے آکر خلیفۂ صدیق اکبرؓ کو بتایا۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔ انھوں نے قرّہ کو راہِ راست پر لانے کے لیے خلیفہ کا پیغام دیا لیکن اُس نے عُیینہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ بالآخر دونوں کو شکست ہوئی اور ان کو پکڑ کر مرکزِ خلافت بھیج دیا گیا۔ انھوں نے کفر سے توبہ نہیں کی۔ اس لیے قتل کر دیے گئے۔

سلمیٰ (مالک بن حذیفہ کی بیٹی) مردانہ خصوصیتیں رکھتی تھی۔ ایک مرتبہ عہدِ رسالتؐ میں آلِ سُلیم و اسد کی طرف سے لڑتی ہوئی مجاہدین کے ہاتھوں قید ہو کر آئی۔ اتفاق سے اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس کے چہرے پر لیاقت اور شرافت جھلکتی تھی۔ انھوں نے فرمایا، سلمیٰ! اسلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ بس کلمہ پڑھنے والی ہوں۔ اُمّ المومنینؓ نے حضورؐ کو بتایا۔ سلمیٰ نے کلمہ پڑھا اور آزاد ہو گئی۔ مگر اپنی قوم میں آکر پھر مرتد ہو گئی۔ حضورؐ کی وفات کے بعد کئی قبیلوں نے اسے اپنا لیڈر بنا لیا۔ حضرت خالدؓ کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا، اُن کے ساتھ پانچ ہزار آدمی تھے۔ سلمیٰ کے ساتھیوں کی تعداد تقریباً ۲۰ ہزار تھی۔ وہ ناقے پر سوار، لوگوں کو لڑا رہی تھی۔ اُس کی حفاظت کرنے والوں میں سے ایک سو آدمی

ارے جانے کے بعد اُس کا ناقہ زخمی ہوکر گرا اور وہ بھی ماری گئی۔ اُس کے ساتھی سامان اور
لاشیں چھوڑ کر بھاگے۔

۳۔ مُنذِر بن نعمان۔ کسریٰ شہنشاہِ ایران کی طرف سے بحرین میں گورنر تھا۔ سات ہزار ایرانی
فوج اُس کی ماتحتی میں تھی۔ بحرین کے صُوبے میں قبیلہ بکر کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ ان کا رئیس
حُطم تھا۔ حُطم کے کہنے سے اُس کے قبیلے کے لوگ بھی اسلام چھوڑ بیٹھے۔

بحرین میں عبدُالقیس کا قبیلہ ابھی اسلام پر قائم تھا۔ مُنذر نے چند ہوشیار اور چالاک
آدمیوں کو اُن کے ہاں بھیج کر اس بات کا پروپیگنڈا کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر واقعی نبی
ہوتے تو وفات نہیں پاتے۔ عبدُالقیس کے لوگوں میں ایک بزرگ تھے جن کا نام جارُود رضؓ بن
معلّٰی تھا۔ جب اُنھیں پتا چلا کہ ایران کا گورنر مُنذِر میرے قبیلے کو بہکا کر اسلام سے پھیرنا چاہتا
ہے تو اُنھوں نے قبیلے والوں کو جمع کیا اور کہا:

"اے قبیلے والو! میرے بھائیو! میں تم سے ایک بات پُوچھتا ہوں۔ اگر تمھیں اُس کے
بارے میں معلوم ہو تو جواب دینا اور اگر نہیں جانتے تو خاموش رہنا۔"

"پُوچھو۔ تم اچھے آدمی ہو" قبیلے والوں نے کہا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ پچھلے زمانوں میں اللہ بہت سی قوموں میں نبیوںؑ کو مقرّر کرتا رہا ہے؟"

"ہاں!" قبیلے والوں نے جواب دیا۔

"کیا تمھیں پچھلے لوگوں اور کتابوں کے ذریعے یہ معلوم ہوا ہے، یا تُم نے اُن سے ملاقاتیں
کی ہیں؟"

"ہم اُنھیں دیکھ کیسے سکتے تھے۔ البتہ ہم پچھلے زمانے کی باتوں میں سب سے زیادہ سچی
بات اس کو سمجھتے ہیں کہ اللہ کے نبیؑ پہلے بھی آتے رہے ہیں" قبیلے والوں نے جواب دیا۔

"آپ لوگ پھر اُن سے کیوں نہیں ملے؟" جارُود رضؓ نے آخری سوال کیا۔

"وہ اللہ کے پاس لوٹ گئے۔ وہ اس دُنیا میں نہیں ہیں کہ کوئی اُن سے مل سکے" لوگوں

نے جواب دیا۔

"جس طرح پہلے کے تمام نبیؑ اپنے خدا کے پاس چلے گئے، بالکل اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دُنیا کو چھوڑ گئے، اور اُن کے سب سے زیادہ بزرگ اور لائق شاگرد ابوبکرؓ اب اُن کے خلیفہ ہیں۔ وہ اُسی دین کی حفاظت کرنے والے ہیں، جس کو لے کر حضورؐ آئے تھے"

جارودؓ نے کہا۔

قبیلے کے لوگ حضرت جارودؓ کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم اسلام پر قائم رہیں گے، اور تم ہمارے سردار ہو، اس لیے کہ تم نے ہمیں گمراہ ہونے سے بچالیا۔

مُنذر کو معلوم ہوا کہ قبیلہ عبدُالقیس اسلام پر مضبوطی سے قائم ہے تو اُس نے اپنی فوج حُکم قبیلے، ہجر، اور ربیعہ کا ایک بہت بڑا لشکر ساتھ لے کر جارودؓ اور اُن کے قبیلے پر حملہ کر دیا۔ قلعہ بند ہو گئے اور حضرت صدیقؓ کے پاس خبر کرنے کے لیے قاصد دوڑائے۔ حضرت صدیقؓ نے چار ہزار مجاہدین کو حضرت عُلاءؓ کی قیادت میں روانہ فرمایا۔ راستے میں دو قبیلوں کے مسلمان اُن کے ساتھ آکر اور مل گئے۔

اثنائے راہ مسلمان فوجوں نے ایک جگہ رات گزارنے کے لیے پڑاؤ ڈالا۔ پچھلی شب دیکھا تو سارے اُونٹ مع سامان غائب تھے۔ مجاہدین کی پریشانی کی انتہا نہ تھی۔ اُن کے اب نہ کوئی سواری تھی، نہ راشن اور پانی۔ علاقہ ایسا کہ نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے لوٹ سکتے ہیں، کیوں کہ زمین ایسی ملائم اور ریتیلی تھی کہ قدم رکھو تو دھنستا چلا جاتا تھا۔ اس صورت میں مجاہدین اللہ کو یاد کرنے اور دُعائیں مانگنے لگے۔ حضرت عُلاءؓ مانے ہوئے بہادر ہونے کے علاوہ، اللہ سے مضبوط تعلق رکھتے تھے۔ اُنھوں نے آگے بڑھ کر اپنا سر ریت پر رکھا اور اللہ سے، جس کے سپرد وہ سارے کام کرتے تھے، دُعا اور مُناجات شروع کر دی۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں کو دُور ایک طرف پانی نظر آیا۔ سب پیاس بجھانے اور وضو کرنے دوڑ پڑے۔ ابھی وہ ان کاموں سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ سارے اُونٹ اُسی طرح سامان سے لدے ہوئے

اُس چشمے پر آ گئے۔ کچھ اللہ کے بندوں نے جا کر اپنے سردار حضرت عُلاءؓ بن حضرمی کو بتایا تو اُنھوں نے سر اُٹھایا اور شکرانے کی دو رکعتیں پڑھ کر لوگوں میں واپس آئے۔

اب حضرت عُلاءؓ اپنے لشکر کے ساتھ بحرین پہنچے اور مُنذِر کے لشکر کے مقابلے میں خیمے گاڑ دیے۔ اندھیری رات میں جارودؓ اور اُن کے ساتھی بھی حضرت عُلاءؓ سے آ ملے۔ مُنذِر نے اپنی فوجوں کو خندقوں میں چُھپا رکھا تھا۔ ایک مہینے تک لڑائی ہوتی رہی، لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ ایک رات کفّار شراب پی کر شور کرنے لگے۔ حضرت عُلاءؓ نے مجاہدین کو پُوری قوّت سے حملہ کرنے کا حُکم دیا۔ چنانچہ وہ خندق پار کر کے اچانک حملہ آور ہو گئے۔ مُرتدین کی فوجوں کا ایک سپہ سالار حُطَم مارا گیا، مُنذِر کو گرفتار کر لیا گیا۔ بے شمار کافر قتل ہو گئے۔ باقی لوگوں نے بھاگ کر مقامِ دارین میں پناہ لی۔ حضرت عُلاءؓ پیچھا کر کے وہاں بھی پہنچ گئے اور چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ سیکڑوں قتل ہوئے۔ باقی قیدی بنا لیے گئے۔ اس کے بعد پُورا بحرین کافروں اور فسادیوں سے صاف ہو گیا، اور حضرت صدِیق اکبرؓ نے حضرت عُلاءؓ کو صوبہ بحرین کا گورنر بنا دیا۔

۴۔ جس زمانے میں بدّو اسلام چھوڑ رہے تھے۔ بن عبد یا لیل حضرت صدیقؓ کے پاس مدینے میں آیا اور درخواست کی کہ میرے ساتھ دو ہزار آدمی ہیں۔ اگر آپ اسلحے کا انتظام کر دیں تو میں مُرتدین سے جنگ کرنا چاہتا ہُوں۔ آپؓ نے اسے اسلحہ دلوا دیا۔ اُس نے شرید کے سردار نجبتہ کو اپنا شریک کر کے بنو سلیم کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت صدیقؓ نے خبر پا کر طریفہؓ کو بنو سلیم کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ دونوں فریقوں نے ایک ہموار چٹیل میدان میں مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کے زبردست دباؤ کے آگے بن عبد یا لیل کی فوجیں جم کر نہ لڑ سکیں۔ پہلے بنو عامر کے مُرتدین اور پھر ہوازن کے لوگ بھاگے۔ نجبتہ مارا گیا اور بن عبد یا لیل پکڑا گیا۔ قید ہو کر مدینے آیا تو ابو بکرؓ نے اُسے قتل کرا دیا۔

۵۔ عرب کے جنوبی حصّے میں حضرموت کے پاس کِندہ کے باشندوں نے بھی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت زیادؓ (عُبید انصاری کے صاحبزادے) زکوٰۃ کی وصولی پر مقرّر

تھے۔ جب اُنھوں نے سختی کی تو کِندہ والوں اور ہمدانیوں نے اشعث بن قیس کو، جو ایک مشہور بہادر رئیس تھا، اپنا لیڈر بنالیا اور حضرت زیادؓ کو وہاں سے نکالنے کے لیے تدبیریں کرنے لگے۔ زیادؓ نے حضرموت کے باشندوں کو ساتھ لے کر مُرتدین کا مقابلہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو خبریں ملیں تو اُنھوں نے مُہاجرؓ بن ابی اُمیّہ اور عکرمہؓ کو پانچ ہزار فوج دے کر زیادؓ کی مدد کے لیے بھیجا۔ اشعث کی فوجیں اُنّیس ہزار تھیں۔ مُحجّر کے میدان میں مقابلہ ہوا۔ آخرکار اشعث پسپا ہوتے ہوتے بھاگ کھڑا ہوا، اور قلعۂ بُخیر میں جاکر پناہ لی۔ مجاہدین نے گھیرا ڈال کر راشن اور رسد بند کردی۔ اشعث نے مجبور ہو کر درخواست کی کہ ہمارے نو آدمیوں اور اُن کے اہل عیال کی جان بخشی کردی جائے تو ہم اپنے آپ کو تمھارے حوالے کردیں۔ مہاجرؓ نے اُن کی درخواست قبول کرلی۔ اشعث نے اُن لوگوں کی فہرست دے دی جن کو معاف کرنا تھا، مگر پریشانی کے عالم میں خود اپنا نام لکھنا بھول گیا۔ حضرت عکرمہؓ نے فہرست کے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب کو قیدی بناکر مدینے بھیج دیا۔ ان میں اشعث بھی تھا۔ اُس نے مُسلمانوں کے عمدہ اخلاق سے بہت متاثر ہو کر دوبارہ اسلام قبول کرلیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسلامی روایات کے مطابق فراخ دلی کے ساتھ سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا، اُن کے مال و اسباب اور عورتیں اُن کے حوالے کردیں اور وہ سب مُسلمان ہوگئے۔

۶۔ عربوں میں اسلام سے پہلے لَقیط عُمان کا حاکم تھا۔ اس کے بعد جیفر حاکم ہوگیا تھا جو بعد میں مسلمان ہوگیا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد لقیط نے دوبارہ صوبے پر قبضہ کرلیا، جیفر کو اپنے علاقے سے نکال دیا اور عُمان کے باشندوں کو گمراہ کر کے مُرتد کردیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت حُذیفہؓ کو لقیط کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا۔ عکرمہؓ کو بھی آپؓ نے (مقامِ یمامہ) حکم بھیجا کہ اپنی فوجوں کو لے کر عُمان پہنچو اور اگر وہ لوگ ہدایت قبول نہ کریں تو حذیفہؓ کے ساتھ مل کر لقیط سے جنگ کرو۔ لقیط کو معلوم ہوا تو اُس نے مقابلے کی تیاری کی اور تیس ہزار لشکر کے ساتھ صف بستہ ہوگیا۔

اسلام کے لیے جہاد کرنے والے تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ دشمنوں کے مقابلے میں کُل چھ ہزار۔ گویا ایک مسلمان کو پانچ کافروں سے لڑنا تھا۔ مگر عبادت سمجھ کر اللہ کے لیے جان دینے والوں کا جذبہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ حذیفہؓ نے عکرمہؓ کے مشورے سے اپنی فوجوں کو اس طرح ترتیب کیا کہ بالکل آگے اور سامنے کے حصّے میں جو فوج تھی اُس کے افسر عکرمہؓ۔ داہنے بازو کے افسر حذیفہؓ اور بائیں بازو کے کمانڈر عرفجہؓ تھے۔

صبح کی نماز کے بعد اللہ کے سپاہیوں نے دشمن پر پُوری قوت سے حملہ کر دیا۔ عمان کے باشندے جم کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اسی دوران عکرمہ نے پُکارا "مجاہدو! غازیو! کیا بات ہے کہ دشمن کی صفیں ابھی تک قائم ہیں؟" یہ کہہ کر انھوں نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور مارتے کاٹتے کافروں میں گھس گئے۔ ان کے پیچھے اور مجاہد بھی بڑھے اور لقیط کی فوجوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ دشمن بے حواس ہو کر بھاگے۔ دس ہزار قتل ہوئے اور چار ہزار گرفتار۔ سامان اتنا ہاتھ آیا کہ ہزاروں اونٹوں پہ لاد کر مرکزِ خلافت پہنچایا گیا۔ فتح کے بعد حضرت حذیفہؓ ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے عمان ہی میں رہے۔

۷۔ عمان کی لڑائی کے بعد حضرت عکرمہؓ مہرہ آئے۔ وہاں کئی قبیلوں کے سردار جمع ہو گئے تھے۔ اور سیادت و حکومت کے لیے آپس میں لڑ رہے تھے۔ حضرت عکرمہؓ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اُن میں سے کئی نے اسلام قبول کر لیا، مگر ایک حریص لیڈر مصبح نہ مانا۔ وہ لڑائی میں ہلاک ہوا اور اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے جن ناسمجھ صحرائی بدوؤں نے اسلام کو چھوڑ دیا تھا، اب وہ سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ہر جگہ اُن کی تعلیم و تربیت کا بندوبست ہوا، جس کی وجہ سے اُن کے عقیدے اور اعمال بہت مضبوط ہو گئے۔ مُرتدین کے بعد اب ہم نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کا انجام بیان کریں گے۔

جھوٹے نبیوں کا استیصال :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں بعض ایسے لوگ عرب میں موجود تھے جن کے دلوں میں ادعائے نبوت کا سودا سمایا تھا۔ ایسے ہی لوگوں میں عنس قبیلے کا سردار اسود بھی تھا۔ حضور کی زندگی میں تو اسود کے سوا یہ اعلان کرنے کی ہمت کسی اور میں نہیں ہوئی، لیکن آپؐ کی وفات کے بعد کئی نبوت کا دعوی کرنے والے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں طلیحہ اسدی، سجاح تغلبی اور مُسَیلمہ کذّاب بہت طاقتور اور بااثر تھے۔ ان کے علاوہ اسود کے پیرو بھی، حضورؐ کی وفات کی خبر سُن کر، آمادہ شرارت تھے۔ حضرت ابُوبکرؓ نے اوّل الذکر تین مُدّعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لیے خالدؓ کو اور مؤخّر الذکر کے استیصال کے لیے حضرت مہاجرؓ بن اُمیّہ کو مقرر کیا۔ مہمات کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱۔ طلیحہ، قبیلۂ اسد کا سردار، کاہن (غیب کی باتیں اور فال بتانے والا) تھا۔ اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر سُنی تو اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ بنی اسرائیل کے کچھ فرقے بھی اُس کے ساتھ ہو گئے۔ طے کا قبیلہ اسد کا ساتھی اور دوست تھا، لہٰذا وہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ اس کے بعد غطفان کے قبیلے نے بھی اُس کو نبی مان لیا، اور اس طرح طلیحہ کے پاس بڑی تعداد جمع ہو گئی۔ وہ اس انبوہ کو لے کر صوبہ نجد میں، بزاخہ کے چشمے کے پاس، خیمہ زن ہوا۔ عُیینہ بن حصن اُس کے لشکر کا سردار تھا۔

حاتم طائیؓ کا نام سخاوت میں مشہور ہے۔ یہ سخی رسول اللہؐ سے چند برس پہلے مر چکا تھا۔ اس کے لائق بیٹے حضرت عدیؓ مسلمان ہو کر صحابہ میں شامل ہوئے۔ ان کے باپ حاتم، دادا عبداللہ اور خود عدیؓ قبیلۂ طے کے رئیس اور سردار تھے۔ سب کے لیے اُن کا خزانہ کھُلا ہوا تھا۔ سب اُن کے احسان مند تھے۔ حضرت عدیؓ کو مدینے میں پتا چلا کہ اُن کا قبیلہ طُلَیحہ کو نبی مان کر اُس کے ساتھ ہو گیا ہے تو رنج کے مارے اُن کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ آپؓ حا

بُوبکرؓ سے اجازت لے کر اپنے قبیلے میں آئے، ان کے سمجھانے سے یہ لوگ توبہ کر کے مسلمان ہوئے اور طُلَیحہ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت خالدؓ کے ساتھ مل گئے۔ مورّخین نے عدیؓ کی اس خدمت کے لیے انھیں "طے کا بہترین فرزند" کا خطاب دیا ہے۔

حضرت خالدؓ نے مرکزِ خلافت کی فوج کا ثابتؓ بن قیس کو اور قبیلہ طے کی بارہ سو فوج کا عدیؓ کو کمانڈر بنایا، اور پھر نمازِ فجر کے بعد طُلَیحہ پر حملہ کر دیا۔ کافر ۳۲ ہزار اور مسلمان ۵ ہزار سے کچھ زیادہ تھے۔ سُورج ڈھلنے کے بعد طُلَیحہ کی فوجیں پسپا ہونے لگیں تو اُن کا سپہ سالار عُیَینہ بھاگ کر طُلَیحہ کے پاس آیا (وہ اپنے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے چادر اوڑھے، وحی کے انتظار میں بیٹھا تھا) اور پُوچھا "کیا تمھارے پاس کوئی (فرشتہ) آیا؟" طُلَیحہ نے جواب دیا کہ "نہیں"۔ جب وہ تیسری بار آیا اور پُوچھا تو طُلَیحہ نے جواب دیا "ہاں۔ وہ مجھ سے کہہ گیا ہے کہ تیرے لیے وہی ہوگا جو تیری قسمت میں ہے"۔ عُیَینہ نے میدان میں آ کر اپنے قبیلہ فزارہ سے پکار کر کہا "طُلَیحہ دھوکے باز اور کذّاب ہے۔ تلواریں نیام میں کرو، اپنا جھنڈا لپیٹ لو اور گاؤں واپس چلو۔"

عُیَینہ کی پُکار نے بہت سے لوگوں اور قبیلوں کو مقابلے سے روک دیا۔ فزارہ والے کیا گئے، جانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ اسد کے لوگ البتّہ ڈٹے رہے۔ مگر کب تک۔ بُہت سے تلواروں سے کٹے، کچھ تیروں سے چھلنی ہوئے، بعض بھاگنے میں کامیاب ہوئے اور باقی قیدی بنا لیے گئے۔ طُلَیحہ یہ رنگ دیکھ کر اپنی بیوی کو لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور شمالی عرب میں، شام کی سرحد کے قریب، بنی کلاب میں پُہنچ کر ٹھہرا۔ کچھ عرصے بعد مسلمان ہو گیا، حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں حج کیا اور مدینے آ کر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا "اے کاذِب! تُو نے ہی اِعلان کیا تھا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے؟"

اُس نے جواب دیا " امیر المؤمنین! وہ سب شیطان کے فتنے تھے، جن کو میرے اسلام نے مٹا دیا۔ آپ مہربانی کر کے ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں بیعت کر سکوں۔ میں اسی کام کے لیے مدینے آیا ہوں "

۲۔ سجاح، حارث کی بیٹی تھی۔ قبیلۂ تغلب سے اُس کا تعلق تھا۔ اس عورت کو بھی نبی بننے کا شوق ہوا۔ جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو بنی تغلب کے علاوہ کچھ شیبانی قبیلے کے لوگ قیس کے بیٹے سلیل کی وجہ سے اور کچھ نمیری، زیاد، ہلال کے بیٹے کی وجہ سے اس عورت کے طرف دار ہو گئے۔ غسانی علاقے کے بعض عیسائی عرب سردار بھی اُس سے مل گئے۔ اِس طرح ایک بہت بڑی فوج اُس نے تیار کر کے، مرکزِ خلافت مدینے پر چڑھائی کا ارادہ کیا، اور اس بارے میں قبیلہ تمیم کے ایک بڑے سردار مالک کو مشورہ کے لیے بلایا۔ اُس نے کہا ، پہلے مُسیلمہ سے نمٹ لو جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

سجاح اپنی فوجوں کو لے کر روانہ ہوئی اور یمامہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ مُسیلمہ نے فیصلہ کیا کہ سجاح سے اتحاد کرے اور پھر دونوں کی قوت اسلام کے خلاف استعمال کرے اس لیے اُس نے سجاح کو پیغام دیا کہ :

" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ کو نبوت میں اپنا شریک بنا لیا تھا اور یہ طے ہوا تھا کہ آدھا ملک میرے پاس رہے اور باقی محمدؐ اور قریش کے۔ اب وہ اللہ کے پاس چلے گئے۔ قریش میں انصاف نہیں ہے، اس لیے میں وہی معاہدہ تم سے کر کے آدھا عرب تمھیں دے سکتا ہوں "

اس نے ایک خیمے کو سجا کر اسے خوشبوؤں میں بسایا۔ جب سجاح اور مُسیلمہ دونوں اُس میں بیٹھ گئے تو سب محافظوں کو نکال دیا گیا۔ گفت و شنید کے بعد سجاح نبوت سے دست بردار ہو گئی۔ اُس نے مُسیلمہ کو نبی مان لیا اور اُس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ تین روز تک وہ خیمے میں رہی اُس نے اپنے نکاح کا مہر طلب کیا۔ مُسیلمہ نے کہا " جا، میں نے تیرے مہر میں دو وقت کی

مشکل نمازیں، جو روزانہ عشا اور فجر میں پڑھی جاتی تھیں، معاف کر دیں۔"

اس واقعے کے بعد سجاح کی فوج اُس کو چھوڑ کر چلی گئی اور وہ خود اپنے آبائی قبیلہ بنی تغلب میں جا کر رہنے لگی۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں وہ مسلمان ہو گئی اور شہر کوفہ میں وفات پائی۔

۳۔ بنی حنیفہ کا قبیلہ بہت بڑا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مسلمان ہو چکا تھا۔ جب حضور بیمار ہوئے تو اس قبیلے کے سردار مُسیلمہ نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت صدیقؓ نے مُسیلمہ کے مقابلے کے لیے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔ جب وہ یمامہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنِ اسلام کے ساتھ بڑی بھاری تعداد ہے۔ ہر طرف جنگلوں اور وادیوں میں اُس کے فوجی پھیلے ہوئے ہیں، اور سجاح کی فوج سے کچھ تغلبی اور شیبانی بھی آ کر اُن میں شامل ہو گئے ہیں۔

مدینے سے فوجوں کی روانگی کی خبر پا کر مسیلمہ نے علاقۂ یمامہ سے باہر نکل کر اپنی پسند کے میدان میں صف بندی شروع کر دی۔ کم سے کم چالیس ہزار فوج تھی۔ مُقدمہ (فوج کا اگلا حصّہ) کا کمانڈر رجال تھا اور میسرہ کا (بائیں بازو) طفیل کا شہسوار بیٹا مُحکم۔ جیسے ہی حضرت خالدؓ ۱۲ ہزار مسلمانوں کو لے کر وہاں پہنچے، مُسیلمہ اور اُس کے لشکر نے حقارت سے اُنھیں دیکھا اور کہا "یہ ہے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلیفہ کی طاقت!" اور تیر چلانے شروع کر دیے۔ حضرت خالدؓ نے اُن کے تیروں کی زد پر رہتے ہوئے جلدی جلدی اپنی فوجوں کو منظّم کیا، اسلام کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیسؓ کے حوالے کیا۔ فوجوں کے داہنے بازو پر حضرت عمرؓ کے بھائی حضرت زیدؓ کو افسر بنایا، اور بائیں بازو پر حضرت ابوحذیفہؓ کو مقرّر کر کے، دونوں طرف کی فوجوں کے درمیان آ کر زور سے مُسیلمہ کو پُکارا اور کہا "او بدنصیب بنی حنیفہ کے بدقسمت مکّار مُسیلمہ! آ اور اپنی زندگی کو میری تلوار سے بچانے کے لیے کوئی معجزہ دکھا۔" دشمنوں کی طرف سے آوازیں آئیں "وہ حدیقہ میں خُدا کے ساتھ ہیں اور ہم تیری گستاخی کی ابھی سزا دیتے ہیں۔"

شہر یمامہ کے دروازے کے متصل ایک چار دیواری کے اندر خرموں کا باغ تھا جس کو حدیقۃ الرحمان کہتے تھے۔ اِس جھوٹے نبی نے اسی باغ کے اندر اپنے لیے خیمہ نصب کرایا تھا۔ اُس کا سپہ سالار رِجال عام حملے کا حکم دے کر آگے بڑھا۔ ایک دم سخت لڑائی شروع ہوگئی۔ تلواروں کی چمک اور جھنکار، تیروں کی بوچھاڑ، اور زخمی ہونے والوں کی چیخ و پکار۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ گھمسان کی لڑائی پہلے کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔

اس پہلے حملے میں، کچھ دیر بعد، مسلمان پیچھے ہٹنے لگے اور آہستہ آہستہ کافر اُس خیمے کے بالکل قریب پہنچ گئے جس میں حضرت خالدؓ کے اہلِ خانہ مقیم تھے۔ حضرت صدیقؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ نے دلاورانِ اسلام کی غیرت کو پکارا اور دشمنوں کے بائیں بازو پر چند صحابہؓ کے ساتھ بڑی جرأت کے ساتھ حملہ کیا۔ مسیلمہ کا سپہ سالار اور مشہور بہادر محکم آگے بڑھ کر مقابلہ کے لیے آیا تو عبدالرحمٰنؓ نے اپنی تلوار کی دھار سے اُسے جہنم رسید کیا۔ اب سارے مسلمان مثل سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے ہوگئے اور چند لمحوں بعد انھوں نے اس قدر شدید جوابی حملہ کیا کہ جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔ عَلم بردار حضرت ثابت بن قیسؓ شہید ہوگئے اور اُن کے بعد حضرت زید بن خطابؓ بھی شہید ہوگئے تو ابو حذیفہؓ نے عَلم سنبھالا۔ اُن کے بعد ابو حذیفہؓ کے غلام اور صحابہؓ میں بلند مرتبہ حضرت سالمؓ نے۔ اور جب یہ سب اسلام کے جھنڈے کی حفاظت میں اپنا ایک ایک قطرہ خُون تک بہا چکے تو آخر میں حضرت براء رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اُٹھایا۔ اب اللہ کے پرستار اور دین کے جاں نثار کافروں کو دھکیلتے دھکیلتے مسیلمہ کے حدیقہ تک پہنچ گئے۔ باغ کا دروازہ حضرت خالدؓ نے توڑ دیا، کچھ اللہ کے شیروں نے دیوار ڈھادی اور اللہ اکبر کی تکبیروں کی گونج میں وہ باغ کے اندر داخل ہوگئے۔

مُسیلمہ کاذب کے کچھ ساتھی اپنی تباہی کو دیکھ کر اُس کے پاس بھاگے بھاگے ہوئے گئے اور اُس سے پُوچھا کہ وہ تیرے خُدا کا وعدہ کہاں ہے جو تُو قسمیں کھا کھا کر ہمیں بتاتا تھا؟ اُس نے جواب دیا "تم اپنی فکر کرو، میں اپنی۔ ہر شخص اپنے اہل وعیال کے لیے لڑے۔ یہ وقت اِن

ان کے پوچھنے کا نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر وہ بھاگنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوا۔ حرب کے بیٹے وحشی، جنھوں نے احد میں حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ اور فتح مکّہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے، آرزومند تھے کہ کسی بڑے کافر کو مار کر حضرت حمزہؓ کے خون کا کفارہ ادا کروں۔ وہ مُسیلمہ کی تاک میں تھے۔ ان کے ہاتھ میں وہی نیزہ تھا، جس سے انھوں نے حضورؐ کے چچا کو شہید کیا تھا۔ جوں ہی مُسیلمہ گھوڑے پر سوار ہوا، وحشی نے اپنا نیزہ اس کی گردن کے پار کر دیا۔

لڑائی ختم ہو گئی۔ کافروں کی سترہ ہزار لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ زخمیوں کی تعداد بھی ہزاروں تھی۔ حضرت خالدؓ نے قبیلہ یمامہ کے ایک سردار سے جس کا نام مجاعہ تھا اور جو ان کی قید میں تھا، کہا "تم اپنی قوم میں جاؤ اور کہو کہ اگر تم نے سچّے دل سے ذمّی کی حیثیت سے رہنے کا عہد کیا تو ہم کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ البتّہ جائیداد، سامان اور تیّار باغ مسلمانوں کے ہوں گے۔" مجاعہ نے عورتوں کو مسلح کر کے قلعہ کی فصیل پر کھڑا کر دیا۔ واپس آ کر کہا "یمامہ کے لوگ کہتے ہیں کہ صرف چوتھائی سامان اور جائیداد آپ لے لیں اور ہماری جان بخشی کر دیں تو ہم صلح نامہ کے لیے تیار ہیں۔ وہ دیکھیے۔ سب لوگ فصیل پر کھڑے آپ کے جواب کا انتظار کر رہے ہیں۔" خالدؓ نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو فصیل پر لوگ اور ہتھیاروں کی چمک نظر آئی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی عام پالیسی اور ہدایت کے مُطابق آپ نے مزید خون بہانا پسند نہیں کیا اور صُلح کر لی۔ لیکن جب قلعے کا دروازہ کُھلا تو وہاں عورتوں اور بچّوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے مجاعہ سے کہا "تُو نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟" اُس نے جواب دیا "اِس جنگ میں یمامہ کے تمام مرد کام آ گئے۔ سامان اور باغات وغیرہ بھی اگر وہ بیوائیں اور یتیم آپ کے حوالے کر دیتے تو وہ سب بے سہارا ہو جاتے۔"

۴۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات سے کچھ دنوں پہلے قحطانی قبیلے کی ایک شاخ عنس کے سردار اسود نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ یمن کے دیہاتی اس کے پیرو ہو گئے۔ ان

کی مدد سے اسود نے نجران پر قبضہ کر لیا۔ وہاں قبیلۂ مذحج کے لوگ بھی تھے جو اُس کے ساتھ ہو گئے اس کے بعد وہ یمن کے شہر صنعا کی طرف بڑھا وہاں ایرانی ملکہ آزرجی دُخت کے گورنر پر بھی فتح حاصل کر لی۔ ان کامیابیوں سے اسوَد میں کچھ غرور پیدا ہوا۔ وہ اپنے سپہ سالار قیس کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آیا۔ قیس نے جھڑک دیا اور اُس نے ایرانی فوجوں کے سرداروں سے مل کر ایک ایرانی سپاہی کے ذریعے، جس کا نام فیروز تھا، اسوَد کو قتل کرا دیا۔ یمن کے بنو ہمدان اور بنو مُراد کے قبیلوں میں بعض مُسلمان خاندان بھی تھے۔ انھوں نے ان تمام واقعات کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کے لیے آدمی روانہ کیا۔ وہ آدمی مدینے میں اُس صبح کو پہنچا جس کی شام کو حضورؐ کی وفات ہوئی۔

جب سرکارِ دو عالمؐ کی وفات کی خبر یمن میں پہنچی تو اسود کے ساتھیوں اور حامیوں نے پھر گڑبڑ شروع کر دی اور مسلمانوں پر زیادتیاں کرنے لگے۔ حضرت صدیقؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت مہاجرؓ کو ایک لشکر کے ساتھ وہاں روانہ کیا۔ انھوں نے جا کر صنعاء پر قبضہ کیا۔ اسلام کے دشمن قیس اور عمرو وغیرہ گرفتار ہوئے۔ مُہاجرؓ کو بتایا گیا کہ قبیلۂ کِندہ کے لوگ مُرتد ہو کر لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ اِس دوران میں حضرت عکرمہؓ بھی اپنی فوجوں کے ہمراہ حضرت مُہاجرؓ سے مل گئے۔ چنانچہ کِندہ والوں پر چڑھائی کی گئی۔ سخت مقابلہ ہوا۔ آخر کار کافروں کو شکست ہوئی اور اُن کا سردار اشعث پکڑا گیا۔

عرب مُسلمان ہو کر صحراؤں سے نکل آئے :

عرب کے لوگ سینکڑوں برس سے پہاڑوں اور ریگستانوں میں تکلیف اور محنت کی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ آسمان کی چھت کے نیچے، کھُلے میدانوں میں، یا پھر بالوں سے بُنے ہوئے ٹاٹ کے چھوٹے چھوٹے خیموں میں رات کو تھک کر پڑ رہتے تھے۔ اُن کے یہ خیمے اُونٹوں کے بالوں سے بنائے جاتے۔ اُن کی غذا بھی اُونٹ کا دُودھ ہوتی۔ وہ جسم چھپانے

لیے کپڑا اونٹ کے بالوں سے ہی تیار کرتے۔ اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر سفر کرتے اور جس کے پاس جتنے اونٹ زیادہ ہوتے، وہی صاحبِ مال سمجھا جاتا۔ وہ اس جنگل، پہاڑ، ریت اور اونٹ سے اس قدر مانوس تھے کہ اُن کی باتیں سُن کر حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً وہ اونٹ کا نقشِ قدم دیکھ کر جان لیتے کہ نر ہے یا مادہ۔ عمر کیا ہے اور کونسی نسل سے ہے۔ ریت کی سطح پر نظر ڈال کر بتا دیتے کہ پانی کس قدر گہرائی میں نکلے گا۔ ریت پر ہواؤں کے اثرات پہچانتے اور آیندہ کے لیے پیش گوئی کرتے۔ دن میں سایہ دیکھ کر اور رات میں آسمان کے تاروں پر نظر ڈال کر صحیح وقت دریافت کر لیتے۔ کسی انسان کے خط و خال، اعضا اور پورے جسم کی بناوٹ دیکھ کر بتا دیتے کہ فلاں قبیلے کا آدمی ہے۔ نقشِ قدم سے بھی پہچان جاتے۔ غرض اُن کی دُنیا ان ہی چیزوں سے تعلق رکھتی تھی اور وہ اُن کے استعمال میں کامل درجے کی مہارت رکھتے تھے۔

وہ آپس کی لڑائیوں میں جان پر کھیل جاتے تھے۔ مگر اُن کی لڑائیاں بُرے مقصد کے لیے ہوتیں۔ آئے دن ہوتیں۔ بار بار ہوتیں۔ ان جنگوں نے اُن کی قوّتوں کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔ اسی وجہ سے آس پاس کے ہمسایہ ممالک نے اُن کو دبوچ رکھا تھا۔

اب وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔ حضورؐ کی سرداری اور پیشوائیؐ نے اُن کے خیالات اور سوچ کو زبردست ترقّی دی تھی۔ وہ دُنیا کی حقیقتوں کو سمجھ کر، اس دُنیا کے پار اور بعد میں آنے والی صداقتوں کو بھی مان گئے تھے۔ انھی چھوٹے خیال اور کم سمجھ رکھنے والے بدّوؤں میں سے ایک ایسی عمدہ جماعت اور پاکباز اُمّت تیار ہو چکی تھی اور اپنی سچائیؐ کے زور پر پورے عرب پر چھا چکی تھی کہ وہی آس پاس کے ہمسائے (ایران اور روم) جنھوں نے کچھ دنوں پہلے تک انھیں اپنی سیاست میں باندھ رکھا تھا، حیرانی و پریشانی کے عالم میں اُن سے ڈر رہے تھے۔ اُن کی کوشش تھی کہ عربوں کو اُن کی پچھلی حالت کی طرف اس زور سے دھکیلا جائے کہ وہ اپنی پرانی جگہ سے بھی پیچھے جا کر رُکیں۔

اِیرانیوں سے جنگ :

قائدِ اُمّت حضرت ابوبکرؓ جب مرتدین کی مہم سے فارغ ہوئے تو اپنے کمانڈر اِن چیف حضرت خالد بن ولیدؓ کو اُس وقت دُنیا کی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک یعنی ایران کے شہنشاہ اُردشیر کے پاس ایک دو ٹوک پیغام بھیجنے کا حُکم دیا، اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر وہ اسلام اطاعت قبول نہ کرے تو اُس سے جنگ کریں۔ خالدؓ کو یہ حُکم یمامہ میں ملا۔ اُنھوں نے اُسی وقت ایک پیغام ایران کے گورنر ہرمز کو عراق روانہ کردیا۔ مضمون یہ تھا :

"تم لوگ مسلمان ہوکر ہمارے بھائی بن سکتے ہو۔ یا پھر ہمارے خلیفہ کے سیاسی طور پر فرماں بردار ہوجاؤ۔ اس حالت میں تمھیں جزیہ دینا ہوگا۔ جس کے عوض ہم تمھاری جان اور مالوں کی حفاظت کریں گے۔ اِن دو صورتوں کے سوا کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اگر تم نے اور تمھارے شہنشاہ نے اس پر عمل نہ کیا تو اُس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ پھر تم کسی کو ملامت نہ کرنا۔ یاد رکھو! میں ایسی قوم کو تمھارے مقابلے پر لا رہا ہُوں جو اِن کاموں میں موت کی اِسی قدر خواہش مند ہے، جتنے تُم لوگ زندگی کے خواہاں ہو۔"

اس کے بعد وہ ہدایتیں لینے مدینے آئے اور پھر راستے میں، خلیفہ کے حُکم کے مطابق حضرت مثنیٰؓ کو ساتھ لے کر مقامِ حُفیر پہنچے۔ یہاں ہُرمز ایک لاکھ فوج کے ساتھ پُہنچ چکا تھا۔ مسلمان فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔ دونوں فوجیں حملہ کرنے کے لیے تیار تھیں۔ حضرت خالدؓ نے ہرمز کو پکارا تو وہ ان کے مقابلے پر آیا اور چند لمحوں کے اندر مارا گیا۔ اس کے بعد مُثنیٰؓ اور قعقاع نے داہنی طرف اور بائیں جانب کی فوجوں سے اور خالدؓ نے ہراول سے زبردست حملہ کردیا۔ ایرانی اُس کے آگے نہ ٹھہر سکے اور شکست کھا کر بھاگے۔

ہُرمز نے اپنی فوجوں کو زنجیروں سے گھیر دیا تھا تاکہ وہ جم کر لڑیں اور بھاگنے کا ارادہ

ریں۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ جس مقصد کے لیے سپاہی لڑ رہے ہیں، اس پر ان کا ایمان ہو تو وہ
خم پر زخم کھاتے رہیں گے، مگر آخری سانس تک لڑتے رہیں گے۔ اور معاملہ اس کے خلاف
ہ تو کوئی رکاوٹ یا طاقت اُن کو بھاگنے سے نہیں روک سکتی۔ تیس ہزار ایرانی میدان میں
ییت رہے اور ہزاروں زخمی ہوئے۔

اس فتح کی خبر خلیفہ صدیق اکبرؓ کو ہوئی تو سجدۂ شکر ادا کیا اور از راہِ قدردانی ہُرمز کا
اج، جو اُس زمانے میں ایک لاکھ روپے کا تھا، حضرت خالدؓ کو عطا فرمایا۔ اس کے بعد
مانڈر ان چیف، بموجب ہدایت آگے بڑھے اور اس مقام پر جہاں بعد میں شہر بصرہ آباد
یا گیا، پڑاؤ ڈالا۔

حُفیر کی جنگ کے بعد حضرت خالدؓ نے مُسلسل چار لڑائیاں ایرانیوں سے لڑیں۔ ان
یں پہلی مقامِ مدار میں لڑی گئی۔ ایرانیوں کا مشہور سپہ سالار قارن اور اس کے بائیس ہزار
دمی اس جنگ میں مارے گئے۔ باقی شکست کھا کر بھاگے جس میں سے کچھ گرفتار کر لیے گئے۔
بے شمار مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ دوسری جنگ ولجہ میں ہوئی۔ حضرت خالدؓ لڑائی
کے منصوبے بنانے اور نئی نئی تدابیر اختیار کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس لڑائی میں
انھوں نے دشمن پر تین طرف سے حملہ کیا۔ جس کی وجہ سے ایرانی سپاہ گھبرا کر بھاگ گئی۔ تیسری جنگ
مقامِ الیس میں انبار کے نزدیک ہوئی۔ ایرانی جنرل بہمن جادویہ اپنی قوت کو دوبارہ اکٹھا کرنے
میں لگا تھا۔ قبیلۂ بکر کے عیسائی عرب بھی ہزاروں کی تعداد میں اُس کے پاس پہنچ گئے تھے۔
حضرت خالدؓ نے اچانک رات میں حملہ کر دیا اور آدھے سے زیادہ لشکر تباہ ہو گیا۔ اس قدر خون
بہا کہ ایک نہر سی جاری ہو گئی جس کو تاریخ کی اصطلاح میں نہر الدم یعنی خون کی نہر کا نام دیا گیا
ہے۔ قتل ہونے والوں کی تعداد ستّر ہزار بیان کی جاتی ہے۔ مالِ غنیمت کا کوئی شمار نہیں۔ چوتھی
لڑائی حیرہ میں ہوئی جو دراصل کئی جنگوں کا مجموعہ تھی۔ الیس کی فتح کے بعد مجاہدین کے سپہ سالار
خالدؓ دریائی راستے سے کشتیوں کے ذریعہ حیرہ کی طرف چلے۔ ایرانیوں نے بہت بڑی فوج فرات

کے کناروں پر لگا دی تاکہ اسلامی لشکر اُتر کر خشکی پر نہ آسکے۔ مسلمانوں نے دریا کے اندر سے مقا
کیا۔ ایرانی اُن کے تیروں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مسلمانوں نے حیرہ کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دنوں بعد مجبور
لاچار ہو کر ایرانی سرداروں نے صلح کی درخواست کی۔ اِن میں عمرو بن عبدالمسیح بھی تھا۔ اس نے لاکھ
درہم سالانہ جزیہ دینا اور خلافت کے زیرِ ہدایت رہنا قبول کیا۔

بعض اور لڑائیاں :

حیرہ میں فتح کے بعد خالدؓ نے قعقاع بن عمرو کو وہاں اپنا قائم مقام بنایا اور فوجیں لے ک
انبار پہنچے۔ وہاں کے لوگ مقابلہ نہ کر سکے اور قلعہ بند ہو گئے۔ خالدؓ نے کہا کہ تم لوگ اگر بادلو
میں بھی جا کر چھپ سکو، تو چھپ جاؤ۔ ہم وہاں پہنچ کر بھی تم کو دھاروں پر رکھ لیں گے۔ اُنھوں نے
درخواست کی کہ ہمیں اپنے اہل و عیال کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر انبار سے نکل جانے کی اجازت
دے دی جائے اور قلعہ، جاگیریں اور ہر شے پر قبضہ کر لیا جائے۔ حضرت خالدؓ نے اُن کی درخواست
کو منظور کر لیا۔ انبار خالی ہو گیا اور قرب و جوار کے نوابوں اور والیوں نے جزیہ دے کر صلح نا
کر لیے۔

انبار سے حضرت خالدؓ عین التمر پہنچے۔ وہاں بہرام کا نامور بیٹا مہران ایک بڑا لشکر لیے
تھا۔ اُس کے ساتھ عیسائی عرب بھی بہت بڑی تعداد میں عقبہ کی کمان میں شامل تھے۔ عیسائیو
کے کمانڈر نے جب سُنا کہ خالدؓ آرہے ہیں تو مہران سے کہا "ہم عرب ہیں اور عربوں کی لڑائیو
سے واقف ہیں۔ تم یہیں رہو۔ ہم مقابلے کے لیے جاتے ہیں۔" مہران نے کہا "تم نے سچ کہ
بے شک لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ عقبہ اور حضرت خالدؓ کے لشکر آمادہ جنگ ہوئے تو خالدؓ نے
حسب عادت دشمن فوجوں کے سپہ سالار عقبہ کو مقابلے پر آنے کے لیے للکارا۔ وہ صفوں سے
نکل کر آگے آیا۔ خالدؓ ہوشیار اور خبردار کہہ کر اُس پر وار کرنے جھپٹے۔ عقبہ دہشت زدہ ہو گیا
اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے تلوار اُٹھا کر اُس کو دینا چاہی مگر وہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا

بالآخر آپ نے اسے ایک مسلمان سپاہی کے سپرد کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر عیسائی عربوں کی فوج میدان سے بھاگی۔ جب یہ بھگوڑے عین التمر پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو ایرانی لشکر کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کی داستان سنائی۔ چنانچہ وہ بھی قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ عقبہ کو قتل کر دیا گیا۔ مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے تو وہاں چالیس لڑکے ملے جو انجیل پڑھا کرتے تھے۔ اُن میں نصیر (مسلمانوں کے نامور فاتح موسیٰ کے والد، جنھوں نے بنو اُمیہ کے زمانے میں اُندلس فتح کیا) اور حضرت عثمان غنیؓ کے مولیٰ حمران وغیرہ بھی تھے۔ ان طلبا کو اسلامی فوجوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

عین التمر کے بعد دومۃ الجندل میں مشرکین اور عیسائی اُکیدر اور ابنِ ربیعہ کی قیادت میں ایک مسلمان جنرل عیاض سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس صورتِ حال کی اطلاع پا کر حضرت خالدؓ اُن کی مدد کے لیے پہنچے۔ اکیدر قتل کر دیا گیا، ابنِ ربیعہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور اُن دونوں کی فوجیں تباہ کر دی گئیں۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے حصید، خنافس اور مصیخ میں زبردست لڑائیوں کے بعد ایرانیوں اور عرب عیسائیوں کو شکستیں دیں۔

ذیقعدہ ۱۲ ہجری میں، رومیوں، ایرانیوں اور عربوں نے مل کر فراض کے مقام پر زبردست حملے کی تیاری کی۔ ایک ماہرِ جنگ جنرل ہذیل کو اُس پوری فوج کا سپہ سالارِ اعظم بنایا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے قعقاع اور ابو یعلےٰ دو مسلمان جنرلوں کو ساتھ لیا اور ایک رات مقامِ فراض میں پہنچ کر جنرل ہذیل کے سامنے اپنی فوجوں کی صف بندی کی اور ۱۵ ذیقعدہ کی صبح کو، اسی منصوبے کے مطابق جو دلجہ میں بہمن جادویہ کے مقابلے میں استعمال کیا گیا تھا، تین طرف سے زبردست حملہ کر کے بے شمار فوجیوں کو قتل، بیس ہزار کو اسیر اور بے حد سامان و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

لڑائیوں کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت خالدؓ کو خلیفہ صدیقؓ کا حکم ملا کہ عراق کی مہم مثنیٰؓ کو چھوڑ کر فوراً شام جائیں اور یرموک کے مقام پر پہنچ کر اسلامی لشکر کی مدد کریں۔

رومیوں سے جنگ :

ایران کے علاوہ دوسری عظیم الشان سلطنت رومیوں کی تھی۔ عرب کی شمالی سرحد سے ملک شام پر روم کا گورنر ہرقل حکومت کرتا تھا۔ یہاں کے لوگ اور حکومت دونوں عیسائی تھے۔ عرب کی شامی سرحد کے ساتھ ساتھ جو قبیلے آباد تھے، انھیں بھی شامی حکومت نے عیسائی بنا لیا تھا اور اپنی ماتحتی میں اُن کی حکومتیں یا سرداریاں قائم کردی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے ان لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کردی تھی۔ بہرحال رومیوں کی طرف سے خطرے کے پیشِ نظر حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کر کے بارہ ہجری کے آخر میں چار سپہ سالار منتخب کیے اور حضرت ابوعبیدہؓ کو حمص کے لیے عمروؓ بن عاص کو فلسطین کے لیے، یزید بن ابوسفیانؓ کو دمشق کے لیے اور شرجیلؓ بن حسنہ کو اُردن کے لیے مقرر کیا۔ ان جرنلوں کے تحت کُل ۲۷ ہزار فوج تھی۔

ہرقل نے اپنے حقیقی بھائی تذارق کو ۹۰ ہزار لشکر دے کر عمروؓ کے مقابلے میں، جبلہ کو بھی اسی قدر سپاہ کے ساتھ یزید بن ابوسفیانؓ کے مقابلے میں، راقص کو شرجلیل کے مقابلے میں ۶۰ ہزار اور رفیقار کو بھی اتنی ہی تعداد میں فوج دے کر ابوعبیدہؓ کے مقابلے میں بھیجا گیا۔ ۲۷ ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی ۳ لاکھ فوج تھی۔

مسلمان سپہ سالاروں نے دشمن فوجوں کی کثرت کے پیشِ نظر فیصلہ کیا کہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں اجازت لینے کے لیے قاصد دوڑایا گیا، اور مزید فوجوں کی ضرورت بتائی۔ مرکزِ خلافت سے یک جا ہونے کی اجازت آگئی اور مزید فوجیں بھیجنے کی اطلاع بھی مل گئی۔

رومی اور شامی فوجیں واقوصہ کے مقام پر دریائے یرموک کے ایک ڈیلٹا نما میں جہاں دریا ایک آدھے دائرے کی شکل میں مڑ گیا تھا اور اُس دریائی دائرے کے بالمقابل پہاڑ تھا،

پہنچ کر ٹھہر گئیں۔ اسلامی فوجیں بھی آگے بڑھیں اور اُس مقام پر جہاں سے پہاڑ اور دریا کے درمیان وادی کا سرا تھا پڑاؤ ڈالا۔ یہی ایک راستہ تھا عیسائی فوجوں کے آنے جانے کا جو مُسلمانوں نے بند کر دیا۔ اسی دوران میں دس ہزار فوجیں لے کر حضرت خالدؓ پہنچ گئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ چاروں مُسلم سپہ سالاروں کی فوجیں تو ایک ہی جگہ اکٹھا ہیں مگر حملے کے وقت وہ اپنے اپنے جنرلوں کی کمان میں علیحدہ علیحدہ لڑتی ہیں۔ اُنھوں نے چاروں جنرلوں کو بُلا کر کہا:

"آج کا یہ مقابلہ ایسا ہے جو زندگی اور موت کا معاملہ کہا جا سکتا ہے اور جو ہمارا مستقبل بنا بھی سکتا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ شہرت و ناموس کو چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے کوشش کریں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمن بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں پر سخت وار کرنے کا منتظر ہے۔ میرے خیال میں ہم سب مشورہ کر کے ایک مناسب منصوبہ تیار کریں۔"

جنرلوں نے کہا، آپ کے پاس کوئی مشورہ ہو تو دیں۔ اس پر خالدؓ نے کہا:

"میری رائے ہے کہ ہم الگ الگ نہ لڑیں، بلکہ سب ایک جنرل کے ماتحت ہو جائیں۔ اس سے کسی کی شان میں فرق نہیں پڑے گا، اور نہ اللہ اور ابوبکرؓ کے نزدیک اُس کا رُتبہ گھٹے گا۔ اگر آج ہم نے اپنی پوری قوتیں استعمال کر کے رومیوں کو شکست دے دی، تو انشاء اللہ ہم آیندہ بھی غالب رہیں گے۔ اور اگر خُدا نخواستہ اُنھوں نے ہمیں دھکیل دیا تو اندیشہ ہے کہ پھر دبتے نہ چلے جائیں اور اس صورت میں خلیفۂ رسولؐ کو کس قدر ملال ہوگا۔ پس میری رائے ہے کہ ہم باری باری سے کمان کریں۔ ایک صاحب آج، دوسرے کل اور پھر تیسرے اور چوتھے۔ البتہ اگر سب اتفاق کریں تو آج کے دن پہلی باری مجھے دی جائے۔"

چاروں سپہ سالاروں نے اس مشورے کو پسند کیا۔ حضرت خالدؓ نے اپنی فوجوں کو اتنی خوبی سے ترتیب دیا کہ شاید اس سے پہلے کسی فاتح نے ترتیب نہ دیا ہوگا۔ ابوسفیانؓ (امیر معاویہؓ کے

والد) کو نقیب، ابو درداؓ کو قاضی اور مقدادؓ کو قاری مقرر کیا۔

اسلامی فوج میں یہ قاعدہ تھا کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے قاری سورۂ انفال کی تلاوت کرتا تھا۔ پھر نقیب اپنی تقریر کے ذریعے جوانوں کا جوش اور جذبہ بڑھاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان باری باری ہر دستے کے سامنے کھڑے ہو کر فرماتے:

"واللہ! اللہ! تم لوگ حق کے سپاہی، اسلام کے حامی اور پیدائشی بہادر ہو۔ تمھارا مرنا اور جینا اللہ کے لیے ہے۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ نہ وہ جلد آسکتا ہے نہ ٹل سکتا ہے۔ تمھارے مقابلے میں رومی شرک کے مددگار ہیں، جو بے دلی اور مجبوری سے اپنی جانوں کو گھسیٹ کر تبوک کی اس وادی میں لائے ہیں۔ اس لیے اُن کا اور تمھارا مقابلہ ہی کیا۔ تم اپنے جذبے سے آج کے دن کو یادگار بنا دینا۔ اے اللہ! ہمیں سچائی پر جان نچھاور کرنے کا حوصلہ دے اور ہماری اس طور مدد کر کہ ہم تیرے نام کا کلمہ آج روم و شام میں بلند کر سکیں۔ آمین!"

حضرت خالدؓ اپنے مجاہدوں کا جائزہ لیتے ہوئے جب ایک جگہ سے گزرے تو آواز آئی "ہماری تعداد بہت کم ہے اور رومی بہت زیادہ ہیں۔" حضرت خالدؓ نے فوراً جواب دیا "ہی ہم ہیں اور ہمارے سوا جو ہیں وہ اپنی بزدلی کے ذریعے ہمارا نام اونچا کرنے آئے ہیں۔ ہماری تلواریں حق کی تیز دھار ہے۔"

دونوں طرف سے صف بندی ہو چکی تھی تو حضرت خالدؓ نے دائیں اور بائیں طرف فوجوں کے دونوں سپہ سالاروں، عکرمہؓ اور قعقاعؓ سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر تیر اندازی کریں۔ اس کے بعد عام حملہ کا حکم دیا۔ وہ خود سب سے آگے، سفید گھوڑے پر سوار دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اندر گھس گئے۔ اُسی وقت عمروؓ بن عاص اور شرجیل بن حسنہ نے بھی گھوڑوں کو ایڑھ لگائی اور مسلمانوں کے ہراول نے بے جگری سے حملہ کر دیا۔ عکرمہؓ نے میدان جنگ میں پکار کر فرمایا "جو مسلمان میرے ساتھ شہید ہونا چاہیں، وہ میرے پیچھے آئیں ا

ایک ساتھ عیسائیوں پر وار کریں۔" ایک لمحے کے اندر چار سو آدمی اپنی زندگیاں قربان
کرنے کے لیے آ گئے۔ ان میں عکرمہؓ کے چچا حارث اور ضرار بن الازورؓ بھی تھے۔ انھوں نے
اللہ کی بزرگی اور بڑائی کے لیے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور رومیوں کے تین لاکھ لشکر میں گھس گئے۔
وہ جس طرف رخ کرتے، رومی بھاگتے، جس جانب بڑھتے، کائی سی چھٹ جاتی۔

رومیوں کا ایک جرنل مسلمان مجاہدین کی یہ حالت دیکھ کر دوپہر کے وقت مسلمان ہو گیا،
اور کچھ سپاہیوں اور افسروں کے ساتھ آ کر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے لگا۔ ایک دن اور تقریباً
ساری رات لڑائی ہوتی رہی۔ اللہ کے بندوں نے جنگ کے میدان میں چار وقت کی نمازیں
اشاروں سے پڑھیں۔ اوّل رات میں دشمن پسپا ہو گئے اور پھر بھاگے۔ حضرت خالدؓ نے
سواروں کو بھاگنے کا راستہ دے دیا۔ پیدل فوج میں سے اکثر دل چھوڑ بیٹھے اور بھاگ اٹھے۔
ان میں سے کچھ پہاڑ کی وجہ سے راستہ بند پا کر رُکے اور مسلمانوں نے اُن کو بھی قتل کر دیا۔ کچھ دریا
کی طرف چلے۔ مجاہدین نے اُن پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ ایک لاکھ بیس ہزار دریا میں جا پڑے اور
بہہ گئے ایک لاکھ مارے گئے۔ باقی گرفتار کر لیے گئے۔ میدانِ جنگ سے ایک شخص واپس نہ
جا سکا۔ اور جب صبح ہوئی تو حضرت خالدؓ رومی سپہ سالار کے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

دن کا اُجالا ہو گیا تھا۔ مسلمان اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو اُٹھا کر لا رہے تھے۔
حضرت خالدؓ کی نظر عکرمہؓ اور اُن کے جوان بیٹے عمروؓ پر پڑی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور
زبان سے نکلا "اے شہیدِ راہِ حق! تم مجھ سے پہلے شہادت کی آرزو پوری کر گئے۔" ایک
زانو پر عکرمہؓ کا سر تھا اور دوسرے پر حضرت عکرمہؓ کے لختِ جگر عمروؓ کا۔ آپ اُن کے
چہرے، جسم اور بالوں سے مٹی اور دھول صاف کر رہے تھے۔ دونوں باپ بیٹوں کے
بدن پر چھوٹے بڑے ڈیڑھ سو زخم آئے تھے، جو سب سامنے کے حصے پر تھے۔ پیٹھ کی
طرف ایک بھی نہ تھا۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے دیکھا تو کہا "کونسا مسلمان ہو گا کہ اس طرح
کی شہادت پر اپنی زندگی قربان نہ کر دے گا۔" مسلمان خواتین بھی اس جنگ میں عیسائی فوجوں

سے لڑیں۔ اُنتیس عورتوں نے جامِ شہادت نوش کیا، اور اکسٹھ رومیوں کو اُنھوں نے موت کے گھاٹ اُتارا۔

رومیوں کے حق میں یہ جنگ قہرِ الٰہی سے کم نہ تھی۔ کئی دن بعد اس تباہی کی خبر ہرقل کو پہنچی تو اُس کو یقین نہیں آتا تھا۔ وہ سکتے میں رہ گیا۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگا "ایسے لوگوں سے کون مقابلہ کرسکتا ہے!" اس کے بعد وہ حمص سے چلا گیا اور کہا "اے مُلکِ شام! تجھ کو یہ میرا آخری سلام ہے۔"

رُومی شہنشاہیت نے اپنے دارُالسلطنت قُسطنطنیہ سے، مسلمانوں اور ان کی فوجوں کے حالات سُن کر، ایک ایسے دانشور کو جس پر وہ بھروسا کرتی تھی تحقیقات کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ عرب تھا اور بغیر بتائے آیا تھا۔ اُس نے واپس جاکر رپورٹ دی کہ

"بلاشُبہ وہ لوگ رات میں فرشتے، اور دن میں دیو ہیں۔ اُن کے یہاں انصاف ایسا ہے کہ اگر اُن کا شہزادہ بھی چوری کرے گا تو ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اُن کے ہاں حقوق میں نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔"

علالت اور خلافت کے لیے نامزدگی :

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن بہت سردی تھی۔ آپ نے غسل کیا تو تیز بُخار ہوگیا۔ کئی دن تک اسی حالت میں ہمت کرکے مسجد میں نماز پڑھتے رہے۔ جب بالکل مجبور ہوگئے تو اپنی جگہ امامت کے لیے عُمر فاروق رضؓ کو مقرّر کردیا۔

بیماری میں کمی نہیں ہوئی اور روز بہ روز کمزوری بڑھتی گئی تو آپؓ کو اپنے بعد جانشین بنانے کا خیال آیا۔ آپ نے سب سے پہلے شوریٰ کے رُکن حضرت عبدُالرحمانؓ بن عوف کو بلا کر حضرت عمرؓ کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔ اُنھوں نے کہا "میں عمرؓ کے بارے میں آپ سے بھی اچھی رائے رکھتا ہوں۔ مگر یہ بھی جانتا ہوں کہ اُن کے مزاج میں سختی ہے۔" فرمایا "وہ تو

س لیے کرتے ہیں کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں۔ اگر خلافت اُن کے سپرد کردی جائے تو وہ بات جس کو تُم سختی کہتے ہو، خود بہ خود کم ہو جائے گی۔" پھر حضرت عثمان غنیؓ کو بُلایا اور اُن سے بھی یہی پوچھا کہ عمرؓ کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا "آپ لوگوں سے سب سے زیادہ واقف ہیں۔ عمرؓ کے بارے میں بھی آپ مجھ سے زیادہ اور بہتر جانتے ہیں۔" آپ نے کہا "ہو سکتا ہے تمھارا یہ خیال صحیح ہو۔ مگر میں تو تمھاری ذاتی رائے لینا چاہتا ہوں۔" انھوں نے جواب دیا "حضرت عمرؓ کا باطن اُن کے ظاہر سے بہتر ہے، اور آپ کے بعد کوئی شخص بھی اُن کے برابر نہیں۔" ان بزرگوں کے علاوہ دوسرے بااثر اور صاحب رائے صحابہؓ سے بھی اس بارے میں آپ نے باتیں کیں۔

اس کے بعد اپنے طور پر غور کرتے رہے۔ دوسرے دن بہت سے اہلِ مدینہ اور صاحب عزت صحابہؓ آپ کے حجرے کے باہر جمع ہوئے۔ آپؓ نے دروازہ کھُلوا کر اُس مجمع کو خطاب کیا:

"لوگو! کیا تم راضی ہو گے اس بات سے کہ میں ایک شخص کو تمھارے لیے اپنا جانشین بنا دوں؟ اللہ گواہ ہے کہ میں نے غور و فکر کر کے رائے قائم کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے، اور میں نے اپنے کسی رشتے دار کو مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ میں خطّاب کے بیٹے عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ پس تم اُن کی سُنو اور اطاعت کرو۔"

مجمع میں سے آوازیں آئیں "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" (ہم نے آپ کے فیصلہ کو سُن لیا اور ہم اسی کے مطابق کریں گے)۔ اس کے بعد آپؓ نے عمرؓ کو طلب کیا اور اُن کے سامنے وہ بنیادیں رکھ دیں، جن پر خلافت اور سچی سیاست کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ آپ نے اُن سے فرمایا:

"اے عُمر! میں نے تم کو رسولؐ اللہ کی اُمت پر اپنا نائب بنایا ہے۔ پس تمھاری ذات میں ظاہری و باطنی طور پر تقویٰ (اللہ کا ڈر) ہونا چاہیے۔ عمر! اللہ سے لو لگاؤ کہ اس طرح وہ متوجّہ ہو جاتا ہے اور جب وہ توجّہ فرمائے تو پھر اسباب اور

وسیلے خود رو گھاس کی طرح اُگ آتے ہیں۔ کسی طاقت پر بھروسا نہ کرو، کیونکہ جو طاقتیں کام بناتی ہیں، اگر اُن کو اللہ کے ہاں سے اجازت نہ ملے تو پھر وہ پلٹ پڑتی ہیں اور بننے والے کام بھی بگڑ جاتے ہیں۔

اے عمرؓ! جب اہلِ نار کا ذکر آئے تو کہنا کہ اے خدا! تو مجھے اُن میں شامل نہ کیجیو۔ اور جب اہلِ جنّت کا حال پڑھو تو التجا کرنا کہ اللہ تو مجھے اُن سے ملا دے۔

اے عمرؓ! ان باتوں کے علاوہ اللہ کی مرضی پر چلنے کے لیے نفس کو قابو میں رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ اور ابنِ خطابؓ! نفس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اُس کی ایک خواہش پوری کر دی جائے تو اس کی ہمّت جوان ہو جاتی ہے اور وہ اُس سے زیادہ بُری خواہشوں کے لیے اور زیادہ زور کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے۔

اے عمرؓ! جب تم میری اِن نصیحتوں پر عمل کرو گے تو مجھے گویا اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے۔ اللہ نیک اعمال میں تمھاری مدد کرے۔"

انسان کا عمل صالح اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اُس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو، مرنے کے بعد آخرت میں جوابدہی کا خیال ہو، اور وہ اپنی بشری کمزوریوں پر ہر وقت نگاہ رکھتا ہو۔ اسے انصاف اور بے انصافی میں ایسی تمیز ہو کہ کسی کے لیے اور کسی وجہ سے اُس کا فیصلہ بُرائی اور ناانصافی کے لیے نہ ہونے پائے۔ ان خوبیوں کا ویسے تو ہر شخص میں ہونا ضروری ہے مگر حاکموں اور لیڈروں میں اگر یہ اوصاف نہ ہوں، یا ایسے کمزور ہوں کہ وہ اُنھیں انصاف اور سچائی کے راستے پر ہمیشہ قائم نہ رکھ سکیں، تو ایسے حاکموں کے زمانے میں امن وسکون نہ ہوگا۔ بے چینی کے طوفان اُٹھتے رہیں گے اور لوگ پستے رہیں گے۔ چاہے خدا اور آخرت سے نڈر حاکم مُلک میں ہر شے کے کارخانے لگا دیں، بنگلوں اور کوٹھیوں کے خوبصورت شہر

بسا دیں اور ہرے بھرے چمن بنا کر رات میں بھی اُن کو دن کی طرح روشن کر دیں۔ آپ نے
سوس کیا ہوگا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے جانشین کو انتظام سونپتے وقت جو نصیحتیں کی ہیں،
ان میں ایک نصیحت بھی ایسی نہیں ہے جو آج کل کی سیاست و حکومت سے جوڑ کھاتی ہو۔
س زمانے میں ان نصیحتوں کے خلاف عمل کرنے کو مصلحت کہا جاتا ہے۔ فی زمانہ سیاست
ے اُصولوں کی بنیاد جھوٹ اور فریب پر رکھی گئی ہے۔ زبان سے دھوکا دینے کے لیے اللہ
ر اسلام کا نام بار بار لیا جاتا ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ اُنھیں
لد اور اُس کے دین سے کوئی سروکار نہیں۔

اتی معاملات کے بارے میں وصیّتیں:

جانشین منتخب کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ذاتی معاملات کی طرف توجہ کی۔ اولاد
ں آپ حضرت عائشہؓ سے بہت محبت کرتے تھے، اور انھیں مدینے کے قریب جاگیر دے
ے تھے۔ بیماری کے دنوں میں خیال آیا کہ دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو گی، اس لیے بیٹی کو
لر کہا "میں نے جو جاگیر تمھیں دی ہے، اچھا ہو کہ اُس میں اپنے دُوسرے بھائی بہنوں کو بھی
ریک کر لو۔" حضرت عائشہؓ نے کہا "بہت اچھا۔"

وفات سے دو تین دن پہلے فرمایا "میرے پاس مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی
ر دو اُونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میرا انتقال ہوتے ہی یہ امانت عمرؓ کو دے دی جائے۔"
خلافت کی ذمّے داریاں سنبھالنے کے چھ مہینے بعد صحابہؓ نے کہہ سن کر آپؓ کا ڈیڑھ ہزار
ر پے سالانہ وظیفہ مقرّر کرا دیا تھا۔ اُس کے بارے میں وصیّت کی کہ میری فلاں زمین بیچ کر وہ
اری رقم بھی عمرؓ کو واپس کر دی جائے، جو آج تک میں نے وصول کی ہے۔
تجہیز و تکفین کے بارے میں فرمایا "اس وقت جو کپڑا میرے بدن پر ہے، اس کے علاوہ
و کپڑے اور لے کر دھو لینا۔ یہ تین کپڑے ہو جائیں گے، جو میرے کفن کے لیے مناسب رہیں

گے۔" حضرت عائشہؓ نے کہا "یہ تو پُرانے کپڑے ہوں گے۔ میں نئے کپڑے دے دوں گی" فرمایا "عائشہ! نئے کپڑوں کے تو زندہ زیادہ مستحق ہیں۔ تمھارے باپ کے لیے یہی پھٹی پُرانی چادریں کافی ہیں۔"

وفات اور تجہیز و تکفین :

پھر آپؓ نے پوچھا "آج کیا دن ہے؟" بتایا گیا، پیر ہے۔ کہا "میرے آقا رسول اللہ کا وصال اسی دن تو ہوا تھا؟" لوگوں نے جواب دیا، جی ہاں۔ کہنے لگے "جی چاہتا ہے کہ آج ہی اُسی وقت، شام تک، رحلت کر جاؤں۔" اللہ کی مہربانی سے یہ خواہش بھی پوری ہوئی۔ اُس دن شام کو حالتِ غنودگی میں تھے کہ یکایک آنکھیں کھولیں، نظریں اُوپر کی طرف جم گئیں اور زبانِ صدیقؓ پر یہ کلام جاری ہو گیا "اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ (میرے اللہ! تُو ہی دُنیا اور آخرت میں میرا مددگار و کارساز ہے۔ تو اس حالت میں مجھ کو موت دے کہ میں تیرا فرماں دار ہوں اور مرنے کے بعد مجھے بہت صالح اور اچھے لوگوں میں شامل کر دے)۔ اس کے بعد زبان ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی اور رُوحِ صدیقؓ وصال کے لیے عالمِ اَرواح کی طرف پرواز کر گئی۔ ۶۳ سال کی عُمر تھی، جمادی الآخر کی ۲۱ تاریخ اور سن ۱۳ ہجری۔ آپؓ نے دو برس تین مہینے اور دس دن خلافت کے فرائض انجام دیے۔

وصیّت کے مطابق اُسی وقت غُسل اور نمازِ جنازہ کا سامان کیا گیا۔ آپ کی ایک بیوی حبیبہؓ بنتِ خارجہ نے چادروں کو دھویا اور دوسری بیوی اسماءؓ بنت عُمیس نے آپ کو غسل دیا۔ آپ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ غُسل دینے میں مدد کر رہے تھے۔ غُسل کے بعد تین چادروں میں کفن دیا اور جس تخت پر لٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی تھی، اُسی پر آپ کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی گئی۔ حضرت عمرؓ نے امامت کی۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ نے قبر میں اُتارا جو حضورؐ کی قبر کے مشرقی پہلو میں اس طور پر کھُدی

گئی تھی کہ جب اُس میں لٹائیں تو خلیفہ اوّلؓ کا سر حضورؐ کے بغل میں رہے۔ جس ذاتِ گرامی کے ساتھ پوری زندگی گزاری تھی، وفات کے بعد بھی اُسی کے پہلو میں لیٹے۔

آپؓ کی خصوصیّات اور فضائل:

حضرت ابوبکرؓ ہر معاملہ میں رسولؐ اللہ کے مشیر اور رازدار تھے۔ چنانچہ مدینے کی ہجرت سے چار مہینے پہلے حضورؐ نے آپ کو بتلا دیا تھا، اور ابوبکرؓ نے اُس کی تیّاری شروع کر دی تھی۔

ایک روز خلافِ معمول رسالت مآبؐ صبح سے رات تک اُداس رہے۔ کسی سے بات بھی نہیں کی۔ صحابۂ کرامؓ پریشان ہو گئے کہ نہ جانے کیا بات ہے۔ حضورؐ سے پوچھنے کی ہمّت کسی میں نہ تھی۔ جب حضورؐ نمازِ عشا پڑھا کر تشریف لے گئے تو غم کے مارے صحابہؓ اُس شخص کے پاس پہنچے جو سب سے زیادہ نبیؐ کا چہیتا اور رازدار تھا، یعنی ابوبکرؓ، اور کہا "اے مزاج دانِ رسول! ہم اپنے آقا کی خاموشی کی وجہ سے بہت غم زدہ ہیں۔ آپ حضورؐ سے جا کر ملیں اور خموشی و سکوت کی وجہ دریافت کریں۔" آپ نے بتایا "بھائیو! جو کچھ دُنیا اور آخرت میں ہونے والا ہے، وہ سب گزشتہ رات آنحضرت کو دکھلایا گیا ہے۔ اس وجہ سے وہ پریشان ہیں۔ شاید کل تک اُس کے بارے میں تم کو بھی بتائیں۔"

حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حفصہؓ ایک صحابی خُنیسؓ کے عقد میں تھیں۔ جنگِ بدر میں وہ شہید ہو گئے تو عقدِ ثانی کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔ مگر انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی اختیار کر لی۔ حفصہؓ کے خوددار باپ کو اُن کی اس بات پر رنج ہوا۔ تھوڑے دن گزرے تھے کہ رسولؐ اللہ نے نکاح کا پیغام دیا۔ اب حضرت ابوبکرؓ عُمر فاروق سے ملے اور کہا "حفصہؓ کے سلسلے میں میری خاموشی کو تم نے ضرور ناپسند کیا ہوگا؟" عُمرؓ نے جواب دیا "ہاں، ابوبکرؓ۔ مجھے ناگوار تو گزرا۔" آپ نے بتایا "بات یہ تھی کہ حضورؐ

تمھاری صاحبزادی سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اور میں اس بات سے واقف تھا۔ نہ میں نکاح پر رضامندی ظاہر کر سکتا تھا اور نہ حضورؐ کے ارادے کا ذکر کرکے راز فاش کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے تمھاری بات سُنی اور خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے اس رفیقِ جان نثار کے ساتھ جو خاص تعلق تھا اُس کا آپؐ نہایت محبّت آمیز پیرائے میں اظہار فرماتے تھے۔ ایک بار تقریر کے دوران فرمایا:

"ابوبکرؓ اپنی مصاحبت، مالی قربانی اور محبّت کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اسلامی اخوّت و محبّت (ذاتی دوستی سے) افضل ہے۔"

حضورؐ نے وفات سے کچھ دن پہلے فرمایا:

"میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکرؓ کی خلافت کے لیے وصیّت لکھوا دوں، مگر پھر خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اُمّت کو ابوبکرؓ کی صلاحیتوں سے محروم نہ رکھے گا، اور لوگ بھی ابوبکرؓ کی موجودگی میں کسی دوسرے کی خلافت منظور نہ کریں گے۔"

جب حضرت علی مرتضیٰؓ نے ابوجہل بن ہشام کی بیٹی کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا تو یہ بات رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سخت ناپسند ہوئی۔ انھی دنوں ایک روز حضرت علیؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو چہرۂ رسولؐ پر غصّے اور ملال کے آثار دیکھے۔ وہ ٹھہرے بغیر لوٹ آئے اور دُور کھڑے ہو کر انتظار کرتے رہے کہ جب چہرہ بشاش ہوگا تو پھر حاضر ہوں گے۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ حاضر ہوتے رہے لیکن مزاجِ رسولؐ میں شگفتگی نہ آئی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ آئے تو آپؐ نے پیار کی نظروں سے انھیں دیکھا اور آپؐ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تب میں بھی آپؐ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ ایک روز حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے اور آپؐ کے ارشادات

ن رہے تھے۔ اسی دوران انھوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا "میرے آقاؐ! مردوں میں آپؐ
سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟" ارشاد فرمایا، ابوبکرؓ۔

ایک مرتبہ کسی معاملے پر حضرت صدیقؓ کا حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوگیا، اور گفتگو
ں کوئی نازیبا لفظ آپ کی زبان سے نکل گیا۔ لیکن آپؓ کو اسی وقت اپنی غلطی کا احساس
و گیا۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے معافی مانگتے ہوئے کہا "تم بھی یہی لفظ میرے لیے دُہرا دو۔
م بھی مجھے ایسا ہی کہہ دو۔" حضرت عمرؓ نے کہا "میں تو ایسی غلطی ہرگز نہیں کروں گا۔" اب ابوبکرؓ
ں بے چینی کی انتہا نہیں تھی۔ عمرؓ کو وہیں چھوڑ کر چل دیے۔ غم کے ماروں کا غم دُور کرنے والی
ور بے چینوں کو چین دینے والی ایک ہی ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ سیدھے
وہیں پہنچے۔ دل اُداس اور طبیعت خراب تھی۔ اسی حالت میں واقعہ بیان کیا۔ رحمتِ عالمؐ
نے آپ کی پریشانی دُور کرنے کے لیے تین مرتبہ فرمایا "ابوبکرؓ! خُدا تمھیں بخش دے گا۔"

جب ابوبکرؓ رنجیدہ طبیعت لیے حضرت عمرؓ کے پاس سے چلے آئے تو انھوں نے
اپنے دل میں کہا، مجھے اِسی وقت اُن کے ملال کو دُور کر دینا چاہیے تھا۔ وہ اُن کے گھر
گئے تو معلوم ہوا ابھی نہیں آئے ہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ آپ اللہ کے رسولؐ کے پاس گئے
ہوں گے۔ حضرت عمرؓ وہاں پہنچے تو ابوبکرؓ موجود تھے۔ عمرؓ کو دیکھ کر اللہ کے نبیؐ کا چہرہ
غصّے سے سُرخ ہونے لگا۔ ابوبکرؓ تاڑ گئے اور دو زانو ہو کر درخواست کی :

"اے اللہ کے آخری نبیؐ! غلطی مجھ سے ہوئی تھی۔ زیادتی میری تھی۔"

لیکن ارشاد ہوا :

"مجھے نبوّت عطا ہوئی تو سب نے جھٹلایا، مگر ابوبکرؓ نے مانا اور دوسروں سے
منوایا۔ جب میرے پاس کچھ نہیں رہا تو ابوبکرؓ کا پیسا اللہ کی راہ میں کام آیا۔
جب ابوبکرؓ نے مجھے تکلیف میں دیکھا تو سب لوگوں سے زیادہ میری غم خواری
کی۔ اب کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دینا چاہتے ہو۔"

آپؓ کی فضیلت پر حضرت علیؓ کی گواہی:

سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض کا بل ملا تھ
اور دانائی اور سمجھ میں وہ کسی سے کم نہ تھے۔ اسلام کے لیے صحابہؓ کی کوششوں سے، اور
کے مرتبوں سے واقف تھے اور صحابہؓ کے بارے میں حضورؐ کے خیالات سنتے رہے تھے
وجہ سے بھی اُن میں فرقِ مراتب کی سمجھ پیدا ہو گئی تھی۔

حضرت علیؓ رائے دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ سوچ سمجھ کر اپنا خیال ظاہر کر
اور مبالغہ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ کی رائے اپنے کسی ساتھی یا صحابی کے بار
میں حجت کا درجہ رکھتی ہے اور مسلمان اُسے صحیح سمجھتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضر
علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا:

"اے ابوبکرؓ، صاحبِ رسولؐ! ہم آپ کی فضیلت سے واقف ہیں اور جو کچھ
خوبیاں آپ کو خدا نے عطا فرمائی ہیں، وہ ہمارے علم میں ہیں۔ ہم اُس خیر اور بھلائی
پر جو خدا نے آپ کو عنایت فرمائی، رشک بھی نہیں کرتے۔"

حضرت عمر فاروقؓ

آپؓ کا خاندان :

قبائلِ قریش میں جن دس شخصیتوں نے اپنی لیاقت و صلاحیت سے شہرت و سیادت حاصل کی، اُن میں ایک عدی بھی تھے، جو حضرت عمر فاروقؓ کے اجداد میں ہیں۔ عدی کے باپ کا نام کعب تھا جو حضرت عمرؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ ہیں اور اس طرح آپ کا نسب حضورؐ سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔

کعب کے پوتے قُصَیّ بن کلاب نے مکہ میں اپنی قبیلے کی سرداری قائم کی، انتظامات کے ضابطے اور شعبے بنائے اور قبیلے کے 'اولو العزم' اشخاص کو اُن کا انچارج مقرر کیا۔ اس موقع پر عبدُاللہ کو جو حضرت عمرؓ کے جدِ امجد اور آپ سے پہلے پانچویں پشت میں ہیں، بیرونی اُمور اور سفارتی صیغے کا افسر بنایا جو دوسرے قبیلوں سے اتحاد و معاملات یا اختلاف و نزاعات سے نمٹنے کا ذمے دار تھا۔ یہ اہم عہدہ ہمیشہ عبدُاللہ کی اولاد میں اور پانچ نسلوں سے گزر کر حضرت عمرؓ تک پہنچا۔ یہی وجہ تھی کہ اُن میں پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات کو سمجھنے کی صلاحیت اور سیاسی بصیرت بدرجۂ اتم موجود تھی۔

آپ کے جدِ امجد :

حضرت عمرؓ کے دادا نُفَیل بن عبدالعزیٰ نے اپنی اعلیٰ مخصوص خاندانی روایات کو

مزید چمکایا اور سفارتی خدمات کو نہایت قابلیت سے انجام دیا۔ اسی وجہ سے بلند مرتبہ لوگوں کے معاملات اور دُور دراز قبیلوں کے مقدمات اُن کے پاس فیصلے کے لیے آتے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد عبدُالمطّلب اور حرب بن اُمیّہ کے درمیان جب سرداری و سیادت کے بارے میں اختلاف ہوا تو دونوں نے آپ ہی کی عدالت سے رجوع کیا۔ نفیل نے دونوں بزرگوں کے بیانات اور دلائل سُننے کے بعد عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ دیا اور سردار حرب سے فرمایا :

"تم اس شخص سے بے جا مخاصمت کرتے ہو جو ایک اچھا انسان ہے، جو قامت و شخصیت، خوبی و زیبائی اور قبیلے کی سرداری کے لحاظ سے نہایت وجیہ نیز بہت سے بیٹوں اور پوتوں کا مورث بھی ہے اور لوگوں کے رفاہ و آرام کے لیے کام کرتا ہے۔ اس کے جو اوصاف میں نے بیان کیے، میرے بھائی تم اُن کا انکار نہیں کروگے۔ پس میرا مشورہ ہے کہ تم اپنا دل صاف کر لو اور مضبوط بندھن میں ایک خاندان کی طرح بندھ جاؤ۔"

آپؓ کے چچا اور چچا زاد بھائی :

نُفیل کے دو بیٹے تھے، عَمرو اور خطّاب۔ ان میں عَمرو صرف بڑے باپ کا بیٹا ہو کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان میں کوئی ذاتی قابلیت نہ تھی جو وجہ شہرت بنتی۔ لیکن اُن کے صاحبزادے زید بہت لائق و فائق آدمی تھے۔ کُفر و شرک کے اندھیرے میں اُن کا وجُود روشن ہیرے کی طرح چمکتا تھا۔ یہ اُن لوگوں میں سے تھے جنھوں نے حضورؐ کی نبوّت سے پہلے ہی اپنی سلامتِ طبع اور وجدانی رہنمائی کے ذریعے بُت پرستی کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے تھے۔ خانۂ کعبہ میں بیٹھ کر اکثر اعلان کرتے کہ میرے سوا تمام قریش میں کوئی شخص دینِ ابراہیمیؑ پر نہیں۔ انھیں طرح طرح سے ستایا گیا۔ اذیت پہنچانے والوں میں اُن

کے چچا، حضرت عمرؓ کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ بالآخر تنگ آکر انھوں نے شہر چھوڑ دیا اور پہاڑوں کے اندر ایک وادی میں چلے گئے۔ گو حضرت زید کو اسلام نصیب نہیں ہوا، لیکن آں حضرتؐ نے اُن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اکیلے ایک اُمت کے بجائے اٹھیں گے۔

آپؓ کے والد:

آپ کے والد خطاب بن نُفیل قریش کی ایک شاخ قبیلۂ عدی کے سردار تھے۔ اُس زمانے میں اُمیہ کے باپ عبدالشمس کا قبیلہ، افرادی تعداد کے لحاظ سے، قریش کے مختلف قبائل میں سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ اس طاقتور قبیلے سے عدی کی پُرانی مخاصمت تھی۔ عدی کے غیور سردار اپنی قلتِ تعداد کے باوجود ہمیشہ اُن کے مقابلے پر آتے اور مغلوب رہتے۔ خطاب نے اپنی سرداری کے زمانے میں اسی وجہ سے قبیلہ سہم سے تعلقات اُستوار کرلیے اور دونوں آپس میں حلیف ہو گئے۔ خطاب اپنے قبیلے کے ساتھ دامنِ صفا میں رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنا گھر بار بیچ کر سہمی قبیلے کے گاؤں میں جاکر آباد ہو گئے۔ لیکن خطاب کے چند مکانات صفا میں پھر بھی رہ گئے، جن میں سے ایک مکان حضرت عمرؓ کو باپ کے ترکے میں سے ملا تھا جو صفا و مروہ کے بیچ میں تھا۔ آپؓ نے اُس کو اپنی خلافت کے زمانے میں مسمار کراکے زائرینِ حرم کی قیام گاہ کے طور پر، خیمے لگانے کے لئے ہموار کر دیا تھا۔ لیکن اُس سے ملحقہ دُکانیں عہدِ خلافت راشدہ کے بعد تک وُرثائے فاروقی کے قبضے میں رہیں۔

خطاب نے کئی شادیاں کیں۔ ان کی ازدواج میں سے ایک کا نام حنتمہ تھا۔ یہ ابنِ ہشام بن مُغیرہ کی صاحبزادی تھیں۔ قریش کی فوجوں کی کمان مغیرہ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اس منصبِ اعلیٰ کی بنا پر اُن کو "صاحبُ الاعِنّۃ (لشکر کی عنان اور باگ ڈور کا مالک) کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اسلام کے سب سے بڑے سپہ سالار حضرت خالدؓ بن ولید ان ہی مغیرہ

کے پوتے تھے۔

آپؓ کی ولادت اور بچپن :

حضرت عمرؓ ظہورِ اسلام سے ۲۷ برس اور ہجرتِ رسولؐ سے ۴۰ برس پہلے خطاب کی زوجہ حنتمہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت اور بچپن کے تفصیلی حالات تاریخی روایات میں بیان نہیں ہوئے ہیں۔ ابنِ عساکر نے "تاریخِ دمشق" میں حضرت عمروؓ بن عاص کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسے میں شریک تھا کہ دفعتہً ایک جانب شور و غل ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خطّاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔

آپؓ کچھ بڑے ہوئے تو والد نے گھر کے جانوروں کو چرانے کے لیے وادی میں بھیجنا شروع کیا۔ عرب میں جانوروں کا چرانا قومی شعار کے طور پر اختیار کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی چراگاہ "ضجنان" مکہ معظمہ کے قریب ہی تھی۔ باپ سخت مزاج تھے۔ بیٹے کی طبیعت مضمحل ہوتی اور وہ کسی دن چراگاہ جانا نہ چاہتے تو وہ چھٹی نہیں کرنے دیتے۔ جنگل جانے اور لوٹنے کے اوقات کی بہت سختی سے پابندی کراتے۔ خلافت کے زمانے میں ایک بار ضجنان کی وادی میں سے آپ کا گزر ہوا تو بچپن کا زمانہ یاد آگیا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا "اللہ اکبر! ایک بچپن کا وہ وقت تھا کہ میں نمدے کا کرتا (بالوں کی موٹی قمیص) پہنے ہوئے اپنے باپ کے جانور چرایا کرتا تھا۔ تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ اب بحمد اللہ یہ حالت ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے۔"

سنِ شعور کو پہنچے تو اُن اعلیٰ فنون کے حصول میں سرگرم ہوئے جو اُس زمانے میں رئیسوں اور سرداروں کی اولاد کو سکھائے جاتے تھے اور لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے۔ یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت و سیاست۔ نسب دانی کا فن قبیلۂ نُفَیل کا خاص مشغلہ تھا، بصورتِ خاص اُن کے آبا میں چلا آرہا تھا۔ جاحظ نے اپنی کتاب "البیان التبیین" میں بیان

ہے کہ حضرت عمرؓ ان کے والد اور دادا تینوں بڑے نسّاب تھے۔ آپؓ نے لکھنا اور
پڑھنا بھی اچھی طرح سیکھ لیا تھا۔ اس زمانے میں بہت کم لوگ پڑھے لکھے ہوتے تھے۔ اس
بات کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت تمام قبائلِ قریش میں صرف
سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔

کشتی اور ورزش کے فن میں بھی آپؓ کو کمال حاصل تھا۔ کوہِ عرفات کے قریب
ایک وسیع میدان تھا جسے عُکاظ کہتے تھے۔ ہر سال اوائل ماہ ذیقعدہ میں یہاں مُلک کا
سب سے بڑا میلا لگتا تھا، جس میں بیس دن تک گرم بازاری رہتی تھی۔ ہر طرف سے آ کر لوگ
ہجوم و اجتماع کرتے تھے۔ ہر فن کے ماہرین یہاں پہنچ کر اپنے کمال کا مظاہرہ کرتے تھے۔
اور جو یہاں سے کامیاب و کامران ہو کر لوٹتا تھا، تمام مُلک میں اُس کی شہرت ہو جاتی
تھی۔ حضرت عمرؓ نے عُکاظ میں کئی معرکے کی کشتیاں جیتی تھیں۔

شہسواری میں آپ کا کمال مشہور ہے۔ ابنِ سعد اور جاحظ دونوں نے اس صفت
کا ذکر کیا ہے۔ قوتِ بیان و تقریر کا ثبوت عہدِ فاروقی میں موجود ہے۔ قبولِ اسلام سے
پہلے آپ قریش کے منصبِ سفارت پر فائز تھے اور یہ عہدہ آپ کے خاندان میں اس وجہ
سے ہی چلا آ رہا تھا کہ آپ اور آپ کے آبا خطابت پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔

سیاست میں آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ
فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت عمرؓ کسی پیچیدہ مسئلے میں یہ فرما دیتے کہ میرا خیال اس بارے
میں ایسا ہے تو ہمیشہ آپ کا خیال درست ہوتا۔

اس سے زیادہ اصابت رائے کی اور کیا معراج ہوگی کہ آپؓ کی اکثر آرا مذہبی احکام
بن گئیں۔ آپ کے خیال کی تائید میں فرشتہ کئی بار وحی لے کر آیا جو قرآن کا ایک جزو
بنی اور قیامت تک تلاوت ہوگی۔ یہ تمام اوصاف وہ ہیں جو آپ میں بالطبع موجود
تھے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے آپ نے اُن کا اکتساب کیا اور اسلام لانے کے بعد ان میں

سے اکثر اوصاف کا مثبت اور تعمیری راستوں پر رخ مڑ گیا۔

اکتسابِ معاش :

تعلیم و تربیت کے بعد آپ نے معاش کی طرف توجّہ کی۔ عرب میں زیادہ روزی کا ذریعہ تجارت تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ اس ذریعے نے کو مادّی و مالی فائدے بھی دیے اور ترقّی و تعمیر کا زینہ بھی کھول دیا۔ وہ کاروبار کے اونٹ لے کر عرب کے جزیرہ نما سے باہر نکلے، صحراؤں، ریگستانوں، اُونچے نیچے بھورے پہاڑوں اور تپتے چٹیل میدانوں کے حصار سے نکل کر، نئی تہذیب، تمدّن اور نئے اندازِ بُود و ماند رکھنے والے لوگوں سے ملے۔ تجربات و مشاہدات نے بلند حوصلگی، معاملہ فہمی اور تجربہ کاری کے علاوہ آپ کے نظریات میں گہرائی اور فکر میں ... بھی پیدا کر دی۔ یہ ساری خوبیاں اور ان کی علامتیں حضرت عمرؓ میں اسلام قبول کرنے سے ... ہو چکی تھیں۔ اسلامی تاریخ کے مشہور مورّخ مسعودی نے اپنی کتاب مُروّج الذہب میں لکھا ہے

"عمر بن خطابؓ نے زمانہ جاہلیت میں عراق اور شام کے جو سفر کیے اور ان سفروں میں جس طرح وہ عرب و شام کے بادشاہوں سے ملے، اُن کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں لکھا ہے۔"

افسوس ہے کہ یہ کتابیں صدیوں سے معدوم ہیں۔ نیز اس سے زیادہ حسرت و افسوس ... نگاروں کے اس تسامح پر ہے کہ انھوں نے حیاتِ فاروقی کے اس پہلو سے تعرّض ہی نہ کیا۔

بطنِ مکّہ سے آفتابِ اسلام کا طلوع اور مشرکین کا ردِّ عمل :

اسی اثنا میں وادیٔ مکّہ سے آفتابِ رسالت طلوع ہوا، اور اللہ کے رسولؐ نے علانیہ

کا وعظ شروع کیا۔ قریش ناگواری کے باوجود خاموش رہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب آپؐ نے شرک کی مذمت کی اور اللہ کے سوا تمام معبودوں کی تکذیب کی اور بُتوں کے پجاریوں کو گمراہ بتایا تو قریش جوشِ غضب سے بے تاب ہو گئے۔ مٹھی بھر مسلمانوں کے خلاف ظلم کی چکی تیزی سے چلنے لگی۔ کسی قبیلے کا کوئی آدمی مسلمان ہو جاتا تو جہالت میں ڈوبے ہوئے اور ظلمتِ کفر میں گھرے ہوئے قبیلے کے سارے لوگ اس کو دوبارہ کفر کی تاریکیوں میں کھینچنے کے لیے طرح طرح سے ستاتے، سخت سے سخت ایذائیں پہنچاتے اور اُس کو عاجز و مجبور کر دینے کے لیے نئے نئے اندازِ ستم ایجاد کرتے۔ ان مخالفینِ اسلام میں عمرؓ بھی شامل تھے۔

اسی زمانے کا ذکر کرتے ہوئے ایک صحابی حضرت خبّاب بن اَرتؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے سائے میں بیٹھے تھے۔ میں حاضرِ خدمت تھا۔ میں نے عرض کیا " اے اللہ کے رسولؐ! اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے۔ آپؐ خدا سے دُعا نہیں فرماتے؟" میری بات سُن کر آپؐ کا چہرۂ مبارک تمتا اُٹھا اور آپؐ نے فرمایا "تم سے پہلے، سابقہ اُمتوں میں جو اہلِ ایمان تھے اُن پر تو اس سے بھی زیادہ مظالم ہو چکے ہیں۔ اُن کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں (جن سے گوشت صاف ہو جاتا تھا)۔ اُن کے سروں پر آرے چلائے جاتے تھے۔ مگر وہ اللہ کے پرستار پھر بھی سچے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس (توحید، رسالت اور آخرت کے) کام کو پُورا کر کے رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ تنہا آدمی صنعا سے حضرموت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اُس کو کسی کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔"

عمرؓ کا رویّہ اور آنحضرتؐ کی دُعا:

ظہورِ اسلام کے وقت عمائدِ قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے، اور بلا امتیازِ مرتبہ و خاندان مسلمان کو اذیت پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن

آپ کی شخصیت میں وجاہت وشوکت، ذہانت وبلوغت اور غیر معمولی شکوہ و دبدبہ تھا۔ آپ کے اِن اوصاف کی وجہ سے حضورؐ کی نظر آپ پر تھی اور حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے آپ کے مسلمان ہونے کے لیے دُعا کی تھی۔

صداقتِ اسلامی کا اثر اور قبولِ اسلام:

اللہ کے پرستاروں پر جبر و تشدّد کی انتہا ہوگئی، ظلم وجور کی چکّی میں وہ پستے رہے، کئی سال ہوگئے تو ماہِ رجب ۵ نبوی میں محسنِ اعظم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے پاکباز و مظلوم اصحابؓ سے فرمایا "اچھّا ہو کہ تم یہاں سے نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایسا بادشاہ ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ سرزمین بھی بھلائی کی ہے۔ جب تک اللہ تمھاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے، تم لوگ وہیں ٹھہرے رہو۔"

اس ارشاد و اجازت کے بعد سب سے پہلے گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے خفیہ طور پر حبش کی راہ لی۔ اس کے بعد چار چار چھ چھ آدمی جاتے رہے۔ حضرت عمرؓ کی اسلام دشمنی پر سب سے پہلی چوٹ، ایک واقعے سے، اسی زمانے میں لگی۔ آپ کی قریبی رشتے دار خاتون لیلیٰ بنتِ حثمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرتِ حبشہ کے لیے اپنا سامان باندھ رہی تھی۔ شوہر عامر بن ربیعہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمرؓ آگئے اور کھڑے ہو کر بہ غور مجھے دیکھتے رہے۔ پھر کچھ دیر بعد کہنے لگے "عبداللہ کی ماں، جا رہی ہو؟" میں نے کہا "ہاں، خدا کی قسم تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا۔ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ اب ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں گے جہاں سکون سے رہ سکیں۔" یہ سُن کر عمرؓ کے چہرے پر رقّت کے ایسے آثار ظاہر ہوئے جو میں نے زندگی میں کبھی نہ دیکھے تھے۔ اس کے بعد وہ نہ ٹھہرے اور بس یہ کہہ کر نکل گئے کہ خدا تمھارے ساتھ ہو۔

جن لوگوں کی طبیعت میں پختگی اور مزاج میں استحکام ہوتا ہے، وہ معمولی چیز

پھیل جاتے ہیں، اُکھڑ نہیں جاتے۔ اس لیے کہ اُن پر تاثر وقتی قسم کا ہوتا ہے اور معمولی ضرب نتیجہ خیز نہیں ہوتی۔ لیلیٰ کے واقعہ کا اثر چند دن رہ کر زائل ہو گیا ہوگا۔

آپ کے چچا زاد بھائی زید توحید کا وعظ و اعلان کرتے رہتے تھے۔ اس لیے خاندان میں "اللہ ایک ہے" کی آواز غیر مانوس نہیں تھی۔ آپ کے گھرانے میں سب سے پہلے یہی زید کے بیٹے سعید، اللہ اور رسولؐ کے ماننے والے بنے۔ پھر اُن کی بیگم فاطمہ جو حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں، دینِ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوئیں۔ اس کے بعد خاندانِ فاروقیؓ کے ایک اور رکن نعیم بن عبداللہ نے اسلام قبول کیا۔ سب کے بعد میں گھرانے کی خادمہ لُبینہ حضورؐ کی جان نثار اور اسلام کی معتقد بنی۔

حضرت عمرؓ کو سعیدؓ، فاطمہؓ اور نعیمؓ کے مسلمان ہو جانے کا حال معلوم نہ تھا۔ مگر اتفاق سے لُبینہ کی دین پرستی اُن پر کھل گئی۔ اُس بے چاری کو حق پرستی کے جرم میں جس قدر مار پڑتی تھی اس کا اندازہ اس سے کریں کہ جب حضرت عمرؓ کا سانس پھول جاتا تو کہتے "ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔" لُبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا، اُس کو بے تحاشا زدو کوب کرتے۔ لیکن سچے لوگوں کا پکا اسلام تھا۔ وہ کسی ایک کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس وجہ سے جھلا گئے اور طیش میں آکر فیصلہ کر لیا کہ (نعوذ باللہ) خود اسلام کی بنیاد کو ڈھا دیں گے، بانیِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہی قصہ پاک کر دیں گے۔ لہٰذا تلوار لے کر سیدھے حضورؐ کی طرف محلہ شعب ابی طالب روانہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر کارکنانِ قضا و قدر نے کہا : ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

راستے میں مشیّتِ خداوندی نے آپ کے عزیز نعیم بن عبداللہ سے آپ کو بھڑا دیا۔ انھوں نے پوچھا "خیریت تو ہے؟ کہاں کا ارادہ ہے؟" بولے "محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ اُس نے اچھے خاصے لوگوں کو صابی (مذہب اسلاف سے برگشتہ) کر دیا ہے۔" انھوں نے جواب

دیا۔ "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو! خود تمھارے بہنوئی اور بہن مسلمان ہو چکے ہیں۔"

یہ سُن کر آپ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ آپ کی بہن فاطمہؓ اور اُن کے شوہر سعیدؓ حضرت خبابؓ بن اَرت سے نئی نازل شدہ سُورت "طٰہٰ" پڑھ رہے تھے۔ بھائی کو دیکھتے ہی بہن نے فوراً صحیفہ چھپا لیا۔ مگر آپ ان کی آواز سُن چکے تھے۔ پہلے کچھ پوچھ گچھ کی اور جب مطمئن نہیں ہوئے تو بہنوئی پر پل پڑے۔ بہن مدافعت کے لیے بڑھیں تو انھیں ایسا مارا کہ سر پھٹ گیا۔ اب دونوں میاں بیوی میں جذبۂ ایمانی جوش زن ہو گیا اور وہ پکار اُٹھے: "ہاں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ تم سے جو کچھ ہو سکے کر لو۔" آپ اپنی بہن کا جواب سُن کر حیران رہ گئے۔ بہنوئی کی طرف پشیمان نظروں سے دیکھ کر فرمایا "تم دونوں جو کچھ پڑھ رہے تھے وہ مجھے دکھاؤ۔" کہا "تم جب تک غسل نہ کر لو، اس پاک صحیفے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔" حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور صحیفہ لے کر پڑھنا شروع کیا جس میں سُورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ پڑھتے پڑھتے جب اس اڑتالیسویں آیت پر پہنچے:

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ ہم کو وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ عذاب ہے اُس کے لیے جو جھٹلائے اور منھ موڑے۔

تو بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا، واللہ! میں اس کلام کو نہیں جھٹلاؤں گا، جس کا ایک ایک لفظ دل میں اُتر رہا ہے۔ حضرت خبابؓ جو ان کی بہن اور بہنوئی کو تعلیم دینے آتے تھے اور مصلحتاً چھپ گئے تھے۔ آپؓ کی زبان سے یہ فقرہ سُن کر باہر نکل آئے اور کہا "اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ دعوتِ اسلامی کے پھیلانے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سے مدد لیں گے۔ میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ خدایا! ابوالحکم بن ہشام (ابُوجہل) عُمر بن خطابؓ، دونوں میں سے کسی کو اسلام کا حامی بنا دے۔ پس اے عُمر! اللہ کی طرف چلو، اللہ کی طرف چلو۔"

یہ وہ زمانہ تھا کہ آں حضرتؐ مخزومی قبیلے کے سردار حضرت ارقمؓ کے مکان میں،

پہاڑی سے متصل ایک ٹیلے پر تھا، روزانہ حسب ضرورت قیام فرماتے اور صحابۂ کرامؓ پوشیدہ طور پر وہاں آجاتے۔ حضرت عمرؓ خبابؓ کی رہنمائی میں دروازے پہنچے تو آپؓ ہاتھ میں تلوار بھی اور آج کے واقعے کی صحابہؓ کو اطلاع نہ تھی۔ اس لیے انھیں تردد ہوا۔ سرکارِ دو عالمؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا "آنے دو۔ اگر سمجھنے یا اطاعت کے لیے آیا ہے تو بہت اچھا ہے، اور اگر کوئی اور بات ہے تو اُسی کی تلوار سے سر قلم کر دوں گا۔"

دروازہ کھول دیا گیا، آپ اندر گئے، اللہ کے رسولؐ آگے بڑھے۔ پھر ارشاد فرمایا "عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟" اِدھر نبوت کا رُعب تھا، اُدھر صداقت واضح ہو چکی تھی نبیؐ کو دیکھ کر خشیت طاری تھی۔ نظریں اُٹھائے بغیر کہا "کلمہ پڑھنے اور ایمان لانے کے لیے"۔ یہ سُن کر حضور رسالتمآبؐ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور اُسی لمحے فرطِ مسرت سے موجود صحابہؓ نے بھی ایک آواز ہو کر اللہ کی بڑائی کا اعلان کیا۔ جس سے آس پاس کی تمام وادیاں گونج اُٹھیں۔

حضرت عمرؓ مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ کے بعد ۵ نبوی کے آخر میں ایمان لائے۔ اُس وقت تک چالیس مرد اور کچھ عورتیں مسلمان ہو چکی تھیں۔ لیکن اب تک کفارِ قریش کی سختی اور ظُلم کی وجہ سے کسی کو حوصلہ و ہمت نہیں ہوئی تھی کہ علانیہ عبادت اور برملا تبلیغ کر سکے۔ قریش کی سختی و گرفت ایسی تھی کہ بہت سے لوگ اپنا اسلام بھی ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ مگر جب خطاب کے یہ جرأت مند بیٹے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو فضا ہی بدل گئی، ماحول ہی وہ نہ رہا۔ اعلانِ توحید و رسالتؐ کے بعد آپؓ دارِ ارقم سے نکلے، خانۂ کعبہ پہنچے اور قریش کے سامنے اعلان کر کے نماز پڑھی۔ کسی دشمن کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کے خلاف آواز بھی نکال سکتا۔ آپؓ کے اِس جذبۂ حق کے اظہار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروقؓ کا لقب عطا فرمایا۔

آپ کی ہجرت :

قریش [illegible] مسلمانوں کو تبلیغ [illegible] کی حرکت [illegible] میں جب
[illegible] تو ان کے سارے قبیلوں نے متحد ہو کر حضورؐ کے خاندان بنی
ہاشم سے [illegible] بات چیت، خرید و فروخت اور ہر طرح کا تعلق توڑ دیا گیا۔ بنی ہاشم
[illegible] شعب ابی طالب میں نظر بند ہو گئے اور تین برس تک اسی
[illegible] نظر بندی کے [illegible] ہیں۔

آخر ہشام بن عمرو اور زہیر بن امیہ کو ان کی حالتِ زار پر رحم آ گیا۔ انھوں نے خاندان
[illegible] ابوجہل کی مخالفت کے باوجود اس معاہدے کو پھاڑ دیا جس کے ماتحت یہ
[illegible] تھی۔ اس کے بعد بنی ہاشم پھر مکے میں رہنے لگے۔

حج کے زمانے میں قبائل آتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جا کر
دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی طور پر آپ نے تبلیغ کی اور قبیلۂ خزرج کے چھ
آدمی مسلمان ہو گئے۔ دوسرے سال اسی طرح بارہ آدمی مسلمان ہوئے۔ اور جب وہ مکے
سے مدینے جانے لگے تو حضورؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ہمراہ کر دیا تاکہ اُن مسلمانوں کو
قرآن پڑھائیں اور مدینے میں اُن کے تعاون سے اسلام پھیلائیں۔ ان حضرات کی مخلصانہ
کوششوں سے مدینے میں اسلام پھیلنے لگا۔ اور چند ہی سالوں میں وہاں مسلمانوں کی اچھی
خاصی تعداد ہو گئی۔ مکے کے مسلمانوں کو بھی وہیں بھیج دیا جاتا تھا۔

سب سے پہلے ابوسلمہؓ ابن اشہل، پھر بلالؓ اور عمار بن یاسرؓ نے ہجرت کی۔ ان کے بعد
حضرت عمرؓ نے ہجرت کا قصد کیا۔ آپ نے پہلے خانۂ کعبہ میں جا کر طواف کیا، پھر نماز پڑھی
اور مشرکین کو مخاطب کر کے کہا "میں مدینے جا رہا ہوں۔ تم میں سے کوئی ہے مجھے روکنے
والا؟ اگر وہ اپنی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کرنا چاہتا ہے تو حرم سے باہر مسلح ہو کر آ جائے

قریش کو سانپ سونگھ گیا۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی جو آتا۔

آپ کے ہمراہ کچھ اور مسلمان بھی ہو گئے۔ امام بخاریؒ نے بیس آدمیوں کی صرف تعداد بتانے پر اکتفا کیا ہے۔ ابنِ ہشام نے بعض کے نام بھی لکھے ہیں۔ ان میں حضرت زیدؓ (آپ کے حقیقی بھائی)، حضرت سعیدؓ (بھتیجے) اور حضرت خنیسؓ (داماد) اور باقی دوست، خذاقہ سہمیؓ، عمروؓ بن سراقہ، عبداللہؓ بن سراقہ، واقدؓ بن عبداللہ، خولیؓ بن ابی خولی، مالکؓ بن ابی خولی، ایاسؓ بن بکیر، عامرؓ بن بکیر، خالدؓ بن بکیر، اور عیاشؓ بن ربیعہ وغیرہ شامل تھے۔

ان محترم ساتھیوں میں حضرت عیاشؓ بن ربیعہ، ابوجہل کے اخیافی (ماں جائے) بھائی تھے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینے پہنچ گئے تو بعد میں تعاقب میں لگا ہوا ابوجہل بھی اپنے ایک بھائی کے ساتھ پہنچ گیا اور عیاشؓ سے کہا

"بھائی! اماں جان نے قسم کھائی ہے کہ جب تک عیاش کی صورت نہ دیکھ لوں گی، دھوپ سے سائے میں نہ بیٹھوں گی۔ نہ سر میں کنگھی کروں گی۔ تم چل کر انھیں صرف صورت دکھا دو۔ اُن کی قسم پوری ہو جائے گی۔ پھر واپس آ جانا۔"

وہ بے چارے اس کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں دونوں کافروں نے اُن کو قید کر لیا اور مکے میں اس طرح لے کر داخل ہوئے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ابوجہل اور اُس کا بھائی پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ اے مکے والو! اپنے اپنے بگڑے ہوئے نالائق لونڈوں کو اس طرح سیدھا کرو، جس طرح دیکھو، ہم کر رہے ہیں۔ یہ بے چارے کافی مدت تک قید رہے اور آخر کار ایک جانباز مسلمان ان کو نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔

مدینہ منورہ میں زیادہ توسیع کی گنجایش نہ تھی۔ اس لیے مہاجرین مضافاتی آبادی قُبا میں، جو مدینے سے عین جنوب میں ڈھائی تین میل کے فاصلے پر تھی، رہائش اختیار کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی وہیں، حضرت رفاعہؓ بن منذر کے مکان میں ٹھہر گئے۔ آپ کے بعد بھی مکے سے آنے والوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک ربیع الاوّل ۱۳ نبوی مطابق دسمبر ۶۲۲ء

کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تشریف لے آئے۔

بھائی چارہ اور مجلسِ مشاورت کی رُکنیت:

مسلمانوں کی تنظیم اور رفاقت کے لیے حضورؐ نے اُن میں اس طرح رشتۂ اخوت قائم کیا کہ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اس سلسلے میں آپؐ دونوں کے رتبہ و حیثیت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخوت کے اس مبارک عمل میں، حضرت عمرؓ کا بھائی عتبانؓ بن مالک انصاری کو بنایا گیا جو قبیلۂ بنو سالم کے سردار تھے۔ مدینہ منورہ میں آنحضرتؐ کے تشریف لے آنے کے بعد بھی آپ قبا ہی میں رہے۔ چونکہ حضورؐ کی وجہ سے مرکزِ اسلامی مدینے میں تھا اس لیے حصولِ ہدایات کے لیے آپ اور آپ کے بھائی عتبانؓ ایک دن چھوڑ کر، باری باری سے، مدینے آتے تھے۔ حضورؐ نے جو مجلسِ مشاورت قائم کی تھی، آپ بھی اس کے رُکن تھے۔

ہجرت کے بالکل قریبی زمانے میں، نمازِ جمعہ کے احکام نازل ہوئے (جن کو قرآن سورۂ جمعہ کے دوسرے رکوع میں بیان کرتا ہے۔ اس میں " اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ " یعنی جب نماز کے لیے پکارا جائے، کا ذکر موجود ہے۔ اور اس سے مراد اذان ہے)۔ مکے کی مشرک اکثریت میں تو انفرادی نماز پڑھنا بھی آسان نہ تھا، اس لیے جماعت اور اذان وغیرہ کے طریقے وہاں اختیار نہیں کیے گئے۔ مدینے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے اعلان کا طریقہ مقرر کرنا چاہا، اور مجلس میں مشورے کے لیے یہ مسئلہ رکھا گیا۔ پیشِ نظر یہودیوں اور عیسائیوں کی نظائر تھیں۔ اوّل الذکر کے ہاں "بوق" (قرنا) اور مؤخر الذکر کے یہاں "ناقوس" (عبادت کا گھنٹا) عبادت کی اطلاع کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض حضرات نے انھی کا مشورہ دیا۔ لیکن بعض اصحابؓ نے کہا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مماثلت نہیں ہونی چاہیے۔ اس پر کسی نے کہا کہ نماز سے پہلے آگ جلا دی جائے۔ اُس کی روشنی نماز کی

اعلان کردے گی۔ یہ بحث جاری تھی کہ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر کہا "ہم اللہ کی بڑائی کیوں نہ بیان کریں؟ اللہ اکبر کیوں نہ پکار دیں؟" یہ پاکیزہ تجویز اللہ کے رسولؐ کو پسند آئی، اور اذان کے کلماتِ مقدسہ قرآن سے اخذ کر کے، حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق، اذان کا نظام جاری کر دیا گیا۔

غزوات و سرایا میں آپؐ کی شرکت:

قریش مسلمانوں کے مدینے چلے جانے سے اور بھی زیادہ دشمن ہو گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کی تمام املاک پر قبضہ کر لیا، اور فیصلہ کیا کہ مدینے پہنچ کر اُن کا مکمل طور پر استیصال کر دیا جائے۔ اگر اُن کو وقت مل گیا تو اُن کی جماعت منظم و مستحکم ہو جائے گی اور اُن کی قوت ناقابلِ تسخیر۔ اس لیے انھوں نے مدینے کے منافقین و یہودیوں سے ساز باز کر کے حملے کی تیاری شروع کر دی۔ تاہم ڈیڑھ سال تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر معمولی دانش اور بصیرت کی بدولت قریش کو ان کے جارحانہ ارادوں پر عمل نہ کرنے دیا۔ البتہ بعض چھوٹے چھوٹے جتھوں نے آکر چراہوں وغیرہ پر شبخون ضرور مارے۔ جن کے محدود جانی و مالی نقصانات کے اثرات کو بھی سرکارِ دو عالمؐ نے قطعی طور پر بے اثر کر دیا، کیونکہ آپؐ ہمیشہ محتاط رہتے تھے اور آپؐ کی دُور رس نگاہیں مشرکین کے عملی اقدامات سے پہلے ہی اس کا اندازہ کر لیتی تھیں کہ وہ اب کیا کارروائی کرنے والے ہیں۔

بہر حال، ہجرت کر کے مدینے آنے والے مسلمانوں کو، ذرا اطمینان کا سانس لینے میں، اور منافقوں اور یہودیوں کی در پردہ چالوں کے باوجود، خود کو منظم کرنے، نیز سیاسی نوعیت کے معاہدے وغیرہ کرنے میں ڈیڑھ سال لگ گیا۔ اس کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے وہ مدبرانہ اور حکیمانہ سیاسی مدافعتیں اُٹھا دیں جو مکے والوں کے جنگی بھوت کو روکے ہوئے تھیں۔

جنگِ بدر میں آپ رضؓ کا کردار:

۱۷ رمضان ۲ ہجری مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۳ء کو منگل کے دن جنگ بدر ہوئی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلا مشہور اور اہم معرکہ تھا۔ صبح کے وقت اللہ کے سپاہی اُس کے دین کا پرچم بلند کیے، اُس کی حمد اور اُس کی بڑائی کا کلمہ پکارتے، اپنے ذہنوں میں مقابلے کے وقت سب کچھ گزر جانے کا سودا لیے اور شوقِ شہادت دِلوں میں بھرے اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس ہاتھ کے اشارے پر جس میں تیر تھا، صف بستہ ہو گئے۔ اِن خدا پرستوں کی کُل تعداد ۳۱۳ تھی، جن میں بوڑھے، جوان اور کم عمر بھی تھے مگر عمر اور جسم و جان کے اس فرق کے باوجود، جوش سب کا یکساں تھا۔

اللہ اور اُس کے دین کے دشمن ایک ہزار تھے۔ ابولہب کے سوا اُن کے سارے سردار مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے ارادے سے مدینے پر چڑھ آئے تھے۔ اللہ کے رسول نے حملہ ہونے سے پہلے بارگاہِ خداوندی میں نصرت کے لیے ہاتھ پھیلائے۔ پھر نیاز و عاجزی سے سر کو خاک پر ٹیک دیا۔ ابھی سر اُٹھایا نہ تھا کہ فرشتہ آ گیا اور نصرت کا پیغام دیا۔ پہلے مُبارزت ہوئی، پھر دونوں طرف سے صفیں ٹوٹ پڑیں۔ اللہ کے سپاہی کافروں کی صفوں میں گھس گئے۔ جنگ جیت لی گئی۔ کفّار کے اکثر رئیس و سردار میدانِ جنگ میں کٹے پڑے تھے۔ نوّے آدمی پکڑ لیے گئے تھے۔ اور یہ سب کچھ بہت تھوڑے وقت میں ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ اِس یادگار معرکے میں ہر مرحلے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون و مددگار رہے۔ بایں ہمہ اُن کے ذاتی کردار کی چند جھلکیاں یہ ہیں:

۱۔ اس جنگ میں سب سے پہلا شہید آپ کا ایک خدمت گار مہجع تھا۔

۲۔ آپ کا ماموں عاصی بن ہشام قریش مکّہ کے رئیسوں میں سے تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو زندہ واپس نہیں جانے دیا۔ خود بڑھ کر قتل کر دیا۔

۳- آپ کے ساتھ آپ کے خاص دوست اور قبیلے کے گیارہ آدمی اس جنگ میں شریک ہو کر لڑے تھے۔ جو یہ ہیں: زیدؓ، عبداللہؓ، عمروؓ، واقدؓ، خولیؓ، مالکؓ، عامرؓ (ربیعہ کا بیٹا)، عامرؓ (بکیر کا بیٹا)، خالدؓ، یاسؓ اور عاقلؓ۔

۴- قریش کے سارے قبیلے مجتمع ہو کر بدر میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے، لیکن حضرت عمرؓ کے قبیلے کا کوئی ایک آدمی بھی آپؓ کے ذاتی اثر و دبدبہ کی وجہ سے نہیں آیا۔

۵- اسیرانِ جنگ کے بارے میں اکثر صحابہؓ اور ابوبکرؓ نے رائے دی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا "میری رائے ہے کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور جو قیدی جس مسلمان کا عزیز ہے، وہی اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے"۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مائلِ کرم ہوئی۔ اکثریت کی رائے کو قبول فرما کر قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد وحی نازل ہوئی[1] حضرت عمرؓ کی تجویز پہلے ہی سے یہی تھی۔

۶- جنگ ہار کر مشرکین مکہ چلے گئے۔ وہ اپنی ہزیمت اور شکست و ریخت پر سر کچلے ہوئے سانپ کی طرح تلملا رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں؟ چنانچہ ابنِ امیہ نے عمیر بن وہب کو، جو دل سے اسلام اور حضورؐ کا دشمن تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر مدینے آیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے دیکھ لیا اور ایک ہاتھ سے گردن پکڑ کر دھکیلتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپؐ کے سوال کے جواب میں عمیر نے بتایا "میرا بیٹا جنگی قیدیوں میں ہے، اُسے چھڑانے آیا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ کیوں نہیں کہتا کہ تجھے صفوان بن اُمیہ نے میرے قتل کے لیے بھیجا ہے۔" یہ

---

[1] مطالعہ کریں قرآنِ حکیم پارہ ۱۰، سورۂ انفال رکوع ۹، آیات ۶۷ تا ۶۹۔

سن کر عمیر نے اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، کیوں کہ اس راز کو سوائے اُن کے اور صفوان کے کوئی اور نہیں جانتا تھا۔

جنگِ اُحد میں آپؓ کا کردار:

بدر کی لڑائی کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ قریش کا لشکر پہلے سے تین گنا زیادہ تعداد اور چار گنا زیادہ سامان کے ساتھ مسلمانوں کے استیصال کے ارادے سے چل پڑا۔ ان لوگوں اپنی لڑکیاں اور بیویاں بھی ساتھ لے لیں تاکہ اگر حالات موافق نہ ہوں تو مشرکین انھیں چھ نہ بھاگیں، اور اگر حالات سازگار ہوں تو وہ اپنے عزیزوں اور سرداروں کے مسلمان قاتلوں کو فرشِ زمین پر لوٹتے اور دم توڑتے دیکھ سکیں۔ یہ بُت پرستوں کا لشکرِ جرار اس انداز سے آکر اپنی آخری منزل وادیٔ اُحد میں اُتر گیا۔

اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی شوال کی ۱۴ تاریخ ۳ ہجری مطابق ۲۹ مار ۶۲۴ء، جمعے کی نماز پڑھ کر ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ راستے میں منافقوں سردار نے اپنے تین سو ساتھی جمعیت میں سے نکال لیے اور چلتا بنا۔ اب اصلی فدا کارو کی کل تعداد سات سو رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوںؓ کا سہارا صرف اللہ پر تھا، اس لیے وہ مطلق پریشان نہیں ہوئے بلکہ حضورؐ نے فرمایا "اِن اللہ کی راہ میں لڑ والوں کے اندر کچھ کم عمر لڑکے بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اس لیے پوری عمر کے شمشیرزن رہ دیے جائیں اور کچی عمر والے نکال دیے جائیں۔"

اِن بچوں کے شوقِ شہادت کا یہ عالم تھا کہ انھیں نکلنا کسی صورت گوارا نہ تھا۔ وہ پنج کے بل تن تن کر کھڑے ہوتے اور عرض کرتے "اے اللہ کے نبیؐ! ہم تو چھوٹے نہیں ہیں!" میں حضرت رافع بھی تھے جن کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور وہ لے لیے گئے۔ وہیں قریب میں ایک لڑکے سمرہ کھڑے تھے۔ جب اُن سے کہا گیا کہ واپس جاؤ تو انھوں نے جواب

"وہ میں کیوں جاؤں؟ رافع سے تو میں قوی ہوں"۔ آخر دونوں کی کشتی کرائی گئی جس میں انھوں نے رافع کو پچھاڑ دیا، اور اس طرح لشکر میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔

ہادیٔ اعظم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُحد پہاڑ کو پشت کی طرف رکھ کر صف بندی کرائی۔ حضرت مصعبؓ علم بردار مقرر ہوئے۔ حضورؐ نے اعزاز کے طور پر اپنی تلوار ابودجانہؓ کو عطا کی۔ اُن کے جسم کا رُونگٹا رونگٹا خوشی سے جھومنے لگا۔ انھوں نے اپنا سُرخ عمامہ سر سے باندھا، پھر اشعارِ شجاعت پڑھتے ہوئے آگے بڑھے، اور دشمنوں کی صفوں کو توڑ ڈالا۔ اس ابتدائی حملے میں مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے۔ خاص کر حضرت ابودجانہؓ، حضرت حمزہؓ، اور حضرت علیؓ۔

کُفّار کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ اپنے علمبردار صواب کے مارے جانے کے بعد بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمان مالِ غنیمت لُوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ مسلمان تیر اندازوں کے درّے سے چلے آنے کے بعد، کافر فوجوں کے ایک دستے نے، جس کی قیادت خالدؓ بن ولید کر رہے تھے، اس طرف سے اچانک حملہ کر دیا۔ حضورؐ زخمی ہو گئے اور دشمنوں نے پکار دیا کہ آپؐ شہید ہو گئے۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہار میں تبدیل ہو گئی۔

حضرت عمرؓ اس معرکے میں بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ راست رہے۔ مختصراً آپؓ کے کردار کی چند جھلکیاں یہ ہیں :

۱- ابتدا میں قیام گاہِ رسولؐ کے پہرے دار محمدؐ بن مسلمہؓ تھے۔ شکست کے بعد، موقع پا کر قریش نے حملہ کیا تو ابنِ مسلمہؓ کی ڈیوٹی آپؓ نے لے لی اور سائبانِ رسولؐ کے گرد تلوار لے کر چکّر لگانے لگے۔

۲- جب حضورؐ مسلمانوں کی ابتری اور سراسیمگی دیکھ کر معرکۂ کارزار میں آگے بڑھے تو حضرت عمرؓ بھی کافروں پر جھپٹ پڑے۔ اور جب حضورؐ گڑھے میں ہو گئے اور ابنِ قمۂ کافر نے حضرت مصعبؓ علم بردارِ اسلام کو شہید کیا اور پکار دیا کہ میں نے نعوذ باللہ محمدؐ (صلّی اللہ

علیہ وسلم) کو شہید کر دیا ہے تو آپؓ جہاں لڑ رہے تھے وہیں بہ فرطِ غم سے بیٹھ گئے اور ہتھیار زمین پر پھینک دیے۔ اتنے میں حضرت انسؓ بن نضر پاس سے گزرے اور کہا "عمر! یہاں کیا کرتے ہو؟" اندوہناک آواز میں جواب دیا کہ سرکارؐ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد آپ اُٹھے اور دیکھا کہ حضورؐ دگڑھے سے باہر نکالے جانے کے بعد موجود ہیں۔ ابو دجانہؓ آنحضرتؐ کی جانب رُخ کر کے اپنی پُشت پر تیروں کو روک رہے ہیں اور طلحہؓ چابکدستی سے حملہ آوروں پر تیروں کی بارش کر رہے ہیں۔ آپ بھی اُسی جانب بڑھ کر کافروں پر پل پڑے۔ اسی اثنا میں دو صحابہ، حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت حارثؓ بن صمہ بھی ان جان نثاروں میں شامل ہو گئے اور حضورؐ کو پوری حفاظت سے پہاڑی پر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

۳۔ پہاڑی پر چڑھنے کے دوران دیگر صحابہؓ بھی اس جتھے میں شامل ہو گئے۔ تاریخ کی معتبر روایات میں اُن کی تعداد تیس بیان ہوئی ہے۔ کفّار نے دیکھا کہ آپؐ بہ سلامت ہماری دست رس سے نکلے جا رہے ہیں تو اُن کے ایک قائد خالد بن ولید نے حملہ کرنے کے لیے اِدھر کا رُخ کیا۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر چٹانیں لڑھکائیں اور پتھّر برسائے، یہاں تک کہ وہ واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔

۴۔ قریش کے سردار ابُوسفیان نے ایک اُونچے تودے پر چڑھ کر پکارا "اُعْلُ هُبَل" (ہُبل سربلند رہ)۔ یہ سُن کر رسولؐ اللہ نے عمرؓ کو حکم دیا کہ جواب دو "اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَلّ" (صرف اللہ ہی بلند و برتر ہے)۔

۵۔ ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز پہچان لی اور اُن کا نام لے کر آواز دی۔ حضورؐ نے بھی اُس کی پُکار سُنی اور فرمایا "جاؤ، اور دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔" آپؓ گئے تو ابوسفیان نے پوچھا "عمر! بتاؤ، محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے ہیں یا نہیں؟" آپؓ نے فرمایا "دشمنِ خدا! وہ پہاڑی پر موجود ہیں اور تیری آواز سُن کر اُنھوںؐ نے ہی

مجھے بھیجا ہے۔" ابوسفیان نے کہا "ٹھیک ہے، کیونکہ تم میرے نزدیک ابنِ قمۃ سے (جس نے پکار دیا تھا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا) زیادہ سچے ہو۔ اس کے بعد اُس نے کہا کہ یہ بدر کا بدلہ ہے۔ آیندہ سال تم سے مقابلہ پھر ہوگا۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "کہہ دو، ہمیں منظور ہے۔"

جنگِ احزاب میں آپؓ کا کردار :

مکّے اور دوسرے علاقوں کے مشرکین، نیز خیبر کے یہودیوں کی دس بارہ ہزار فوج شوال ۵ ہجری میں مدینے کی بستی پر اچانک حملہ آور ہونے کے لیے، دبے پاؤں، نہایت پُراسرار انداز میں چل پڑی۔ شمال کی طرف سے بنی نضیر اور قینُقاع کے یہودی قبائل، جو اب خیبر میں آباد تھے، مشرق کی جانب سے غطفان کے مُشرک قبائل (بنوسُلیم، بنوفزارہ، بنومرّہ، بنواشجع، اور قبائل اسد و سعد وغیرہ) اور جنوب کی طرف سے تمام قبائلِ قریش اور ان کے حلیف۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اچانک حملے سے مُسلمانوں کو بچا لیا۔ سرورِ کائنات کو دشمنوں کی ایک ایک بات اور ایک ایک اقدام کی اطلاع مل رہی تھی۔ قبل اس کے کہ یہ ٹڈی دَل مسلمانوں کے شہر تک پہنچتا، اللہ کے پیغمبرؐ نے چھ دن کے اندر اندر، مشرق سے مغرب کی طرف، شہر مدینہ کے شمال میں پانچ ہاتھ گہری خندق کھدوالی اور تین ہزار مشتاقانِ شہادت کو خندق کے اس طرف لے کر مدافعت کے لیے تیار ہو گئے۔ مدینے پر حملہ صرف اسی جانب سے ہو سکتا تھا کیونکہ دوسری اطراف قدرتی طور پر محفوظ تھیں۔

قائدِ مُسلمین رحمۃ للعالمینؐ نے خندق کو حصّوں میں بانٹ کر کمانڈروں میں تقسیم کر دیا تھا کہ دشمن فوجیں کسی حصّے کو پھلانگنے نہ پائیں۔ ایک حصّے کے کمانڈر حضرت فاروقؓ تھے۔ جس حصّے پر آپؓ مقرر تھے اُس کی اہمیت کے پیشِ نظر اُمّت نے اُسی مقام پر ایک مسجد

بنالی تھی، جو آج تک مسجدِ عمرؓ کے نام سے مشہور ہے۔

ایک دن کافروں نے آپؓ کے حفاظتی حصے پر حملہ کر دیا۔ آپ نے ایسا پُرزور جوابی حملہ کیا کہ وہ تتر بتر ہو گئے یہاں تک کہ آپؓ نے خندق پار کرلی اور دست بدست جنگ کر کے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ایک دن آپؓ جنگ میں اس قدر مصروف رہے کہ نمازِ عصر قضا کے قریب ہو گئی۔ آپ نے اپنے آقا و مولیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ آج کافروں نے مجھے بھی نماز پڑھنے کا موقع نہ دیا۔

صُلح حُدیبیہ میں آپؓ کا کردار

مسلمانوں کو مکّے سے ہجرت کیے ہوئے ۶ سال ہو گئے تھے اور قریش نے اُن کے لیے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اس مدت میں انھوں نے کسی کو حدودِ حرم کے قریب تک پھٹکنے دیا۔ اَدائے حج کے حضورؐ بھی خواہشمند تھے۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ کیا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کا خواب واجب التعمیل ہوتا ہے۔ حضورؐ نے صحابہؓ کو خواب سنایا اور عمرے کے لیے روانگی کا اعلان کر دیا۔ بغیر ہتھیار لیے جانے کا پروگرام تھا۔ چنانچہ ۱۴سو صحابہؓ قربانی کے جانور ساتھ لیے، لبّیک لبّیک کی صدائیں بلند کرتے، اللہ کے رسولؐ کی معیت میں حرمِ مکّہ کی سرحد پر واقع حُدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو پہلے خزاعہ کا سردار بُدیل بن ورقا اور پھر احابیش کا لیڈر حُلیس بن علقمہ آئے اور حضورؐ سے آمد کی وجہ پوچھی، قافلے پر نظر ڈالی زائرین کو احرام باندھے دیکھا اور واپس جا کر کہا "یہ سب طواف و زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اگر اُن کو روکو گے تو صدیوں کے دستور کو توڑو گے اور ہو سکتا ہے کہ اس زیادتی کی وجہ سے بعض قبیلے تمھارے خلاف ہو جائیں"۔ مگر مشرکین اپنی ضد پہ قائم رہے اور کہا "ہم یہ ندامت لینے کے لیے تیار نہیں کہ ہمارے دشمن

اور عمرہ کر کے چلے گئے "۔

ذاتِ اکرمؐ نے ایلچی کے فرائض انجام دینے کے لیے حضرت عمرؓ کو منتخب فرمایا۔ آپؓ نے عرض کیا کہ میرے آقا! مجھے جانے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ مگر میں نے سب سے زیادہ اُن کے ساتھ سخت دعداوت کی ہے۔ میں اُن کا دشمن ہوں اور وہ میرے۔ کسی ایسے شخص کو بھیجیے جس کی قریش کے درمیان عداوت کی خلیج اس قدر گہری نہ ہو، تاکہ اُسے مقصد حاصل کرنے میں میری نسبت زیادہ آسانی ہو۔ اس پر حضرت عثمانؓ کو بھیجا گیا۔ لیکن کافروں نے اُن کی بھی نہیں سُنی بلکہ اُن کو روک لیا۔ اسی دوران یہ خبر اُڑ گئی کہ وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ آں حضرتؐ نے فرمایا "اگر ایسا ہی ہے تو جب تک ہم عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لیں گے، یہاں سے نہیں جائیں گے۔" حضورؐ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہؓ بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ تاریخ نے اس کے لیے "بیعتِ رضوان" کی اصطلاح قرآن کے اس بیان کی روشنی میں وضع کی ہے کہ "اللہ مومنوں سے راضی اور خوش ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔"

حضرت عمرؓ کی فراستِ دینی اور رسالت کی مزاج دانی کا یہ عالم تھا کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ اب دین کا تقاضا کیا ہے اور اس وقت اللہ کے رسولؐ کا رد عمل کیا ہوگا۔ بخاری میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبداللہؓ جا رہے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ حضورؐ جہاد کے لیے عہد لے رہے ہیں۔ وہ بیعت کرنے کے بعد اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو دیکھا وہ تلوار لیے کھڑے ہیں اور گھوڑے کا انتظار کر رہے ہیں۔ عبداللہؓ نے واقعہ بتایا تو اُسی وقت حضرت عمرؓ نے مجمع میں پہنچ کر سرور دو عالمؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

فتح مکہ کے موقع پر آپؓ کا کردار:

ابھی معاہدۂ حدیبیہ کو پورے دو سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ قریش اور اُن کے اتحادی

بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر کے اس معاہدے کو توڑ دیا۔ قریش کے سردارِ اعلیٰ ابوسفیان کو اپنی حماقت کا شدید احساس ہوا، اور ذیقعدہ ۶ ہجری میں دس سال تک لڑائی نہ کرنے کا اقرار کر کے اس نے جو اطمینان حاصل کیا تھا، وہ رخصت ہو گیا۔ گھبرایا ہوا مدینے پہنچا اور تجدید عہد کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار یا انکار میں کوئی جواب نہ دیا تو وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ ۸ ہجری میں اس خدائی نصرت فتح کے موقع پر حضرت عمرؓ کے کردار کی چند جھلکیاں یہ ہیں :

۱۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد ابوسفیان حضرت عمرؓ کے پاس آیا تاکہ آپ کی حمایت حاصل کر کے از سرِ نو معاہدۂ صلح استوار کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "تمھارے دوست نوفل بن معاویہ نے نہ صرف یہ کہ معاہدہ کا احترام نہیں کیا بلکہ تمھاری مدد سے حرم کے اندر پناہ لینے کے باوجود خزاعہ کے کئی آدمیوں کو مار کر خود تمھارے دینِ کفر کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے تم، قریش اور براہِ راست سنگین جرم کرنے والے بنو بکر، سب گردن زدنی ہو۔ میں پوچھتا ہوں، تمھیں جرأت کیسے ہوئی یہاں آنے کی؟"

مکے کی فتح کے موقع پر انسانِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ جب یکایک شہر مکہ کے قریب "مرّ الظہران" میں پڑاؤ کیا اور پوری وادی میں پھیل کر ہر طرف آگ روشن کرنے کا حکم دیا تو قریش ہکا بکا رہ گئے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ صحرائے عرب میں اس قدر انسان تو جمع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ابوسفیان دو سرداروں کو ساتھ میں لے کر دریافتِ حال کے لیے آیا۔ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ انھیں رحم آگیا۔ کہا، آؤ میرے ہمراہ، اطاعت کے جذبہ کے ساتھ امن کی طلب کے لیے۔ وہ ان کے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ وہ اُن دونوں کے ساتھ ہی خیمۂ رسولؐ میں پہنچے اور درخواست کی "حکم دیجیے کہ اس دشمن کا سر اڑا دوں"۔ رحمتِ عالمؐ نے آپؓ کو روکا، اور ابوسفیان کو امان دے

حضرت عباسؓ کے حوالے کیا۔ وہ رات بھر انھی کے خیمے میں رہے اور صبح کو سرکارِ دوعالمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔

۴۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی شکرگزاری کے بے پناہ جذبے کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے۔ اور درِ کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت پُرمعنی اور انقلاب انگیز تقریر فرمائی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ سب بیعت کرنے کے لیے آ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنے آقاؐ کے قریب ہی بیٹھے تھے۔ مردوں کے بعد عورتوں کی بیعت شروع ہوئی۔ وہ مسائل اور سوالات حضورؐ سے پوچھتی تھیں مگر (آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق) بیعت عمرؓ کے ہاتھ (حضورؐ کے لیے) کرتی تھیں۔ یہ بیعت اللہ کے حکم سے اُن چھ گناہوں کے اجتناب سے تھی جن کو سورۂ ممتحنہ کی آیت بارہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

حُنین اور محاصرۂ طائف سے حضورؐ کی واپسی ذیقعدہ کی ابتدائی تاریخوں میں ہوئی۔ آپؐ نے خواتین کو ایک مکان میں مجتمع ہونے کا حکم دیا اور حضرت عمرؓ کو ان سے بیعت لینے کے لیے بھیجا۔

۹ ہجری کے پانچویں مہینے میں خبر ملی کہ قیصرِ روم ہرقل عرب پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اُس کا مقابلہ کرنا، دُنیا کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکر لینا تھا۔ حضورؐ نے اس کے لیے بذاتِ خود اپیل کی، جس کے جواب میں تمام مسلمانوں نے حسبِ حیثیت حصّہ لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنا آدھا مال و اسباب لا کر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔ منافقوں نے اپنی بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ریا اور نمائش کے لیے کیا گیا ہے۔ اللہ کی مزید قُربتیں اور رحمتیں مُیسّر ہوں رُوحِ فاروقؓ کو کہ اُنھوں نے صبر کر لیا مگر اللہ نے سورۂ توبہ کی آیت ۹، میں حضرت فاروقؓ اور اُن جیسے دوسرے مخلص مسلمانوں کی طرف سے یہ جواب دے دیا کہ "اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ باتوں اور غیر ظاہر حالتوں کو اچھی طرح جانتا ہے، اور اُن لوگوں

کو بھی جو برضا و رغبت پیش کش کرنے والے اہلِ ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں بناتے ہیں۔

حضورؐ کی وفات، ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کی نامزدگی:

پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم حج وداع سے واپسی کے بعد ماہِ صفر ۱۱ ہجری میں بخار میں مبتلا ہوئے، اور ۱۳ دن علیل رہ کر، ربیع الاول کے مہینے میں، پیر کے دن، سہ پہر کے آخری حصے میں، وفات فرمائی۔ اسی شب میں انصارِ مدینہ اپنے رئیس حضرت سعدؓ بن عبادہ کی بیٹھک میں مسئلہ خلافت پر تبادلۂ خیالات کے لیے جمع ہوئے۔ اُن کا رُجحان سعدؓ کی طرف تھا۔ صحابہ کبارؓ حضورؐ کے مکان پر تجہیز و تکفین کے انتظام میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے آکر باہر سے حضرت عمرؓ کو پکارا اور انصار کے اجتماع کی خبر دی۔ آپؓ کے علاوہ حضرات ابوبکرؓ اور ابو عبیدہؓ بھی وہاں موجود تھے۔ بعض دُوسرے صحابہؓ کو وہیں چھوڑ کر یہ تینوں حضرت سعدؓ کی بیٹھک میں پہنچے۔ کچھ قیل و قال کے بعد لوگ حضرت ابوبکرؓ کے خیالات سے متفق ہو گئے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بشیرؓ بن سعد نے جو انصار کے قبیلہ خزرج کے سرداروں میں سے تھے، باوجود ابوبکرؓ کے انکار کرنے کے، انھی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بیعت کر لی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کا اِتباع کیا، اور اس کے بعد تمام حاضرین بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔

حضرت ابوبکرؓ کی مُدتِ خلافت سوا دو برس ہے۔ اُنھوں نے جو عظیم الشان کام اس مختصر عرصے میں انجام دیے، ان میں حضرت عمرؓ نے بھی بھرپور اور پُر خلوص شرکت کی۔ اس طرح پہلی خلافت کے کُل ۲۷ مہینوں میں اسلام کو جزیرۂ عرب میں استحکام ہوا۔ سارے فتنے مٹ گئے اور اسلام کا شجرِ طیب ایسے برگ و بار لانے لگا کہ اس کی عافیت انگیز، پُرسکون اور ٹھنڈی چھاؤں میں راحت پانے کے لیے غیر مُلکی قومیں بھی تڑپنے لگیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو دو سال دو مہینے اور ۲۴ دن ہوئے تھے کہ، جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو انھیں بُخار ہو گیا اور کمزوری بہت ہو گئی۔ ان کی طبیعت کو اللہ تعالے نے اس

ارادے پر مائل کر دیا کہ اپنا جانشین منتخب کر جائیں۔ اُن کے خیال میں اس منصب کے لیے حضرت عمرؓ سے زیادہ موزوں کوئی دوسرا نہ تھا۔ لیکن اسلام کے جمہوری عمل اور شورائیت کے احترام کی وجہ سے لوگوں کی رائے لینا بھی ضروری تھا۔

آپؓ نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بلایا اور اُن سے عمرؓ کے بارے میں پوچھا۔ اُنھوں نے کہا "میں اُن کو سب سے افضل سمجھتا ہوں، مگر میرا خیال ہے کہ اُن کے مزاج میں سختی ہے۔" فرمایا "وہ سختی اس لیے کرتے ہیں کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں۔ خلافت کا بوجھ پڑے گا تو سختی خود بخود کم ہو جائے گی۔" پھر حضرت عثمانؓ بن عفّان کو بلا کر اُن سے بھی اس بارے میں تبادلۂ خیالات کیا۔ اُنھوں نے کہا "میری نسبت آپؓ خود اُن سے زیادہ واقف ہیں۔" حضرت ابوبکرؓ نے کہا "عثمانؓ! تم اپنا ذاتی خیال اُن کے بارے میں ظاہر کرو۔" اُنھوں نے جواب دیا "اے نائبِ رسولؐ! میں جہاں تک جانتا ہوں، اُن کا باطن اُن کے ظاہر سے زیادہ اچھا ہے، اور ہم میں سے کوئی شخص اُن کے برابر نہیں۔"

اس کے ایک دو روز بعد حضرت ابوبکرؓ حالتِ اِحتضار (یقینِ موت) میں مبتلا ہوئے تو آپؓ نے حضرت طلحہؓ بن عُبیدُاللہ، حضرت عبدُالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بُلا کر مشورہ کیا اور ان سب حضراتؓ نے آپؓ ہی کے حق میں رائے دی۔ خلیفۂ اوّلؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو بُلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع ہی کیا تھا کہ ضُعف کے سبب غشی طاری ہو گئی۔ چند لمحے تامّل کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ چند لمحوں بعد آپ نے آنکھیں کھولیں اور تحریر پڑھوا کر سُنی۔ حضرت عمرؓ کا نام سُن کر بے اختیار زبان سے اللہُ اکبر نکل گیا اور فرمایا "خُدا تم کو جزا دے۔ تُم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔ اس کے بعد مدینے کے لوگوں کو بُلایا اور اپنے ایک خادم کو وصیت نامہ دے کر کہا کہ باہر جو لوگ جمع ہیں، اُنھیں یہ پڑھ کر سُنا دو۔ آپؓ خود بھی، ایک صاحب کے سہارے، بالا خانے پر چڑھے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"حمد و صلوٰۃ کے بعد۔ السلام علیکم! کیا تم لوگ اُس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں تمھارے لیے خلیفہ مقرر کر دوں؟ میں نے ذاتی طور پر غور کرنے اور اہلِ مشورت سے رائے لینے میں بھی کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے۔ کسی اپنے قرابت دار کو بھی تجویز نہیں کیا ہے۔ میں عمرؓ کو اپنا جانشین بناتا ہوں۔"

حاضرین نے بلند آواز سے کہا "ہم کو منظور ہے۔" اس طرح عوام کی ممکنہ تائید کے بعد آپؓ نے فرمایا "تمھیں چاہیے کہ عمرؓ کا کہا مانو اور اُن کی اطاعت کرو۔"

حاضرین سے خطاب کر کے ابوبکرؓ اپنے کمرے میں واپس آئے اور حضرت عمرؓ کو خلافت کی ذمے داریوں کا احساس دلاتے ہوئے کچھ قیمتی نصیحتیں فرمائیں۔ اُن میں سے چند یہ تھیں:

"عمرؓ! اس بات کو بھی غور سے سنو اور یاد رکھو کہ نفسِ انسانی کا خاصہ ہے کہ اگر اُس کی ایک خواہش پوری کر دی جائے تو پھر وہ زیادہ جوش و قوت کے ساتھ اُس سے زیادہ بڑی اور بُری خواہش کے لیے ہاتھ پاؤں پھیلاتا ہے۔ اس پر ابتدا ہی سے کمند نہ ڈالی جائے اور اِس سلسلۂ خواہشات کو دراز ہونے دیا جائے تو پھر ایک کمزوری دوسری بڑی کمزوری کے لیے اور ایک بُرائی دوسری بڑی بُرائی کے لیے راہ بناتی اور دروازہ کھولتی چلی جاتی ہے۔"

حضرت عمرؓ کی خلافت:

حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے دوسرے دن صبح سے ہوئی۔ نمازِ فجر کے بعد بیعتِ عام ہوئی۔ اُس دن جمادی الثانی کی بائیس تاریخ اور سنہ ہجری ۱۳ تھا، اور شمسی حساب سے ۲۳ اگست ۶۳۴ء۔ جب لوگ بیعت کر چکے تو آپؓ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا:

"عرب کی مثال اُس اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کا مطیع ہو۔ میں سمجھتا ہوں۔

آپ کی اطاعت میں خلوص ہوگا، اور میں یقین دلاتا ہوں کہ میری طرف سے خدمت میں کانٹے پر تُلا ہوا انصاف ملے گا۔ ہر رہنما کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ جماعت (قوم) کو کس طرف، کس راہ پر لے جا رہا ہے؟ میں ربّ کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سب کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔"

ایرانیوں سے جنگیں :

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں عراقِ عجم کا فرماں روا ہرمز ایک مقابلے میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے مارا جا چکا تھا۔ مقام مدار میں سپہ سالارِ ایران قارن، مقام عین التمر میں عقہ اور مقام دومۃ الجندل میں اکیدر شکست کھا چکے تھے۔ دلجہ، حصیح اور فراض وغیرہ کے میدان سر کر کے حضرت خالدؓ مرکزِ خلافت کے حکم سے روم و شام کے محاذ پر چلے گئے تھے اور مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ کچھ فوجیں چھوڑ کر اُن کو قائم مقام بنا گئے تھے۔ اس کے بعد مثنیٰ کے مقابلے میں بہمن جادویہ بھاری فوجوں کے ساتھ بڑے کرّ و فر کے ساتھ بڑھا۔ مثنیٰ کے ساتھ مجاہدین کی تعداد بہت کم تھی، لیکن چونکہ مسلمانوں کی نگاہ مادّی اسباب پر ہونے کی بجائے، مالکِ کائنات کی نُصرت پر ہوتی تھی، اسلامی سپاہ سالار نے شہر بابل کے پاس صف بندی کی۔ ایک اور چھ کی نسبت تھی۔ مسلمان مجاہدین کی کُل تعداد آٹھ ہزار اور ایرانِ کسریٰ کا لشکر تقریباً پچاس ہزار تھا۔ طلوعِ آفتاب کے وقت لڑائی ہوئی اور ایک شدید معرکے کے بعد مسلمان غالب آئے۔ ایرانی پسپا ہوتے ہوئے بھاگ نکلے۔ مثنیٰ نے مدائن تک تعاقب کیا اور پھر حیرہ واپس آ گئے۔

اس لڑائی کے بعد دجلہ کے مغربی کناروں سے لے کر پورا عراق خلافتِ اسلامی کے قبضے میں آگیا۔ اسی دوران شہنشاہِ ایران کے مر جانے سے وہاں سیاسی بُحران پیدا ہوگیا۔ ایران کے کمانڈر ان چیف نے کسریٰ کی بیٹی آرزمیدخت کو تختِ سلطنت پر بٹھا دیا۔ ملکۂ ایران نے اپنے کمانڈروں کا اجلاس بُلایا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے بڑے پیمانے پر

تیاری شروع کر دی۔

سپاہ سالار مثنیٰ کچھ دنوں تک تو مرکزِ خلافت سے احکام اور امداد کا انتظار کرتے رہے۔ پھر بشیر بن خصاصہ کو اپنا قائم مقام بنا کر خلیفہ کی خدمت میں مدینہ پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ کی حالت اچھی نہیں تھی، اور حضرت عمرؓ کا اِستخلاف (خلافت کے لیے نامزدگی) ہو چکا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی جب خلیفۂ اوّل کو معلوم ہوا تو مثنیٰ کو بُلا کر حالات پُوچھے۔ پھر حضرت عُمر سے فرمایا:

"مجھے یقین نہیں کہ آج شام تک زندہ رہ سکوں۔ بہرحال تم کل دن ختم ہونے سے پہلے مثنیٰ کے ساتھ مجاہدین کو ایران کے محاذ پر روانہ کر دینا۔ کوئی دوسری مصروفیت اس اہم ضرورت سے تم کو غافل نہ کرنے پائے۔ عمرؓ! تم دیکھ چکے ہو کہ میں نے اپنے آقا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد اُسامہؓ کو کن حالات میں روم کے محاذ پر بھیجا تھا۔ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اُس وقت ایک ایک مُسلمان اللہ کی طرف سے حالتِ امتحان میں تھا۔"

حضرت ابوبکرؓ اُسی دن انتقال فرما گئے۔ اور دوسرے دن صبح کو مسجدِ نبویؐ میں انعقادِ بیعت کے بعد، عمرؓ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپؓ نے فرمایا:

"کہاں ہیں وہ مہاجرین، جنھوں نے اللہ کے دین کے لیے اپنے دیار اور شہر کو چھوڑا؟ وہ اللہ کے باغیوں اور اسلام کے دشمنوں کی طرف بڑھیں (جنھوں نے اللہ کے بندوں کو اپنا تابع بنا رکھا ہے) وہ اُن زمینوں کی طرف بڑھیں جن پر تمکّن دینے کا اللہ نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے۔ اُس کا وعدہ یہ بھی ہے کہ وہ دینِ اسلام کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کرے گا اور دین کے خادموں کو نصرت و عزّت عطا کرے گا۔

"کہاں ہیں وہ انصار، جنھوں نے اعلیٰ حوصلے کے ساتھ دینِ خداوندی کی مدد کی۔ اللہ کے رسولؐ کی آمد پر اپنی آنکھیں فرشِ راہ کیں، آپ کو اپنے چشم و سر پر بٹھایا اور مُسلمانوں کو وقتی اور ظاہری لاچاری میں اُن کی ایسی پُرخلوص مدد

کی جس کو دیکھ کر خدا خوش ہو گیا۔ اب انصار اُٹھیں، کمر کسیں، اللہ کے لیے آگے بڑھیں کیونکہ اللہ کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ نصرتِ الٰہی اُن کا انتظار کر رہی ہے۔ پس چلو، چلو! اللہ کے نیک بندو چلو!!"

تین دن تک آپ لوگوں کو پکارتے اور ایرانیوں سے جنگ پر اُبھارتے رہے۔ ایک دن محاذِ جنگ سے آتے ہوئے حضرت مثنیٰ بن حارثہ نے بھی تقریر کی، جس میں مسلمانوں اور ایرانیوں کی سابقہ کارروائیوں کا تقابل کر کے بتایا کہ ہم کو اُن پر کس حالت میں اور کتنی فوقیت حاصل رہی ہے۔

جہاد میں شمولیت اور بھرتی کا یہ پروگرام کئی دن سے چل رہا تھا۔ چوتھے روز ابو عبید بن مسعودؓ، جو قبیلہ ثقیف کے ایک نامور و شجاع شخص تھے، جہاد پر جانے کے آمادہ ہوئے اور کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ اُن کے بعد بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبید ثقفی کو سپہ سالار مقرر کیا کیونکہ وہی سب سے پہلے ایرانیوں کے مقابلے پر جانے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ وہ صحابی نہ تھے اور مجاہدین کی جمعیت میں بہت سے صحابہؓ بھی شامل تھے، اس وجہ سے لوگوں کو خیال ہوا کہ ایسے اصحاب کے ہوتے ہوئے ان کو سپہ سالار نہیں بنانا چاہیے تھا۔ مگر حضرت عمرؓ نے ابو عبید کو اس منصب پر برقرار رکھا اور تاکید کر دی کہ تمھارے ساتھ صحابہؓ ہیں اُن کا احترام کرنا، اُن کی بات سُننا اور مشوروں میں شریک کرنا۔

ایران کی نئی حکمران آرزمی دُخت نے فارس کے ایک مشہور و تجربہ کار جنرل رُستم کو کل فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور جنگی مہمات کے تمام اختیارات اُس کے سپرد کر دیے۔ اس نے وزارتِ جنگ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے دیہاتوں میں ہر طرف آدمی بھیج کر لوگوں کو مسلمانوں سے برگشتہ کر دیا۔ انھوں نے بغاوت کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرات کے تمام ساحلی علاقے، جو پہلے اسلامی مقبوضات میں شامل ہو چکے تھے، پھر ہاتھ سے نکل گئے۔

نمارق اور سقاطیہ میں فتوحات :

رُستم نے دو فوجیں نرسی اور جابان کی ماتحتی میں روانہ کیں۔ جابان مقامِ نمارق میں خیمہ زن ہوا۔ ابُوعبید ثقفی کو جیسے ہی خبر ملی، اُنھوں نے فوراً بڑھ کر حملہ کر دیا اور پہلے ہی ہلّے میں اُس کو شکست دے دی۔ جابان بھاگتے ہوئے ایرانی ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ اس پر قبیلۂ ربیعہ کے ایک سپاہی کی نظر پڑ گئی اور اس نے اس کو گرفتار کر لیا۔ جابان نے کہا کہ میں ایک عمر رسیدہ آدمی ہوں اور تمھارے لیے زیادہ مفید نہیں۔ تم اگر مجھے چھوڑ دو اور دو اچھے جوان غلام لے لو، تو تمھارا فائدہ ہے۔ سپاہی نے معاملہ کر کے بالوں کی بٹی ہوئی رسّی سے جابان کو کھولا ہی تھا کہ چند لوگوں کی اُس پر نظر پڑ گئی، وہ اسے پکڑ کر مجاہدین کے سپہ سالار کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس نے فریب دے کر امان لے لی ہے۔ لیکن ہم اپنے دشمنوں کے سردار کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ حضرت ابوعُبید نے کہا "جب ایک مسلمان اس کو امان دے چکا تو اب بدعہدی کسی صورت میں جائز نہیں"۔

ایرانیوں کی یہ شکست خوردہ فوج نمارق سے بھاگ کر کسکر پہنچی اور دوسرے سپہ سالار نرسی کی فوج میں شامل ہو کر دوبارہ مقابلے کے لیے مصروف ہو گئی۔ ابوعبیدہ اُس طرف بڑھے۔ ایرانیوں کی فوج نے سقاطیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی مگر مسلمانوں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکی اور ہزاروں مقتول اور زخمی چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

جسر کی جنگ اور ابُوعُبید کی شہادت :

رُستم ایرانی فوجوں کی مسلسل ناکامیوں سے پریشان تھا۔ بہمن جادویہ، جو بابل کی جنگ میں پچاس ہزار فوجوں کے ساتھ مثنیٰ سے شکست کھا چکا تھا، رُستم کے پاس اپنی کھوئی ہوئی شہرت دوبارہ حاصل کرنے کے خیال سے آیا۔ یہ عربوں کا سخت ترین دشمن تھا۔ رُستم

اس کو دُرفشِ کاویانی[1]، جو ایرانی آتش پرستوں کے عقیدے میں فتح کی علامت تھا اور شاہ فریدوں کے وقت سے بڑے وقت پر برکت حاصل کرنے کے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا، نکال کر دیا۔ بہمن نے فرات کے مشرقی کنارے آ کر پڑاؤ کیا۔ مغربی ساحل پر اسلامی فوجیں تھیں۔ بہمن نے پیغام دیا کہ یا تو تم دریا عبور کر کے اس طرف آ ؤ یا ہم کو اس طرف آنے دو۔ مثنیٰ اور دوسرے سرداروں نے کہا "ہم کو اسی طرف رہنا چاہیے۔" لیکن ابو عُبید شوقِ شہادت اور نشۂ شجاعت میں سرشار تھے۔ کہنے لگے "یہ آگ کے پجاری مسلمانوں سے بازی لے جائیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" انھوں نے کشتیوں کے ذریعے عارضی پُل بنوایا اور مجاہدین نے دریا پار کر کے مروحہ کے مقام پر صف بندی کی۔

ایرانی فوج کے مقدمۃ الجیش (ہراول) کا منظر نہایت مہیب تھا، کیونکہ اُس میں بڑے بڑے دیو ہیکل ہاتھی تھے، جن کے گلوں میں گھنٹے بندھے ہوئے تھے اور سخت ناگوار اور ڈراؤنی آوازیں بجتے تھے۔ سب سے آگے مسلمان سوار تھے۔ اُن کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر ٹھہر نہ سکے۔ مجبوراً وہ گھوڑوں پر سے کود کر پیدل ہو گئے اور انھوں نے ہاتھیوں کے ہودجوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر اُن پر سوار فوجیوں کو خاک پر گرا دیا۔ ابو عُبید بھی اپنے گھوڑے کو آزاد کر کے ایک ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ اُس نے ایک ہی قدم آگے بڑھایا تھا کہ آپ نے پے در پے وار کر کے سونڈ کے کئی ٹکڑے کر دیے۔ ہاتھی درد و کرب میں بل کھاتا اور چنگھاڑیں مارتا پیچھے کو بھاگا۔ کئی اور ہاتھی بھی خوفزدہ ہو کر اُس کے ساتھ بھاگے، جس سے ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ ایک ایرانی کمانڈر محاذ کے اس حصّے کی یہ صورت دیکھ کر آگے بڑھا۔ اُس کے ساتھ کچھ سپاہی بھی تھے جو تیر چلا رہے تھے۔ یہ سب ایک سفید بڑے اور بدمست ہاتھی پر سوار تھے۔ حضرت ابو عبید نے اس سفید پہاڑ کو آتا دیکھ کر بلند آواز سے

---

[1] یہ وہ علَم تھا جس کو فریدوں کو اس کے باطنی پیر نے تیار کر کے دیا تھا۔ اُس کا طول بارہ گز اور عرض اٹھ گز تھا۔ ببر یعنی چیتے کی کھال کا بنا ہوا تھا۔ اس علَم کو صرف کسی خوفناک جنگ میں آگے رکھا جاتا تھا اور یہ کامرانی و نصرت کا پیش خیمہ تصوّر کیا جاتا تھا۔

تکبیر پڑھی اور اُس پر جھپٹے۔ تیر اندازوں نے چاہا کہ قریب پہنچنے سے پہلے ان کا خاتمہ کر دیں مگر ابو عبیدؓ نے بجلی کی تیزی سے سفید ہاتھی کی سونڈ پر ایسا وار کیا کہ وہ کٹ کر دُور جا گری ہاتھی بان نے فوراً نیزے سے وار کیا تو ابو عبید نے پینترا بدل کر اُس کا وار خالی دیا اور پھر ایکبار ہاتھی پر حملہ کر کے آگے کے دونوں پاؤں کاٹ دیے۔ وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے سوا حضرت ابو عبیدؓ کی تلوار کی دھار پر آ کے ہمیشہ کے سو گئے۔

میدان میں ہر طرف اسی انداز سے لڑائی ہو رہی تھی۔ اسی گہما گہمی میں جناب ابو عبیدؓ ایک ہاتھی کی زد میں آ گئے۔ اُس نے اُن کو گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ کر پسلیاں چُور چُور کر دیں ابو عبید ثقفیؓ کی شہادت کے بعد ایرانی بڑھے چلے آ رہے تھے اور مسلمان پیچھے ہٹ رہے بنی ثقیف کے ایک بہادر نوجوان نے یہ رنگ دیکھ کر فرات کے اُس پُل کی رسیاں کاٹ جس کو استعمال کر کے مسلمان مشرقی کنارے پر پہنچے تھے اور جسے کسی جنگی ضرورت اور مصلحت کی خاطر برقرار رکھا گیا تھا۔ مجاہدین پیچھے ہٹتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے تو پُل بہہ چکا تھا لیے تین ہزار مجاہد فرات میں غرق ہو گئے۔ مثنیٰ دیوارِ آہنی کی طرح ایرانیوں اور ان کے ہاتھیوں کے مقابلے پر جم گئے اور ان کو ایک قدم بھی بڑھنے نہیں دیا۔ پُل دوبارہ تیار کرایا اور باقی اسلامی فوج کو پار اُتار لائے۔ فوج ایک تہائی واپس پہنچی۔ نو میں سے صرف تین ہزار۔

اس لڑائی کو تاریخ نے جنگِ جسر کا نام دیا ہے۔ جسر پُل کو کہتے ہیں اور پُل کو اس لڑائی میں فیصلہ کُن حیثیت حاصل رہی ہے۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اس مقابلے میں ایرانی کامیاب رہے، مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔

ایرانی فوجوں کی تعداد ۴۵ ہزار تھی۔ تیس ہزار جوان اور تین سو ہاتھی بہمن جادویہ کے ساتھ، اور پندرہ ہزار سپاہی اور کچھ ہاتھی سپہ سالار جالینوس کے ہمراہ آئے تھے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی کُل تعداد ۹ ہزار تھی۔ دشمن کے مقتولوں کی تعداد چھ ہزار اور اس سے زیادہ تھے۔ مسلمان شہدا کی کُل تعداد ایک ہزار تھی۔ تین ہزار غیر متوقع طور پر پُل ٹوٹ کر

غرق ہو گئے، دو ہزار جانیں بچا کر اِدھر اُدھر چلے جانے میں کامیاب ہو گئے اور تین ہزار پُل بننے کے بعد واپس ہوئے۔ اب آپ خود ہی اندازہ کر لیں کہ کون جیتا اور کون ہارا۔

فرات کے طاس بُویب میں جنگ

جسر کی لڑائی کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت مُثنیٰ کی امداد کے لیے مزید فوجیں بھیجیں۔ آپ رضؓ نے حضرت جریرؓ بن عبدُاللہ کو اُن کے قبیلے کی فوجوں کا اور عصمہ بن عبدُاللہ کو اُن کے قبیلے والوں کا کمانڈر بنا کر مُثنیٰ کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ خود حضرت مُثنیٰ نے بھی عراقی مجاہدین کی فوج منظم کر لی۔ اب یہ لشکر، جس کی تعداد سترہ اٹھارہ ہزار ہو گی، حیرہ کے شمال میں فرات کے مغربی کنارے، مقامِ بویب میں خیمہ زن ہُوا۔

رُستم نے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے مہران کو منتخب کیا۔ اس شخص نے عرب میں پرورش پائی تھی۔ مہران ہمدانی نے بویب کے مغرب میں دریا کے اُس طرف اُتر کر تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا اور کہلا بھیجا کہ یا تو تم دریا پار کر کے اس طرف آؤ یا ہم کو عبور کرنے کی اجازت دو۔ مُثنیٰ نے جواب دیا، ہم ہی آ جاؤ۔ چنانچہ ایرانی دریا عبور کر کے صف آرا ہوئے۔ مُثنیٰ نے مقابلے میں حضرت خالدؓ کے طریقے پر اپنے آدمیوں کو منظم کیا۔

اسلامی فوجوں میں یہ قاعدہ تھا کہ اُن کا سپہ سالار تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا تھا۔ پہلے نعرے پر فوج مُستعد، دوسرے پر آمادۂ پیکار اور تیسرے پر حملہ آور ہوتی تھی۔ حضرت مُثنیٰ نے دیکھا کہ بعض لوگ دوسری ہی تکبیر پر صفوں سے آگے بڑھنے لگے۔ پوچھا، یہ جلد بازی کیوں؟ انھوں نے بتایا کہ جلدی کرنے والے وہ لوگ ہیں جو جنگِ جسر میں بھاگ گئے تھے۔ آج اُس کا کفارہ نقد جان دے کر کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مُثنیٰ نے نیزے کے اشارے سے اُن لوگوں کو دبایا اور کہا "میرے حکم کی تعمیل کرو اور بلا وجہ جانیں نہ دو۔" اُن لوگوں نے عرض کیا "جب تک ہم اپنی جانیں راہِ حق میں دے نہ دیں اس وقت تک گناہ سے پاک نہیں ہو سکتے!" یہ کہہ کر صفوں میں آ گئے اور

جنگ میں انتہائی بے باکی سے لڑ کر جامِ شہادت نوش کر گئے۔

اس مقابلے کو تاریخ میں "جنگِ بُویَب" کا عنوان دیا گیا ہے۔ انتہائی خوفناک مقابلہ تھا۔ ایرانی بڑے جوش و خروش سے لڑے۔ لیکن مسلمان رضائے الٰہی اور ذوقِ شہادت کے نشے میں مست تھے۔ قومی تعصب کا بیمار جذبہ ان کا مقابلہ کیسے کرتا۔ سپہ سالار مُثنیٰ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ ایرانی فوجوں کے میمنہ پر طوفانی حملہ کر دیا اور اُس کو تباہ و برباد کرتے ہوئے دشمن فوج کے قلب تک پہنچ گئے۔ ایرانی مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگنا شروع ہوئے۔ ... نے جوانوں کو حکم دیا کہ پُل توڑ دیئے۔ ایران کی مفرور فوجوں نے پُل کی راہ لی، مگر جب پُل نہ پا ... پلٹے۔ وہاں حضرت جریر بن عبد اللہ پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے پلٹنے والے ایرانیوں کو کاٹنا شروع کیا۔ علامہ خلدون کی تحقیق ہے کہ لاشیں شمار کی گئیں تو ایرانیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ... اور مسلمان شہدا کی تعداد سو تھی۔ ان شہدا میں سپہ سالار حضرت مُثنیٰ کے بھائی مسعود بن حارثہ شیبانی اور خالدؓ بن ہلال شامل تھے۔ مُثنیٰ نے شہدا کی نماز پڑھی اور دل گرفتہ حالت ... سب کو دفن کیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر لاشیں اپنی یادگار نہیں چھوڑیں۔ مدتوں ... تک اُس میدان میں سے گزرنے والے قافلے، قدم قدم پر انسانی ہڈیوں کے ڈھیر اور ... بویب کی لڑائی کی یاد تازہ کرتے رہے۔

جنگِ قادسیہ

اس جنگ کے بعد ایران میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ وزرا اور رؤسا کی پہلی مجلس زرتشت کے مقامِ پیدائش ارمیاہ میں، مُلک اور مجوسیت کے تحفظ پر غور کرنے کے لیے قائم کی گئی۔ دوسری میٹنگ مُلک کے دارالسلطنت مدائن میں ہوئی۔ سیاست دانوں نے کہا "عورت کی حکومت اور آپس کے اختلافات کا یہی انجام ہونا تھا۔" مختصر یہ کہ متفقہ قرارداد کے ذریعے

زمی دخت کو معزول کر کے یزدگرد کو، جو سولہ برس کا نوجوان اور شاہی خاندان کسریٰ ں یہی ایک لڑکا رہ گیا تھا، تخت نشین کر دیا گیا۔ رستم اور فیروز جو عظیم حکومتِ کسریٰ کے ب سے بڑے سپہ سالار تھے مگر آپس کی مخالفت کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کو بدنام رناکام کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے، اس مصیبت کے وقت متحد ہو گئے۔ بڑی تیزی ے ساتھ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں۔ فوجی بھرتی اور دفاعی تربیت کا نظام ھو لاکھ آدمیوں کو تیار کر کے اس پوزیشن میں لے آیا کہ وہ بس مارچ کی اجازت کے منتظر تھے۔ اس رجے وسیع پیمانے پر انتظامات دیکھ کر ایرانیوں کو اب قطعی طور پر یقین ہو گیا کہ عرب مسلمان ب کی ٹکر میں تہس نہس ہو جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ عراق کے سرحدی علاقے، جن کو مسلمان ح کر چکے تھے، باغی ہو گئے اور کسریٰ شہنشاہیت کے بہی خواہ اور وفادار بن کر جو کچھ و سکتا تھا، کرنے لگے۔

حضرت عمرؓ کی دُوررس نگاہیں ایرانیوں پر جمی ہوئی تھیں، اور آپؓ کا بے مثال ذہن ن کے زہر کے لیے تریاق بنانے میں مصروف تھا۔ آپ نے اپنے امیرِ محاذ کو ہدایت روانہ ی کہ کلمے کے علمبردار اور تکبیر پکارنے والوں کو پیچھے مغرب میں عرب کی سرحد کی طرف لے ؤ۔ اس کے بعد جہاد کے لیے اسباب، سامان اور افراد کی فراہمی کے لیے مہم شروع کر دی۔ آپ نے پورے عرب سے قوم کے صاحبِ صلاحیت عنصر کو جس میں شہسوار، خطیب اور دانش ور شامل تھے، مدینے میں طلب کر لیا۔

حضرموت سے حضرت زیادؓ بن لبید انصاری نے ہزاروں افراد پر مشتمل ایک جمعیت بھیجی۔ صنعاء سے حضرت مہاجر بن ابی امیہؓ، طائف سے حضرت عثمانؓ بن ابی العاص، اور بحرین سے حضرت علاءؓ بن حضرمی اپنے اپنے علاقے کے اہلِ کمال کی بڑی بڑی ٹولیاں لے کر آئے۔ ماہِ محرم ۱۴ ہجری میں، جب فاروق اعظمؓ حج کر کے واپس مدینے پہنچے تو صوبوں سے یہ تمام لوگ آ چکے تھے اور امیر المومنینؓ کی آمد پر سلام کے لیے حاضر تھے۔

لشکرِ اسلامی کی تنظیم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس طرح کی کہ مقدمہ لشکر (ہراول) پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو، میمنہ (دایاں حصہ) پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اور میسرہ (بایاں حصہ) پر حضرت عبدالرحمن بن عوف کو مقرر فرمایا۔ چاہتے تھے کہ خود اپنی سپہ سالاری میں فوج کو لے جا کر ایرانیوں سے مقابلہ کریں، لیکن حضرت علی مرتضیٰ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو بہ نفسِ نفیس جانے سے روکا، اور شورائی فیصلے کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس پورے لشکر کا کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان دنوں بنی ہوازن اور ثقیف سے زکوٰۃ کی وصولی پر گئے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کا متبادل انتظام کر کے ان کو بلایا اور اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فنِ حرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام امور اپنے ہاتھ میں رکھے۔ نقشہ جنگ خود بنا کر دیا، آیندہ حالتِ جنگ سے باقاعدہ ہر وقت باخبر رہنے کا اطمینان بخش نظام حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سمجھایا۔ تفصیلات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ مدینے میں بیٹھے لمحے لمحے کی خبروں سے واقف تھے، جیسے قادسیہ کے محاذ پر بالواسطہ کمان آپ رضی اللہ عنہ ہی کر رہے ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کرنے کی اس وقت تک ممانعت کر دی تھی جب تک مرکزِ خلافت سے ان کے پاس حکم نہ پہنچ جائے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ پڑھ کر قدم رکاب میں رکھا۔ عاصم بن عمرو تمیمی نے اشارہ پا کر لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ سترہ منزلیں طے کر کے لشکر ثعلبہ پہنچا۔ امیرِ لشکر سعد رضی اللہ عنہ نے شمار کرایا، تعداد تیس ہزار تھی، کچھ مزید آگے بڑھے تھے کہ قاصد سے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حکم ملا "قادسیہ پہنچ کر فروکش ہو۔" اس مقام سے ایران کا دارالسلطنت مدائن صرف تین منزل (۳۵ یا ۳۶ میل) رہ جاتا ہے۔ قادسیہ پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت مثنیٰ موضع ذیقار میں آٹھ ہزار فوج کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ معرکہ جسر میں ان کو کچھ زخم لگے تھے جو روز بروز بگڑتے گئے اور بالآخر وہی وفات کا باعث ہوئے۔ اس خبر کے بعد

مثنیٰ کے بھائی مُعنیٰ بن حارثہ تشریف لائے اور جو مشورے حضرت سعدؓ کے لیے وہ دے گئے تھے، جناب مُعنیٰ نے اُنھیں پہنچایا۔ حضرت مثنیٰ کی وفات سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص درپردے اسلامی لشکر کو سخت صدمہ پہنچا، کیونکہ اُن کی شہادت سے اسلامی لشکر ایک تجربہ کار مجاہد اور سپہ سالار سے محروم ہو گیا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا نظامِ پیغام رسانی بڑا معقول، بڑا فعّال اور بڑا مؤثر تھا۔ مدینے سے قادسیہ تک اُنیس یا بیس چوکیاں قائم کی گئیں۔ ہر چوکی پر چار چار شہسوار مقرر تھے جو پیغام لے کر تیز رو گھوڑوں پر اپنی چوکی سے دوسری چوکی تک پہنچاتے تھے۔

خلیفہ کا حُکم ملا کہ قادسیہ کی سرزمین اور ایرانی فوجوں کی تعداد اور دوسری تفصیلات لکھو، کیونکہ میں نے بعض ضروری ہدایتیں اسی وجہ سے ابھی نہیں دی ہیں۔" اس کے جواب میں حضرت سعدؓ نے اپنی فرودگاہ اور موقعِ جنگ وغیرہ کے مفصّل حالات تحریر کیے اور یہ بھی لکھا کہ آرمینیہ کا رئیس رُستم مجوسیوں کی فوج کا سپہ سالار ہے اور مقامِ ساباط میں خیمہ زن ہے۔

حضرت عمرؓ کا حکم ملا کہ جنگ سے پہلے چند مُمتاز اہلِ دانش و تدبیر کو دربارِ ایران روانہ کرو تاکہ وہ اُن کو اسلام کی دعوت دیں۔ اس کی تعمیل میں حضرت سعدؓ نے چودہ منتخب مسلمانوں کو ایران کے دارالسلطنت مدائن روانہ کیا۔ یہ خداشناس و حکمت مآب لوگ اپنی چھاؤنی سے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ۳۰ میل چل کر عین قصرِ شاہی کے پاس رُکے۔ نوعمر بادشاہ کو معلوم ہوا تو اُس نے اپنی عقل کے مُطابق عرب سفیروں کو مرعوب کرنے کے لیے دربار کو مزید آراستہ کرایا اور پھر ان حضرات کو بُلایا۔ یہ بناوٹ اور سجاوٹ سے قطعی بے نیاز، سادگی پسند لوگ، عربی جُبّے پہنے، کاندھوں پر چادریں ڈالے، ہاتھوں میں کوڑے لیے، پیروں پر موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلی لڑائیوں اور اُن کے انجام سے ایران کے خاص و عام پر عربوں کی دھاک بیٹھ چُکی تھی۔ عرب سفیروں کو اس ہیئت

میں دیکھ کر ارکانِ سلطنت اور بادشاہ پر خوف طاری ہو گیا۔ ترجمان کے توسط سے گفتگو شروع ہوئی:

بادشاہ نے پوچھا "تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟"

نعمان بن مقرن جو سفارتی وفد کے لیڈر تھے، جواب دینے کے لیے آگے بڑھے اور کہا "ہم دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ یعنی اسلام لاؤ یا جزیہ دو۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو ہم کتاب اللہ تمھارے حوالے کریں گے۔ وہ تمھاری انفرادی و اجتماعی زندگی اور اُس کے معاملات کے لیے آئین ہو گا۔ پھر تم سے ہمارا تعلق برادرانہ ہو گا۔ اور اگر جزیہ دے کر ہماری حمایت میں آ جاؤ تو یہ صورت بھی ممکن ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں نامنظور کر دو گے تو پھر تیسری صورتِ جنگ ہے اور ہمیں مجبور ہو کر اُس کو اختیار کرنا پڑے گا۔"

بادشاہ نے کہا "گزشتہ حالت کو یاد کرو۔ تم میں سے جب کسی نے سرکشی کی، ہمارے سرحدی رئیس نے اُسے ٹھیک کر دیا۔ تمھیں اپنی قومی و ذاتی حالت سے بھی واقف رہنا چاہیے۔ بتاؤ دُنیا بھر میں کوئی قوم تم سے زیادہ کمزور، منتشر اور بدبخت تھی؟ ہم سے لڑنے کا خیال دل سے نکال دو۔ دو چار کامیابیاں، جو اتفاق سے تمھیں میسر آ گئی ہیں، اُن سے دھوکا نہ کھاؤ۔"

یہ سُن کر وفد کے ایک رُکن حضرت مُغیرہؓ بن زرارہ کو تھوڑا سا طیش آ گیا۔ وہ بول اُٹھے "ہم شرفائے عرب ہیں اور اسلامی ریاست کی نمایندگی کرتے آئے ہیں۔ حلم و وقار کی وجہ سے بسیار گوئی پسند نہیں کرتے۔ آپ نے ہمارے ماضی کے بارے میں جو کچھ کہا، وہ صحیح ہے لیکن جب سے عرب میں اللہ کے رسولؐ آئے ہیں انھوں نے اپنی تعلیم و تربیت سے عرب کے لوگوں کو بدل دیا ہے۔ اس وقت ہمیں اپنی یا آپ کی تاریخ نہیں بیان کرنی ہے، وہی پیغام دینا ہے جس کے تین پہلو ہیں، پہلا ہم آپ کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، دوسرا جزیہ چاہتے ہیں، جس کے صلے میں تمھاری حفاظت کریں گے، تیسرا تلوار اُٹھاؤ اور میدان میں آ جاؤ۔"

بادشاہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ بولا "اگر سفیروں کا قتل ناجائز نہ ہوتا تو میں کسی ایک
ۃ نہ چھوڑتا۔ جاؤ! میں تمھاری کچھ نہیں سنتا۔ اپنے سردار سے کہنا کہ رستم آرہا ہے۔ وہ تم کو
مارے ساتھیوں سمیت قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔"
رستم کے پاس اُس وقت ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی۔ وہ مقامِ ساباط سے بڑھ کر
ت میں خیمہ زن ہو گیا۔ اسلامی سپہ سالار حضرت سعدؓ نے مرکزِ خلافت کی ہدایت کے
طابق بہت سے جاسوس غنیم کی فرودگاہ میں چھوڑے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک
اسوس طلیحہ نے رات کے وقت وہاں ایک اچھا گھوڑا بندھا ہوا دیکھا۔ اُنھوں نے
سے کھولا اور سوار ہو کر چل دیے۔ یہ ایک فوجی افسر کا گھوڑا تھا۔ وہ اپنے ساتھ دو
سواروں کو لے کر اُس کی تلاش میں نکلا۔ گھوڑے پر سوار طلیحہ پر نظر پڑی تو پاس جا کر نیزہ مارا۔
نھوں نے وار خالی دیا اور پھرتی کے ساتھ پلٹ کر اُس کے سینے پر وار کیا جس سے وہ
ہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر اُس کے ساتھیوں میں سے بھی ایک کو قتل کر کے دوسرے کو پکڑ لائے۔
ہ سمجھ دار آدمی تھا۔ اُس نے دل میں سوچا کہ اتنے تجربہ کار اور بہادر کو طلیحہ نے جس انداز
سے مارا ہے، یہ ایک عجیب واقعہ ہے۔ وہ اِس واقعے کو بنیاد بنا کر سوچتا رہا اور پھر اس
نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کو تائیدِ غیبی حاصل ہے۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اور اس کا نام
مُسلم رکھا گیا۔ ایران کی دفاعی طاقت اور مخفی حالت اس کے ذریعے سعدؓ کو معلوم ہو گئی۔
رستم نے مسلمانوں کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ مصالحت کے لیے کسی کو بھیجا جائے۔ مسلمانوں کو
خون بہانے کی نہیں، صلح و خیر کے لیے ہاتھ بڑھانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت سعدؓ نے
اس مرتبہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو بھیجا۔ اس دن رستم نے اپنے خیمے کو سجانے میں کوئی کسر نہیں
اُٹھا رکھی۔ دیبا اور سنجاب کا فرش بچھایا گیا، جی حضوری کرنے والے بڑے بڑے افسر سروں
پر زرکار ٹوپیاں پہنے، ترتیب سے لگی ہوئی کرسیوں پر بیٹھے، منصب دار، منتظم اور خدمت گار
خاص لباسوں میں دو رویہ پرے جمائے کھڑے تھے۔ اتنے میں بوسیدہ کپڑے پہنے، نیام میں

تلوار حمائل کیے، دوسرے پہلو میں ترکش لٹکائے، سیدھے ہاتھ میں کمان سنبھالے، سینہ تانے اور نظریں اُٹھائے ہوئے ایک شخص خیمے کے دروازے پر آیا، گھوڑے سے اُتر کر سیدھا اندر گیا اور مسند پر رُستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا۔ یہ حضرت مغیرہؓ تھے۔

انسانیت کو اُونچ نیچ کے خانوں میں بانٹنے والے مغیرہؓ کی اس گستاخی پر برہم ہو گئے۔ چوبداروں کے ایک طائفے نے بڑھ کر آپؓ کو مسند سے اُتار دیا۔ مغیرہؓ نے افسرانِ دربار سے خطاب کر کے کہا "میں خود نہیں آیا، تمھارے بلانے پر آیا ہوں۔ کیا بلائے ہوئے مہمان کے ساتھ ساسانی تہذیب یہی سلوک کرتی ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو اس کو میرا اسلام ہے۔ ایسی تہذیب سے دوچار ہونے کے لیے میں خود کو پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسلام کی تہذیب نے انسانوں کو ایک انسان کی بندگی سے نجات دلادی ہے۔" ترجمانی کرنے والے آدمی کا نام عبُود تھا۔ حیرہ کا رہنے والا یہ شخص دونوں زبانوں کا ادیب تھا۔ اس نے ترجمہ کیا، سارے لوگ تھوڑی دیر کے لیے نادم ہو گئے۔ رُستم خود اُٹھ کر آیا اور حضرت مغیرہؓ کو لے جا کر اپنے قریب بٹھایا۔ اُس نے مغیرہؓ کے ترکش سے چند تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا "اِن تنکوں سے کیا ہوگا؟" مغیرہؓ نے جواب دیا "اس کا انحصار چلانے والے ہاتھوں پر ہے۔" یہ کہہ کر مغیرہؓ نے اپنے دونوں ہاتھ رُستم کی طرف بڑھائے۔ وہ پیچھے کی طرف ہٹ گیا اور مغیرہؓ مسکرانے لگے۔

رُستم نے تھوڑی دیر کے بعد اُن کی تلوار کے نیام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "کس قدر بوسیدہ ہے۔" مغیرہؓ نے جواب دیا "ہاں، لیکن یہ ایک اضافی اور بے کار چیز ہے، اصل تو تلوار ہے، اور اُس پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔" اس کے بعد اصل موضوع پر باتیں شروع ہوئیں۔ رُستم نے کہا "سمجھ دار آدمی ہو۔ اپنے سپہ سالار کو، جو کچھ یہاں دیکھا ہے، بتا دو گے اور پہاڑ سے ٹکر لینے کا مشورہ نہیں دو گے۔" مغیرہؓ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اگر اسلام میں آنا یا جزیہ دینا قبول نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا۔ اُس وقت

ؤم ہو جائے گا کہ پہاڑ سے کون ٹکرایا ہے۔" مغیرہؓ چلے آئے اور اس بار بھی کوئی نتیجہ نکلا۔

آخر کار محرم ۱۴ ہجری میں، حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت کے بموجب، دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایرانیوں کے پیچھے نہر عتیق اور مسلمانوں کے پس پشت خندق تھی۔ اتفاق سے ان دنوں حضرت سعدؓ عرق النسّاء کے درد میں مُبتلا ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس وجہ سے وہ میدانِ جنگ کے کنارے ایک قدیم قصر کے بالا خانے پر بیٹھ کر فوجوں کو لڑا رہے تھے۔ خالد بن عرفطہ کو نیچے کھڑا کر دیا تھا۔ حکم لکھ کر کاغذ کی گولی بناتے اور نیچے پھینک دیتے۔ خالد اُس کے مُطابق کمانڈروں کو ہدایت پہنچا دیتے۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت سعدؓ نے تین تکبیریں کہیں اور حملہ شروع ہوا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک مجاہد، جو قبیلہ اسد سے تھے، اور ان کا نام غالب بن عبداللہ تھا، فارس کے ایک شہزادے ہُرمز کو لڑائی میں مغلوب کر کے پکڑ لائے۔ اس کو حضرت سعدؓ کے پاس کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں ایرانیوں کا ایک افسر آگے بڑھا اور مسلمانوں کو للکارا۔ اس کے مقابلے میں فوراً عمروؓ بن معدی کرب گئے۔ آناً فاناً عمروؓ کا نیزہ اُس کے سینے کے پار ہو گیا۔ رُستم نے ایرانیوں کی کمزوری کو محسُوس کر لیا اور ہاتھیوں کو آگے بڑھایا۔ مُسلمان سواروں کے گھوڑے بھاگنے لگے۔ سعدؓ نے قبیلہ اسد کے کمانڈر طلیحہ سے کہا کہ ہاتھیوں کو روکو۔ طلیحہ اپنی فوجوں کے ساتھ نیزے لے کر ہاتھیوں پر پل پڑے۔

دوسری طرف قبیلہ تمیم کے سپاہیوں نے، جو تیر اندازی اور نیزہ بازی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، حضرت سعدؓ کا اشارہ پاکر فیل نشینوں کو گرا دیا۔ ہودج اور عماریاں اُلٹ دیں۔ رات کے اندھیرے تک جنگ جاری رہی۔ یہ قادسیہ کا پہلا مقابلہ تھا۔ عرب تاریخ نگار اس کو "یومُ الارماث" کہتے ہیں۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ کے حکم سے وہ آٹھ ہزار فوج شام کے محاذ سے واپس آگئی

بے جنہیں حضرت خالدؓ بن ولید اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اِس فوج کے قائد سعدؓ کے بھتیجے
بن عُتبہ تھے۔ عربوں نے اس روز کئی سو اُونٹوں کو جھولیں اور بُرقعے پہنا کر ایسا مُہیب
دیا کہ وہ جس طرف رُخ کرتے، ایرانی گھوڑے بھاگ جاتے۔ یہ اُن کے ہاتھیوں کا جوا
تھا۔ آج ہراول کے کمانڈر قعقاع تھے۔ اُنھوں نے میدان میں نکل کر پُکارا "ایرانیو!
جو سب سے بہتر ہو، وہ مقابلے میں آئے!" ایرانیوں کا سپہ سالار بہمن جادویہ، جو معر
جسر میں چیف کمانڈر تھا، مقابلے کے لیے نکلا۔ قعقاعؓ کو جسر کے مسلمان شُہدا کی یاد تا
ہو گئی۔ کہا، تُو نے ہی ابوعُبید جیسے بے نظیر بہادر کو ہاتھیوں سے بھڑایا تھا۔ یہ کہہ کر جذ
کی طُغیانی میں اُس کی طرف بڑھے۔ اُس نے وار کیا۔ قعقاعؓ نے پینترا بدلا۔ اُس کا وا
خالی گیا۔ ابھی وہ دوسری سانس بھی نہ لینے پایا ہو گا کہ حضرت قعقاعؓ کی تلوار اس کی گرد
کاٹتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے بعد سیستان کا والی شہر براز اعوان بن قطبہ کے ہاتھوں مارا گ
۔ بزرجمہر ہمدانی ایران کے مشہور بہادروں میں تھا۔ رُومیوں سے جنگ
میں اُس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ وہ قعقاع کو دعوتِ مُبارزت دیتا ہوا بڑ
قعقاعؓ نے اُس کو اپنے نیزے کی انی سے واصلِ جہنم کیا۔
دُوسرے دن، جب کہ شدید گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، حضرت عُمرؓ کے قاصد پہنچ
تحریری ہدایات اور حضرت سعدؓ کو نقشے دے کر میدانِ جنگ میں آئے۔ قعقاعؓ نے پکا
کہا "اللہ کے مجاہدو! امیر المومنینؓ نے یہ انعام اُن لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سک
یہ اعلان سُن کر چار کمانڈر، حمال بن مالک، ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد اور عاصم بن عمرو آگ
بڑھے۔ ان حضرات کو ایک ایک تلوار عنایت کی گئی اور قبیلۂ یربوع کے چار بہادروں
گھوڑے۔ اس کے بعد ان حضرات نے اپنے جوانوں کو ساتھ لے کر غنیم پر حملہ کیا تو انھیں آہ بُ
کا موقع بھی نہ ملا۔ زہرہ بن حیوۃ نے ایرانیوں کے نائب سالار جالینوس کو قتل کر دیا۔
حضرت ابُو محجن پیدائشی شُجاع تھے۔ ان کو شراب نوشی کے الزام میں حضرت سعدؓ نے

اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا اور سامنے میدان میں حق و باطل دست و گریبان تھے۔ وہ یہ منظر دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔ زوجہ سعدؓ سے کہا "خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ میں حق کے لیے لڑوں گا۔ اگر زندہ بچا تو واپس آ کر پھر بیڑیاں پہن لوں گا۔" ان نیک بیوی کا نام حضرت سلمیٰ تھا۔ انھوں نے انھیں چھوڑ دیا۔ وہ سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ نیزہ ہاتھ میں لیا اور دشمنِ اسلام کو للکار کر اس طرح اُن پر ٹوٹے کہ صفیں توڑ دیں۔ لڑائی کا سلسلہ تیسرے دن تک دراز ہو گیا۔ بالآخر دوپہر تک ایرانی فوج کے دونوں بازوؤں نے شکست کھائی۔ پھر مسلمانوں نے اُن کے قلب پر دباؤ ڈالا درفشِ کاویانی چھین لیا۔ ایرانیوں کے سب سے بڑے ماہر جنگ اور مایۂ ناز بہادر رُستم کو ہلال بن عرفہ نے قتل کر دیا۔ تقریباً ۳۵ ہزار ایرانی قادسیہ میں مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد علیحدہ تھی۔ مسلمان شُہدا آٹھ ہزار تھے۔

اس لڑائی کے بارے میں حضرت عمرؓ بہت فکرمند تھے۔ ہر روز صبح کو مدینہ شہر سے نکل کر عراق سے آنے والی راہ پر چل پڑتے یا قاصد کے انتظار میں کہیں بیٹھ جاتے۔ جس روز تیز رو شتر سوار فتح نامہ لے کر پہنچا تو مدینے کے باہر راستہ ہی میں حضرت عمرؓ اُس سے ملے اور حالات پُوچھنے لگے۔ جو کچھ آپؓ پُوچھتے وہ اُس کا جواب دے دیتا۔ آپؓ اس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے امیر المومنین کہہ کر سلام کیا۔ اُس وقت قاصد کو معلوم ہوا اور اُس نے کہا "امیر المومنینؓ! اللہ ہم پر رحم کرے۔ آپ نے مجھے بتلایا کیوں نہیں کہ میں اُتر کر سلام کرتا، سپہ سالار کا تحریر کردہ مُژدۂ فتح پیش کرتا اور اپنی سانڈنی پر سوار کر کے خود پیدل چلتا۔" آپؓ نے فرمایا "کچھ ہرج نہیں۔ تم سلسلۂ کلام نہ توڑو۔" اس کے بعد مجمعِ عام میں حضرت سعدؓ کا فتح نامہ پڑھ کر سُنایا۔

ایران کی شہنشاہیت مُسلمانوں کے قدموں میں :

اُبلہ کے قصبے میں ایرانیوں کی ایک بڑی چھاؤنی تھی۔ وہاں سے اسلامی علاقوں پر

حملے کا امکان تھا۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظمؓ نے عتبہ بن غزوان کی قیادت میں کچھ فوج اُس طرف بھیجی۔ انھوں نے ۱۴ ہجری میں اسے فتح کر لیا۔ آپ نے وہاں شہر بصرہ بسا دیا جو بڑی فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔

سعدؓ نے قادسیہ میں دو مہینے آرام کیا۔ اس اثنا میں قدیم شہر بابل میں ایرانی فوجیں جمع ہو گئیں۔ اُن کا سپہ سالار فیروز تھا۔ حضرت سعدؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے ایک ہی حملے میں ایرانیوں کو شکست دے دی۔ اہلِ بابل نے اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد ساسانی خاندان کا سپہ سالار شہر یار مقام کوثی میں آکر خیمہ زن ہوا۔ اس کے مقابلے پر، چند ہزار فوجوں کے ساتھ، حضرت سعدؓ نے ایک غلام نابل کو بھیجا۔ اُس نے شہر یار کو قتل کر دیا جس کے بعد ایرانی فوج بھاگ گئی۔

شہنشاہِ ایران یزدگرد کو اپنی ریاست کا زوال نظر آنے لگا تو اس نے دارُالسّلطنت مدائن سے سینکڑوں برس کے جمع شدہ ذخیرے منتقل کرنا شروع کر دیے۔ حضرت سعدؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر دریائے دجلہ، جو اُن دنوں طغیانی پر تھا، راستے میں حائل تھا۔ آپ نے نَسْتَعِيْنُ بِاللهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھا اور دجلہ کے تیز دھارے میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ اس کے بعد سارے مجاہدین نے ایسا ہی کیا۔ اللہ پر مسلمانوں کے بھروسے کی شان دیکھو، دریا موجیں مار رہا تھا۔ اسلامی سپاہی رکاب سے رکاب ملائے ذکرِ خداوندی کرتے ہوئے بلا تکلف پار اُتر گئے۔ ایرانی کنارے پر کھڑے یہ حیرت ناک منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ بے اختیار چلّا اُٹھے "دیواں آمدند!" (دیو آگئے) یزدگرد اپنی بیگمات کو لے کر حلوان کی طرف بھاگ گیا۔ اہلِ مدائن نے اطاعت قبول کر لی۔ مسلمانوں نے بادشاہ کے قلعے میں دو رکعت شکرانے کی نماز پڑھی۔ جمعے کی نماز بھی حضرت سعدؓ نے وہاں پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو ایران کی سرزمین میں خاص ایوانِ کسریٰ کے اندر پڑھا گیا۔

اب ہم حق و باطل کی اس معرکہ آرائی کے بیان کے بعد ان جنگوں کے کچھ واقعات

بیان کرتے ہیں جو عرب کے شمال و مغرب میں مسلمانوں اور رومیوں کے مابین ہو رہی تھیں۔

رومیوں سے جنگیں :

فلسطین میں واقوصہ کے مقام پر ۱۳ ہجری کے اوائل میں ایک جنگ ہوئی تھی جو جنگِ یرموک کے نام سے مشہور ہے۔ اس سلسلے میں صحابہؓ کے بے مثال کارناموں کا ذکر ہم عہدِ صدیقی میں کر چکے ہیں۔ جنگِ یرموک کی شاندار فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے دمشق کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر شرقِ اوسط کی کنجی تصوّر کیا جاتا تھا۔ گویا اس پر قبضہ کرنا آس پاس کے ملکوں پر فتح کی علامت تھا۔ شہرِ پناہ مربّع سرخ پتھروں کی بنائی گئی تھی۔ اس کی اونچائی ۴۴ فٹ اور موٹائی ۱۸ فٹ تھی۔ اسلامی لشکر کے بڑے بڑے سردار ایک ایک دروازے پر فوجوں کے ساتھ متعین ہو گئے۔ فصیل کے ساتھ لگی ہوئی ۱۵ فٹ گہری اور اسی قدر چوڑی چاروں طرف پختہ خندق تھی جو ہر وقت پانی سے لبریز رہتی۔

حضرت خالدؓ پانچ ہزار فوج کے ساتھ باب الشرق پر تھے۔ فتح کی دھن میں رات کو بہت کم سوتے اور فصیل کی نہر کا بار بار جائزہ لیتے رہتے۔ ایک رات اُن کو معلوم ہوا کہ دمشق کے بطریق (مذہبی پیشوا) کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور مسیحی اہلِ شہر جشن منانے میں مست ہیں۔ آپ نے موقع غنیمت جان کر نہر کو مشکوں کے ذریعہ عبور کیا اور پھر رسّی کا زینہ بنا کر فصیل پر چڑھ گئے۔ آپ کے ساتھ چند دوسرے مجاہدین نے بھی ایسا ہی کیا۔ انھوں نے اندر کی طرف اُتر کر دربانوں کو قتل کیا، پھر شہر پناہ کا دروازہ توڑ دیا اور مسلمان اندر گھس گئے۔ رومی افسروں نے اُس وقت بڑی حکمت سے کام لیا۔ وہ فوراً اُس دروازے پر پہنچے جس پر حضرت ابوعبیدہؓ تھے اور اُن سے صلح کر لی اور اسلامی سپاہ کے لیے دروازہ کھول دیا۔ ایک طرف سے حضرت خالدؓ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور دوسری جانب سے ابوعبیدہؓ۔ اُن کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت خالدؓ فاتح

کی حیثیت سے دمشق میں داخل ہو گئے ہیں۔ وسط شہر میں دونوں آ کر ملے تو بھید کھلا۔
بہرحال رجب ۱۴ھ ہجری میں دمشق مسلمانوں کے زیرِ اطاعت آیا۔

فحل کی فتح :

رومیوں کے مقابلے پر جو محاذ کھلے تھے اُن پر حضرت ابوعبیدہؓ کمانڈر ان چیف تھے۔ اُن کے پاس حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ مُلک اُردن کی تسخیر کے لیے اب شہر فحل (رومی نام سلا) پر اقدام کرو۔ حضرت عمرؓ الغرض کاردبار، اسلام سے پہلے ان سب ممالک میں آتے رہے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ فلسطین میں رومیوں کے چار جنگی مرکز ہیں فحل، اجنادین، قیساریہ اور بیت المقدس۔ چونکہ دمشق میں ناکامی کے بعد اب رومی بیسان[1] میں جمع ہو رہے تھے، اس لیے بھی مسلمان مجاہدین کا مستقر فحل ہی ہو سکتا تھا۔

حضرت ابوعبیدہؓ مجاہدین کو اپنی قیادت میں لے کر فحل میں ٹھہرے۔ بیسان کے رومی فوجیوں نے اس ڈر سے کہ کہیں مسلمان دفعتہً نہ آ پڑیں، قرب و جوار کی تمام نہروں کے بند توڑ دیے جس کی وجہ سے فحل اور بیسان کا تمام علاقہ زیرِ آب آ گیا۔ مسلمان دین کے دشمنوں سے نمٹنے کے لیے نہ اُونچے پہاڑوں کی پروا کرتے تھے، نہ سمندروں کی گہرائی اور دریاؤں کے تیز دھارے کی۔ انھوں نے اُسی حالت میں حملے کا فیصلہ کیا۔ رُومیوں کے مُخبروں نے انھیں اطلاع کر دی تو اُنھوں نے گھبرا کر ابوعبیدہؓ سے سفارت بھیجنے کی استدعا کی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت معاذ بن جبلؓ رومی سپہ سالار کے خیمے پر پہنچے تو دیکھا کہ دیبا کا زرّین فرش بچھا ہوا ہے۔ آپ نے اُس کے سرے کو پلٹ دیا اور برہنہ زمین پر بیٹھ گئے۔

---

[1] خلافتِ راشدہ کے زمانے میں اُردن فلسطین کا ایک حصہ تھا اور اس کا صدر مقام طبریہ۔ شہر طبریہ کے مشرق میں ایک ۱۲ میل لمبی جھیل ہے۔ اس کو جھیل طبریہ کہتے ہیں۔ بیسان اس جھیل کے جنوب میں ۱۸ میل پر ہے۔ فحل کا فاصلہ طبریہ سے شمال و مشرق کی سمت میں ۸ میل ہوگا۔

سپہ سالار سکلار نے کہا، آپ ہمارے لیے محترم ہیں۔ فرش پر بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا "تمہارے احترام کا شکریہ، مگر میں اُس فرش پر کیسے بیٹھوں جو غریبوں کا حق مار کر تیار ہوا ہے۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا "میں مسلمانوں کا سفیر ہوں۔ ہمارے سفیروں کا قاعدہ ہے کہ گھما پھرا کر باتیں نہیں کرتے، نہ وقت ضائع کرتے ہیں۔ تم دل سے کدورتیں نکال کر میرا پیغام سنو اور مناسب جواب دو۔" پوچھا گیا "بتایئے۔" معاذؓ نے فرمایا "اسلام قبول کرکے اللہ کی بندگی اختیار کرو اور اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ نہ بناؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے امیر المومنین کے ہیں۔ اگر اس پر تیار نہیں ہو تو ہمارے سیاسی طور پر مطیع ہو کر جزیہ ادا کرتے رہو۔ اس کے بدلے میں ہم تمہاری جان کی حفاظت کریں گے اور تمہاری حکومت سے تعرض نہیں کریں گے۔ یہ دونوں باتیں نہ مانو گے تو ہم دونوں کے درمیان تلوار فیصلہ کر دے گی۔" رومی سردار نے کہا "ہم مصالحت کے لیے یہاں تک جا سکتے ہیں کہ بلقا کا پورا ضلع اور اُردن کا وہ سارا حصہ جو تمہاری سرحدوں سے ملا ہوا ہے، تم کو دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمہارے جوانوں میں سے ہر ایک کو دو دو اشرفیاں بھی دیں گے۔ یہ جواب سن کر حضرت معاذؓ یہ کہتے ہوئے چلے آئے کہ ہمارے یہاں رشوت نہیں چلتی۔

حضرت عمرؓ کی اطلاع کے لیے مدینے قاصد دوڑائے گئے۔ آپؓ نے فرمایا، اتمام حجت ہو گیا۔ اب دین کی اشاعت میں رخنہ ڈالنے والوں سے لڑو۔ چنانچہ ذیقعدہ ۱۴ھ مطابق ۶۳۵ عیسوی کو جنگ ہوئی جس میں رومی عیسائی تباہ اور مسلمان فتح مند ہوئے۔ فحل پر قبضہ تمام اُردن پر قبضہ ثابت ہوا کیونکہ اُس کے تمام شہر اور علاقے بہت آسانی سے فتح ہو گئے۔

اجنادین کی فتح

سیدنا حضرت ابوبکرؓ کے حالات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ آپ نے صحابہؓ سے

مشورہ کر کے ۱۲ ہجری کے آخر میں چار سپہ سالار علیٰحدہ علیٰحدہ فوجوں کے ساتھ شام پر حملے کے لیے بھیجے تھے۔ اُن میں حضرت عمروؓ بن عاص کو فلسطین کی تسخیر کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ لیکن رومی عیسائیوں سے جنگی کش مکش کے آغاز ہی میں حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ حضرت عمروؓ کو اپنا کام مؤخر کرنا پڑا۔ اب حضرت عمرؓ نے ۱۵ ہجری میں اُن کو اَجنادَین[1] پر کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ مرکزِ خلافت میں کچھ اصحابؓ نے کہا "وہاں ایک فریب کار اور دھوکے باز رومی سپہ سالار ارطبون مقرر ہے۔"
امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ہلکے سے تبسّم کے ساتھ جواب دیا کہ رومی ارطبون کے مقابلے میں ہمارا عربی ارطبون پہنچے گا۔ دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے۔ ابنِ عاصؓ بھی تدبّر، حکمت اور سیاسی چالیں چلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

عمروؓ بن عاص نے اچانک پہنچ کر حملہ کیا۔ اگرچہ رومی فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر وہ مقابلے میں نہ ٹھہر سکی۔ اس نے فصیل کے دروازے سے شہر میں گھُس کر دروازہ بند کر لیا۔ مسلمان بہت دنوں تک محاصرہ کیے رہے۔ سفارتی سطح پر پیغامات بھی آتے جاتے رہے۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ایک دن عمروؓ بن عاص خود پر اس طور پر سفیر بن کر ارطبون کے دربار میں پہنچ گئے۔ وہ حرفوں کا بنا ہوا تھا۔ تاڑ گیا کہ یہ عمروؓ بن عاص ہیں۔ اُس نے رومی زبان میں ایک آدمی سے کہا "تو اس ایوان کی دہلیز پر چھُپ کر کھڑا ہو جا اور جیسے ہی یہ شخص (عمروؓ بن عاص) دروازے پر پہنچے، اس کو قتل کر دینا۔"

حضرت عمروؓ بن عاص سب کچھ سمجھ گئے۔ آپ نے اطمینان سے کہا کہ تم نے مصالحت مفاہمت کے سلسلے میں جو نِکات اُٹھائے ہیں وہ میری رائے میں تو معقول اور قابلِ

---

[1] "اَجناد" "جُند" (لشکر) کی جمع ہے۔ اس مقام پر بہت سے لشکر جمع تھے اس لیے اس کا نام اجنادین مشہور ہو گیا تھا۔ یہ جھیل طبریہ کے جنوب اور دریائے اُردن کے مغرب میں واقع تھا۔

ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ میرے ساتھ نو اور آدمی خلیفۃ المسلمین نے بھیجے ہیں۔ ظاہر ہے اُن سب سے بھی تبادلۂ خیال ضروری ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ ہم سب لوگ کل آکر تم سے مصالحت کی شرائط طے کرلیں۔ میرا خیال ہے ہم نے آج کی گفتگو میں اتفاق و دوستی کا سرا پالیا ہے۔"

ارطبون نے اس بات سے اتفاق کرلیا اور یہ سوچ کر کہ کل زیادہ اچھا موقع ملے گا، اُس آدمی کو دہلیز پر سے ہٹا دیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص بخیریت وہاں سے نکل آئے۔ ارطبون کو دُوسرے دن معلوم ہوا تو اُس نے کہا "افسوس میں نے بڑا دھوکا کھایا! واقعی لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔"

چند روز بعد حضرت عمروؓ بن عاص نے پُوری شدت اور جوش سے حملہ کیا۔ رُومی فوجیں بھاگ کر بیتُ المقدس کی طرف چلی گئیں اور اجنادین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ شامی اور رومیوں نے اس قدر مال و اسباب چھوڑا جس کا کوئی حساب نہیں۔

بیتُ المقدس کی تسخیر:

رومی افواج کے اجنادین سے بھاگنے کے بعد حضرت عمروؓ بن عاص نے اُن کا تعاقب نہیں کیا بلکہ قرب و جوار کے اُن شہروں پر توجہ کی جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے تھوڑی تھوڑی فوجیں، علیحدہ علیحدہ کمانڈروں کے ساتھ، مختلف شہروں کی طرف روانہ کیں اور چند دِنوں میں وہ غزہ، نابلس، جبرین، یافا، لُدّ اور عمواس وغیرہ کو فتح کرکے واپس آگئے۔ اس کے بعد مسلمان فاتحین بیتُ المقدس کی طرف بڑھے۔ رومی تعداد میں خواہ کتنے بھی ہوں، ایسے مرعوب ہوچکے تھے کہ مُسلمانوں کا مقابلہ کرنا اُن کے لیے مُشکل تھا۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ مجبوراً ارطبون کو اپنے لشکر کے ساتھ بیتُ المقدس کی فصیل کے اندر بند ہوکر بیٹھنا پڑا۔ عمروؓ بن عاص شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ بالآخر

اشیائے ضرورت کے ذخیرے ختم ہونے لگے ۔ ارطبون نے پیغام دیا "ہم اطاعت پر راضی ہیں بشرطیکہ خود امیر المومنینؓ مدینہ سے تشریف لاکر ہمارے ساتھ معاہدہ کریں ۔"

امیر المومنین حضرت عمرؓ کو مرکزِ امارت میں یہ اطلاع پہنچائی گئی ۔ آپؓ مدینے سے روانہ ہوئے ۔ آپ چاہتے تھے کہ اہلِ کتاب کے دلوں پر اسلام کا نقش بٹھا دیں اور انھیں مسلمانوں کی عظمت ، برتری اور جلال کا بھی قائل کر دیں ۔ اسلام کی نگاہ میں عظمت جلال اور بزرگی و برتری کے تصورات وہ نہیں ہیں جو انسانی ذہن معاشرت میں بے جا اضافی اور مصنوعی تکلّفات رائج کر کے ، اچھے لباس اور اچھی سواریوں وغیرہ کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح کھوکھلی اور جھوٹی عزت منوانا چاہتے ہیں ۔ امیر المومنینؓ سے زیادہ اسلامی فلسفے سے کون واقف ہو سکتا تھا ۔ جب آپؓ روانہ ہوئے تو ساتھ میں تاشے باجے تھے ، نہ نوبت و نفیری ، نہ ہٹو بچو ۔ جسم پر کم قیمت لباس تھا جس کی قیمت چند درہم سے زیادہ نہ ہوگی ۔ ادنیٰ درجے کے ایک گھوڑے پر سوار تھے ۔ اس کے سُم گھس گئے تھے اس وجہ سے پیر کو جھٹکا سا لگتا تھا ۔ بے سروسامانی کی حالت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ساتھ میں خیمہ تک نہ لیا ۔ دورانِ سفر درختوں کے سائے میں ٹھہر جاتے تھے ۔ ایک وقت کی روٹی اور کچھ کھجوریں راشن میں رکھ لی تھیں ۔ غلام سالم اور دو نیاز مند صحابہؓ نے درخواست کی ہمیں بھی لے چلیں تو انھیں بھی ساتھ لے لیا ۔ یہ تھا ساتویں صدی عیسوی کے نصف اوّل کے زمانے کا وہ فرماں روا جس کی رعیت تیئیس لاکھ مربع میل کے چھ سات ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس میں ایک آدمی بھی بے نوا ، محروم اور غریب نہیں تھا ۔

بلاشبہ صالح اعمال و افکار ، سچی خدا پرستی اور رسولؐ کی پیروی ایسی اثر انگیز چیزیں ہیں جو انسان کو اوپر اٹھاتی ہیں ۔ یہ چیزیں جتنی تکمیل کے ساتھ ہوتی ہیں اسی قدر انسان کا اٹھان اونچا ہوتا چلا جاتا ہے ۔ یہی وجہ تو تھی کہ جہاں کہیں یہ آواز پہنچتی تھی کہ مسلمانوں

کے امیر نے رومی شہنشاہیت کے بُلاوے پر مدینے سے شام جانے کا ارادہ کر لیا ہے،
مسلموں کے دل دہل جاتے تھے، زمین لرز جاتی تھی۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ
لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ (اَلْمُنٰفِقُوْن: آیت ۸)

اسلامی سپہ سالاروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ مقامِ جابیہ میں آکر ملیں۔ چنانچہ یزید
ابی سفیانؓ، ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ وغیرہ نے آکر آپؓ کو خوش آمدید کہا۔ بعض
سلمانوں نے ریشمی لباس پہن رکھے تھے۔ حضرت عمرؓ کی نظر پڑی تو طیش میں آگئے، سنگریزے
ٹھا کر اُن کو مارے اور کہا "مجھے اُمید نہ تھی کہ تم عجمیت اختیار کر لو گے۔" وہ نظریں جھکائے
ڑے تھے، کہنے لگے "یا سیّدی! ہمارے جسم پر ہر وقت زرہ اور آہنی ہتھیار رہتے
ں، ان کپڑوں سے ہمارا جسم محفوظ رہتا ہے۔" فرمایا "اگر یہ بات ہے تو کوئی حرج نہیں۔"
جابیہ ہی میں بیتُ المقدس کا نمائندہ سیاسی وفد آگیا اور اُن کے ساتھ عہدنامہ ہو گیا۔
ں کے بعد آپؓ بیتُ المقدس کی طرف چلے۔ گھوڑا اب پہلے سے زیادہ لنگ کرنے
لگا تھا۔ آپ اُتر کر پیدل ہو گئے۔ اِتنے میں لوگ تُرکی نسل کا ایک بہترین گھوڑا لے آئے۔
شوخ تھا۔ آپ سوار ہوئے تو اُلیل کرنے لگا۔ فرمایا "کمبخت یہ غرور کی چال تُو نے
ں سیکھ لی۔" اُتر پڑے اور پیدل ہی سارا راستہ طے کرتے ہوئے شہر کے قریب پہنچے۔
سلمانوں کو خیال آیا کہ عیسائی اُمرا استقبال کے لیے آئیں گے تو اپنے دل میں کیا کہیں
ے۔ اُنھوں نے قیمتی لباس ڈرتے ڈرتے خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا "خدا نے
م کو جو عزت دی ہے، وہ اسلام کی عزت ہے اور یہی ہمارے لیے کافی ہے۔"

عہدِ فاروقی پر ایک نظر:

عہدِ فاروقی میں خلافت و امارت کی عملداری کا رقبہ دیکھتے ہی دیکھتے، ساڑھے
ں برس کی مختصر سی مدت میں، ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل تک پہنچ گیا۔ اس وسیع و عریض

رقبے میں عراق، شام، ایران، بلوچستان کا مکران تک کا حصّہ، مصر، آرمینیہ، اُردن
جزیرہ، خراسان، آذربائیجان اور کرمان وغیرہ ممالک شامل تھے۔ آپ کے بعد مسلم
ایشیائے کوچک (روم) اور افریقہ میں شمال کی جانب مغربی ممالک کی سرحدوں تک
پہنچ گئے۔ لیکن جن ممالک کے نام اُوپر بیان ہوئے ہیں، یہ سب خالص حضرت عمرؓ
فتوحات ہیں۔ ان کے لیے کوئی حرصِ مُلک گیری نہ تھی بلکہ آپؓ نے یہ سب لڑائیاں
مجبور ہو کر لڑیں، آپ کہا کرتے کہ کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان دیوار حائل
نہ وہ ہماری طرف بڑھتے، نہ ہم اُن کی طرف دیکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا نے اسلام اور مُسلمانوں کو سمجھنے میں ہمیشہ غلطی کی
اُس وقت بھی غیر مُسلم دُنیا یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ انسان کے اندر کوئی تحریک
بھی اُٹھ سکتی ہے جو مادّی فائدوں سے بے لوث ہو۔ اُس کے اندر ایسے جذبے
انگڑائی لے سکتے ہیں کہ وہ مُستقل الہامی صداقتوں کی خاطر زمین و آسمان ایک کرنے پر تُل جائے
ایسی تحریکوں اور جذبوں کا تعلق چونکہ عقیدے اور وِجدان سے ہے، اس لیے جب
تک کسی کے باطن میں یہ عقیدہ نہ بیٹھے اور وِجدان دل میں اُتر کر عقل کو سبق نہ پڑھائے
وہ ادھورے طور پر بھی اسلام کے اثرات اور مُسلمانی کے اِمکانات کو نہیں سمجھ
کیونکہ مسلمانوں کی قوّت کا راز ان ہی چیزوں میں ہے اور اس اُمّت کی طاقت
سرچشمہ ہی ذہنِ مُسلم و قلبِ مومن میں پیوست ہے۔ وہ جسم میں باہر سے چپکا
نہیں ہے کہ ہر کوئی دیکھ لے۔

ایران و روم والے کسریٰ و قیصر بار بار اُٹھتے تھے، مسلمانوں اور مومنوں کی
سی تعداد اور طاقت سے ٹکراتے تھے اور ذلیل و خوار ہوتے تھے۔ اُن کی ظاہر
آنکھیں اپنی خرابی کی کچھ صورتیں اُنھیں دکھا دیتیں۔ وہ پھر اپنی قوتوں کو مجتمع کرتے
کہتے کہ اب کی بار صحرائی بدوؤں کو مٹا کر رکھ دیں گے۔ میدانِ جنگ کو سامان اور ا

سے بھر دیتے۔ مگر ریگزاروں میں اُن کے آدمیوں کی کھیتیاں سی کٹ جاتیں۔ خون کے دریا بہہ جاتے۔ یہی کچھ ہوتا رہا اور حضرت عمرؓ اس خون خرابے پر اشکبار ہوتے رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانیت کی پوری تاریخ میں اصحابِؓ رسولؐ کے کارنامے، جن کو مذہب کی اصطلاح میں آثارِ صحابہؓ کہتے ہیں، بڑی فوقیت رکھتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور صحبت کے اثرات نے اِس پاکیزہ جماعت میں بے نظیر ہمّت، ایثار، استقلال، عالی حوصلگی، شجاعت اور دین کے ابلاغ اور اُس کے دشمنوں کو مٹانے کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ اخلاقِ فاضلہ میں انسانیت کی اُس بلندی پر پہنچ گئے تھے جہاں اُن سے پہلے یا اُن کے بعد کوئی معاشرہ نہیں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن میں رُحَمَاءُ بَیْنَہُمْ کی صفت پیدا کر کے اُن کے دلوں کو آپس میں متفق کر دیا تھا۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ دُنیا کے سامنے حق کو پیش کرنے کے لیے نکلے تھے۔ ایسی حالت میں دُنیا کی کوئی طاقت ان سے ٹکرا کر کیسے بازی لے جا سکتی تھی۔

حضرت عمرؓ کا کمال یہ تھا کہ آپ نے اپنے ہم عصر صحابہؓ اور عام مسلم معاشرہ کے صفاتِ عالیہ کی مزید تربیت کی اور ان کو فرداً فرداً سمجھا اور اُن سے صحیح صحیح کام لیا۔ دُنیا میں بڑے بڑے فاتح ہوئے ہیں۔ اُن کو دیکھو تو وہ حضرت عمرؓ کے مقابلے میں کافی چھوٹے، پست اور بونے نظر آتے ہیں۔ اُن کے کارنامے سفاکیوں، خونریزیوں اور قہاریوں کے کارنامے ہیں مگر مسلمانوں کے فاروقؓ نے اِتنا بڑا کام کیا اور خون کا ایک قطرہ بھی ظلم سے نہیں بہایا۔ اِتنی قومیں، اس قدر مُلک، اسلامی دائرے میں سمٹ آئے مگر اتنے بڑے کام میں ناانصافی کا ایک چھوٹا سا داغ بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ اس انداز سے دُنیا میں ایک چپّا زمین بھی کسی کشور کشا نے نہیں لی۔

اسلامی جمہوریت کی شان :

حضرت عمرؓ مسائل امارت اور انتظامی امور کو ہمیشہ مشورے سے طے کرتے۔
اس وجہ سے مدبرین صحابہؓ کو مدینے کے سوا کہیں سکونت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔
جب کوئی بڑی مہم درپیش ہوتی تو جلسۂ عام بلا کر اس میں معاملات کو پیش کرتے۔ ادنےٰ
سے ادنےٰ آدمی بھی کوئی صحیح رائے دیتا تو بڑے آدمیوں اور بعض اوقات اپنی
رائے پر بھی اس کو ترجیح دیتے۔ ایک بار ایسے ہی موقع پر آپؓ نے فرمایا" عورتوں کے
مہر میں رفتہ رفتہ بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر
کر دوں" جلسے کے حصۂ خواتین میں سے آواز آئی " اللہ تو فرماتا ہے کہ تم میں سے کوئی
اپنی بیویوں کو بہت سا مال دے دے تو پھر واپس نہ لے " یہ سن کر کہا " میری بہن
نے صحیح کہا۔ عمر غلطی پر تھا " آپؓ تقریروں اور نجی ملاقاتوں میں اکثر فرماتے کہ " امت
کے لیے جو خیر خواہی کی بات ہو، وہ مجھے بتاؤ۔ اگر میں کسی معاملے میں غلطی کروں تو مجھے صحیح
راہ سمجھاؤ اور راہِ حق پر چل رہا ہوں تو میری مدد کرو" ایک بار مسجد میں ایسی ہی تقریر کی
جسے سن کر ایک شخص اٹھا اور میان سے تلوار کھینچ کر کہا " اگر آپ حق سے منہ موڑیں گے
تو ہم اس کے ذریعے راہِ راست پر لائیں گے " یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا " مجھے
اطمینان ہے کہ بحمد اللہ میری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو میرے کاموں پر نگاہ رکھتے
ہیں اور اگر کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرنے کے لیے مستعد ہیں " مجلس میں
ایک بار کسی شخص نے آپؓ کو بار بار مخاطب کر کے کہا " اِتَّقِ اللّٰہَ یا عُمَر " (اے
عمر اللہ سے ڈر)۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے اس سے کہا " بس کر۔ بہت
دفع تو کہہ دیا " آپؓ نے سنا تو فرمایا " نہیں۔ کہنے دو۔ اگر لوگ ضرورت کے
وقت نہ کہیں تو بے مصرف ہیں، اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم "

عدلِ فاروقی :

حضرت عمرؓ کی نگاہ میں عدل و انصاف حدودِ خلافت کے چپے چپے پر بلا تاخیر، بروقت اور محل اور جھونپڑی میں یکساں پہنچنا چاہیے تھا۔ گورنر اور گمنام شہری برابر تھے۔ یہ فلسفہ صرف آپ کی نگاہ و نظر کی چیز بن کر نہیں رہا، بلکہ آپ نے پوری شدت سے اُس پر عمل کیا۔ ادنیٰ اور بے اثر لوگوں میں سے بھی اگر کوئی گورنر یا اُس جیسے کسی اعلیٰ افسر کی شکایت کر دیتا تو عدلِ فاروقی اُس کو اُس ادنیٰ کے برابر کھڑا کر دیتا۔ اور اگر تحقیق سے وہ مجرم ثابت ہو جاتا تو پھر سزا سے بچ نہیں سکتا تھا۔

ایک دن آپؓ نے خطبے کے دوران کہا "انتظامیہ کے ارکان سن لیں۔ میرے پاس کسی حاکم کی شکایت آگئی تو دریافت حال کے بعد انصاف کروں گا۔ سزا سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔" حضرت عمروؓ بن عاص فاتحِ شام و مصر، جو اس وقت مصر کے حاکم تھے، پوچھنے لگے کہ اگر کوئی حاکم کسی کو ادب دینے کے لیے سزا دے تو کیا آپ اُس کا بدلہ بھی لیں گے؟ کہا "ہاں۔ بالکل۔ شریعت کی سزائیں مقرر ہیں۔ انصاف کے تقاضے پورے کر کے وہ دی جائیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

دربارِ خلافت میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح قادسیہ و مدائن کی شکایت آئی تو اس زمانے میں ایرانیوں نے نہاوند کے قریب ڈیڑھ لاکھ فوجیں لا کر ڈالی ہوئی تھیں۔ اُس موقع پر آپ نے فرمایا "وقت اس شکایت کے لیے تھوڑا اور حالات پُرخطر ہیں۔ تاہم انصاف میں تاخیر نہیں کروں گا۔" آپؓ نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر محمدؓ بن مسلمہؓ کو کوفہ بھیجا۔ انھوں نے ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے پوچھا۔ پھر حضرت سعدؓ کو ساتھ لے کر مدینے آئے۔ وہ پوری کارروائی سے بری ثابت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "محترم، میرا خیال بھی یہی تھا۔ مگر انصاف کا حق ادا ہو گیا۔" اس کے بعد جھوٹے

مدعیوں کو قانون کی گرفت میں لیا گیا۔

ایک مرتبہ آپؓ کہیں جا رہے تھے کہ کان میں آواز آئی "مصر کے عامل عیاض تو باریک کرتا پہنتے اور دروازے پر دربان رکھتے ہیں"۔ فوراً لوٹ آئے۔ ابن مسلمہ کو حکم دیا کہ مصر پہنچو اور عیاض کو جس حالت میں وہ ہو، اپنے ساتھ مدینے لے آؤ۔ وہ پہنچے تو انھوں نے دروازے پر ملازم کو موجود پایا۔ عیاض بھی باریک کرتا (جو عام طور پر لوگوں کو میسر نہ تھا) پہنے ہوئے تھے۔ ان کی پیشی ہوئی تو آپ نے ان کا کرتا اتروا کر سب کے سامنے کمبل کی قمیص پہنائی۔ اس کے بعد بکریوں کا ریوڑ منگا کر حکم دیا کہ صحرا میں لے جاؤ اور شام تک روزانہ چراؤ۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کوفہ شہر میں، جو چھاؤنی سے متعلق تھا، رہنے کے لیے مکان بنوایا، جس کا پٹا ہوا دوہرا دروازہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو کہا "ایسے دروازے سے تو اہلِ حاجت کی آواز پہنچنے میں رکاوٹ ہوگی"۔ حکم دیا، دروازے کو آگ لگا دو۔

حضرت عمارؓ بن یاسر کوفے کے کمشنر تھے۔ ان کے بارے میں بتایا گیا کہ طرزِ حکومت سے ناواقف اور فراستِ امارت سے عاری ہیں۔ آپؓ نے انھیں بلا کر بہ طور امتحان چند سوالات کیے۔ جب یقین ہو گیا کہ اطلاع صحیح ہے تو انھیں معزول کر دیا۔

آپؓ نے ہر شعبے میں تعمیرات کیں اور ایسی جدت طرازیوں سے کام لیا جو اسلامی روح اور اس کے پاکیزہ ذوق کے اندر تھیں۔ مگر عدالت گاہوں کے لیے عمارتیں نہیں بنوائیں۔ یہ کام مساجد میں رکھا کیوں کہ ان عمارتوں میں جو تعمیم اور سادگی تھی اس کی طرف لوگوں کے دل کھنچتے تھے۔ فیصلے کے لیے کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ ہر علاقے کے ججوں کو ہدایت تھی کہ کچہریوں کا ماحول، فضا اور عام اخلاق ایسا بنائیں جہاں پہنچ کر ہر مظلوم اور ہر مستحق یہ یقین کرلے کہ یہاں سچا انصاف مل سکتا ہے۔

آپؓ عموماً ذہانت، اصابت اور علمیت کا امتحان لینے کے بعد قاضی مقرر کرتے
تھے۔ ایک والیِ شہر نے ایک خاص نوعیت کے مقدمے کے سلسلے میں آپ کو لکھا کہ
ب عورت نے اپنے آشنا کے ساتھ مل کر اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے" آپؓ نے
عابؓ رسولؐ میں سے ایک فقیہ کو طلب فرما کر اُن کے سامنے یہ معاملہ رکھا اور کہا
فیصلہ کرو۔ اُنھوں نے کہا "دونوں کو قتل کر دیا جائے" آپؓ نے پُوچھا کہ ایک مقتول
ے بدلے میں دو آدمیوں کو سزائے موت؟ اُنھوں نے جواب دیا "ہاں، اسی طرح
یسے چند آدمی مل کر کوئی اُونٹ چُرائیں اور پھر ذبح کر کے بانٹ کھائیں۔ اس صورت
ن سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے" آپؓ اُن کے اجتہاد سے خوش ہوئے۔

اتی حالت اور صلاحیت

علامہ ابنِ سعدؒ نے اپنی مقبولِ زمانہ کتاب "طبقات" میں لکھا ہے کہ حضرت
مرؓ اپنے اور اہل و عیال کے لیے بہت کم گزارہ لیتے تھے، جس کی وجہ سے حالت
تھی کہ گرمیوں میں جو کپڑے بناتے وہ اُس وقت تک استعمال کرتے رہتے جب تک
سیدہ ہو کر پاش پاش نہ ہو جائیں۔ کبھی موسم تبدیل ہو جاتا تو آپؓ کو سخت اذیت پہنچتی۔
کی روٹی آپؓ کی غذا تھی اور زیتون کا تیل سالن۔ حضرت عثمان و زبیر رضی اللہ عنہما
صورتِ حال دیکھ کر پریشان ہو گئے تو آپ کی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ
کے پاس گئے اور کہا کہ آپ ہمارا نام نہ بتائیں، بلکہ ہماری نمایندگی کرتے ہوئے اپنے
اپ سے کہیں کہ آپ اپنے اور اہل و عیال کے لیے جو کچھ لیتے ہیں اُس سے بُنیادی
ضروریات بھی پُوری نہیں ہوتیں۔ لہٰذا کچھ اضافہ کر لیجیے" اُنھوں نے آپؓ سے کہا تو
فرمانے لگے "وہ کون لوگ ہیں جو اس کام کی ترغیب دے رہے ہیں؟ میں ضرور اُن
کی خبر لوں گا" حضرت حفصہؓ نے عرض کیا "میں نے وعدہ کیا ہے کہ نام نہیں بتاؤں گی"

فرمایا "اچھا، تم میرے اور اُن لوگوں کے درمیان ہو بتاؤ، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے نہیں کیے؟ پیوند لگے ہوئے کپڑے نہیں پہنے؟ پھر جب آپؐ نے دُنیا کی طرف توجہ نہیں کی تو مجھے ایسے مشورے کیوں دیے جاتے ہیں؟"

آپؓ کو خلافت کی ذمّے داریوں کا احساس بہت زیادہ تھا۔ فرمایا کرتے "اگر ساحلِ فرات پر بھی کوئی اُونٹ ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ خُدا کے ہاں اُس کی جواب دہی کرنی ہو گی۔" آپ نواحِ مدینہ میں راتوں کو گشت کرتے اور اکثر ٹھہرے ہوئے قافلوں کی ضروریات پوری کرتے اور راتوں کو بذاتِ خود اُن کی پاسبانی کرتے۔

ایک رات اپنے غلام اسلم کو ہمراہ لے کر مدینے سے تین میل کے فاصلے پر صرار کے مقام سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک بڑھیا ایک خیمے میں کچھ پکا رہی ہے اور چند بچّے اُسے دائرے میں لیے بیٹھے ہیں۔ جب نزدیک پہنچے تو سُنا، بچّے رو رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ بڑھیا نے بتایا، یہ بھُوکے ہیں، اس لیے روتے ہیں۔ پوچھا ہانڈی میں کیا پک رہا ہے؟ اُس نے کہا، کچھ بھی نہیں۔ صرف پانی چڑھا دیا ہے تاکہ بہل جائیں اور پھر سو جائیں۔ یہ سُن کر کانپ اُٹھے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سالم لیے ہوئے شہر لوٹے، بیت المال کا دروازہ کھولا، آٹے کا تھیلا اور روغنِ زیتون کا برتن اُٹھایا۔ اسلم نے کہا، میرے کاندھے پر رکھ دیجیے۔ فرمایا، کیا قیامت کے دن بھی تم میرا بوجھ اُٹھاؤ گے؟ آپؓ نے یہ سامان لا کر بڑھیا کے سامنے رکھ دیا۔ وہ کھانے کی تیاری میں لگی اور آپؓ اُس کی آگ پھُونکنے لگے۔ بڑھیا نے کہا "اللہ تجھے جزا دے۔ خلیفہ تو تمھیں ہونا چاہیے تھا، نہ کہ عمرؓ کو۔" فرمایا "اللہ عمرؓ کو معاف کرے۔ کل تم بچّوں کو لے کر خلیفہ کے پاس آؤ۔ ان شاءَ اللہ وہاں میں ملوں گا اور تمھارا وظیفہ مقرّر ہو جائے گا۔"

اس درجہ شفقت و مہربانی کے باوجود لوگوں کے دلوں پر آپ کی اِس قدر

ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے اُمراء و اصحابؓ آپؓ سے ڈرتے تھے۔ آپؓ کے ہاتھ میں صرف ایک دُرّہ رہتا تھا جس کا خوف لوگوں پر تیغِ دو دم سے بھی زیادہ تھا۔ ایک شخص جو نہ محافظ رکھتا ہو، نہ دربان۔ اُس کے پاس نیزہ ہو نہ تلوار۔ لباس میں پیوند ہوں۔ گھر کے افراد میں سے کسی نے اُونٹ کی چمڑی اور بالوں سے چپلی بنا کر پیروں میں ڈال دی ہو، گھر گھر جا کر رعیّت کی خدمت کرنے میں لگا رہتا ہو، مگر اُس کے رُعب کا یہ عالم ہو کہ دُور دراز ملکوں کے فرماں روا اپنے قلعوں میں بیٹھے ہوئے لرزتے ہوں، اس کو سوائے جلالِ حق کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

غالباً آپؓ اپنے دورِ خلافت میں سب سے مُمتاز مُجتہد تھے۔ حضرت عبدُ اللہ عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ بہُت مرتبہ ایسا ہُوا کہ آپ نے جو کچھ کہا وہی ہمیشہ کے لیے اُمّت کا اصول بن گیا۔ آپؓ کی آرا مذہبی احکام بن گئیں۔ اذان کا طریقہ آپ ہی کا بتایا ہوا ہے۔ اسیرانِ بدر کے بارے میں وحی آپ کی رائے کے مطابق آئی۔ آپؓ ازواجِ مطہرات کا پردہ کرانا چاہتے تھے مگر حضورؐ کو وحی کا انتظار تھا۔ چنانچہ پردے کے لیے آیتِ حجاب آپ کے خیال کے مطابق اُتری۔ یہ تمام واقعات صحیحین میں موجود ہیں۔

اپنے عہدِ خلافت میں آپؓ نے جو مایۂ ناز اصلاحات و ایجادات کیں اور جو آج تک طریقۂ حکمرانی کی جان بنی ہوئی ہیں، تاریخ نگار اپنی اصطلاح میں ان کو اوّلیاتِ عمرؓ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُن کی تعداد تو بہُت ہے مگر ہم اختصار کی خاطر صرف چند کا تذکرہ کرتے ہیں :

۱۔ عدالت گاہوں کا قیام اور ججوں کا تقررؔ ۲۔ تاریخ اور سنہ کا اجرا۔ ۳۔ فوجی دفاتر کا قیام، چھاؤنیوں اور اسلحہ ساز کارخانوں کی تعمیر، رضاکاروں کی تنخواہوں کا تعیّن، ۴۔ لائقِ کاشت علاقوں کا سروے ۵۔ جدید منصوبہ ہائے امصار (نیو ٹاؤن شپ سکیمیں) ۶۔ مردُم شماری ۷۔ آبپاشی کے نظام کا قیام اور نہری منصوبوں کا اجرا ۹۔ مال گزاری

کے محکموں کا قیام ۱۰۔ جیل خانوں کی تعمیر اور سزا یافتہ لوگوں کی کفالت ۱۱۔ دُرّے کی سزا ۱۲۔ محکمۂ پولیس کا قیام ۱۳۔ خُفیہ اخبار بیں و پرچہ نویسوں کا تقرر ۱۴۔ لاوارثوں کی کفالت کے محکمے ۱۵۔ ہر شہر میں سرائے اور مہمان خانوں کا قیام ۱۶۔ درس گاہیں، مدارس اور مُعلّموں کے مستقل انتظامات ۱۷۔ حکومت کے فرائض میں عول[۵] کے طریقے کی ایجاد ۱۸۔ فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اِضافہ ۱۹۔ اوقاف کے طریقے اور محکمے کی ایجاد ۲۰۔ غزل اور قصیدوں کی تشبیب میں خواتین کے نام ظاہر کرنے کی قانونی ممانعت اور اشعار میں تانیث کے بجائے تذکیر کی ضمیر اختیار کرنے کا حکم۔

شہادت:

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا ایک ایرانی النسل غلام ابولولو فیروز نامی تھا۔ اُس نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ مغیرہ مجھ سے روزینہ زیادہ لیتے ہیں۔ آپ اُس میں کمی کرادیں۔ پوچھا "کیا دیتے ہو؟" اس نے بتایا "روزانہ دو درہم۔ آپؓ نے پوچھا "کمائی کا ذریعہ کیا ہے؟" اُس نے بتایا "نجّاری، نقّاشی اور آہنگری۔" آپؓ نے فرمایا "ایسے منفعت بخش ذرائع رکھنے والا آدمی تو دو درہم بڑی آسانی سے دے سکتا ہے۔"

دوسرے دن فجر کے وقت جب آپؓ نماز پڑھا رہے تھے، ابولولو مسجد میں داخل ہوا اور آپ پر خنجر سے چھ وار کیے جن میں سے ایک زیرِ ناف لگا اور وہی شہادت کا باعث ہوا۔ جب لوگوں نے اُسے پکڑا تو اُس نے خودکشی کرلی۔

حضرت عمرؓ زخمی ہوکر گر پڑے اور پوچھا "حملہ آور کون ہے؟" لوگوں نے نام بتایا تو کہا "میں اللہ کی بارگاہ میں شکر گزار ہوں کہ میرا قاتل کوئی مسلمان نہیں۔" حضرت عبدالرحمٰنؓ

---

[۵] محروم دسائل لوگوں کی روٹی کپڑے اور دیگر بنیادی ضروریات کی فراہمی۔

ن عوف نے نمازِ فجر پڑھائی اور لوگوں نے آپؓ کو گھر لے جا کر دوا پلائی تو وہ زخم کے
راستے سے باہر نکل پڑی۔ اس لیے یقین ہو گیا کہ جانبر نہیں ہو سکیں گے۔
آپؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے کہا "عائشہؓ کے پاس جا کر درخواست
رو کہ وہ حجرے میں آں حضرتؐ کے قریب مجھے دفن ہونے کی اجازت دے دیں۔" وہ
نے تو عائشہؓ رو رہی تھیں۔ عبداللہ کے جواب میں کہا "یہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی
لین عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔" صاحبزادے نے واپس آ کر خوشخبری سنائی تو
رمایا "میری سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔"

جانشینی کا مسئلہ:

جب صحابہؓ نے محسوس کیا کہ آپؓ کا بچنا مشکل ہے تو آپ سے درخواست کی
کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ آپؓ متردد تھے۔ کہنے لگے "اگر میں کسی کو خلیفہ بنا دوں تو یہ
بے جا نہیں ہوگا، کیوں کہ ابو بکرؓ، جو مجھ سے بہتر تھے، ایسا کر چکے ہیں اور اگر نہ بناؤں
ہی نامناسب نہیں ہے، اس لیے کہ سرکارِ دو عالمؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا
تھا۔ البتہ ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو اُن کو جانشین بنا دیتا اور اللہ تعالیٰ باز پرس کرتا تو
عرض کر دیتا کہ میں نے تیرے نبیؐ سے سنا تھا کہ ابو عبیدہؓ اِس اُمت کے امین ہیں۔ یا
ابو حذیفہؓ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو اُس کو خلیفہ بنا دیتا اور خدا سے کہتا کہ میں نے تیرے
پیغمبر سے سنا تھا کہ سالم للّٰہیت کا شیدائی ہے۔"
معاملہ چونکہ بہت اہم تھا اس لیے صحابہ کرامؓ نے پھر آپ سے درخواست کی۔ آپ
نے فرمایا "میں نے ارادہ تو کیا کہ کسی شخص کو منتخب کر دوں، لیکن میرے مرنے کے بعد بھی
اس کام کی ذمے داری مجھ پر رہے گی، اس لیے خوفِ خداوندی سے میرا ارادہ فوت ہو گیا۔
بہرحال، یہ چھ آدمی ہیں: حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف،

حضرت سعدؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ۔ ان میں سے ایک کو منتخب کر لیا جا
یہ وہ اصحابؓ ہیں جن سے حضورؐ خوش تھے اور میں خلافت کا مستحق اُن لوگوں سے ز
کسی کو نہیں سمجھتا جن سے رسول اللہؐ اپنی وفات تک راضی رہے۔"

اس کے بعد حضرت ابو طلحہؓ اور مقداد بن اسودؓ کو بُلا کر فرمایا "اپنے ساتھ ۴۹ ا
لے کر اس گھر کے دروازے پر (جہاں خلیفہ کا انتخاب ہو) پہرا دینا تمھارے ذمّے
تین دن میں ان حضرات کو اپنے میں سے خلیفہ منتخب کر لینا چاہیے۔ تمھارا فرض یہ
جب تک انتخاب نہ ہو، باہر سے کسی کو ان لوگوں کے پاس نہ جانے دو۔ ان میں
جس شخص پر اکثریت اعتماد کرے وہی خلیفہ ہوگا۔ اگر کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس
قتل کر دینا"

آپؓ نے زخم لگنے کے تیسرے دن ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ ہجری، بدھ کے روز، شام
وفات پائی۔ جمعرات کے دن صبح کو آقائے نامدارؐ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ حضرت
صُہیبؓ نے نماز پڑھائی۔ عمر ۶۳ سال تھی۔

سراپا:

آپؓ کی رنگت سفید تھی لیکن اُس پر سُرخی غالب تھی۔ رُخسار دھنسے ہوئے، ناک کھڑی
ڈاڑھی گھنی اور مونچھیں لمبی تھیں۔ چہرے پر وجاہت و رُعب تھا۔ ماتھے کے اُوپر صرف
سامنے کے کچھ بال اُڑ گئے تھے۔ قد بہت لمبا تھا، اتنا لمبا کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیو
کے مجمع میں کھڑے ہوتے تو سب سے نمایاں نظر آتے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبیلہ اور خاندان :

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کی سب سے بڑی شاخ اُمیّہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ عبدُالشمس کے بیٹے تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے دادا عبدُالمطّلب کے حقیقی چچا تھے، اس لیے اُمیّہ عبدالمطّلب کے چچازاد بھائی ہوئے۔ پانچویں پُشت میں حضرت عثمان رضؓ کا نسبی سلسلہ حضورؐ سے مل جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے : عثمانؓ بن عفّان بن ابی العاص بن عبدالشمس بن عبدمناف۔

والدہ کے تعلق سے بھی آپ خالص اُموی ہیں۔ آپ کی ماں کا نام اَروٰی بنت کریز تھا۔ اروٰی کی والدہ بیضاء اُمِّ حکیم ابوطالب کی سگی بہن ہونے کی وجہ سے حضورؐ کی پھوپھی تھیں۔ خلفائے اربعہ میں حضرت علیؓ کے بعد رشتے میں سب سے زیادہ قریب آپ ہی تھے۔

اُمیّہ کا قبیلہ زمانۂ جاہلیت سے ہی مقبول و طاقت ور تھا۔ اس کی عظمت وسطوت مسلّمہ تھی۔ صرف ایک بنو ہاشم تھے جو سرداری اور بڑائی میں بیت اللہ کا مجاور ہونے کی وجہ سے اُن کا کچھ مقابلہ کر سکتے تھے۔ قریش کا اہم عہدہ "عقاب" یعنی فوجی پرچم اور نشان کی علم برداری اسی خاندان میں تھی۔ حکومت اور سرداری کے لیے سب سے موزوں اُمیّہ کے رئیس ہی سمجھے جاتے تھے۔

ولادت اور امتیازی خصوصیات

تاریخِ پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے۔ بیشتر علمائے تاریخ کا کہنا ہے کہ آپ واقعۂ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ گویا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عمر میں تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے۔ بچپن میں کچھ دنوں، اس زمانے کے عام طریقے کے مطابق، جانور چرانے کی بھی خدمت انجام دی۔ سنِ شعور میں قدم رکھا تو ماں باپ نے ضرورت کے مطابق لکھنا پڑھنا بھی سکھایا۔ جوان ہوئے تو تجارت کی اور خوب دولت کمائی۔ شام اور عراق میں آپ کاروبار کرتے تھے۔ اللہ نے اِس ذریعے سے دولت بھی دی تھی اور شہرت بھی۔ لوگ آپؓ کو ملکُ التجار کہتے تھے۔

باوجود دولت مند ہونے کے حسّاس دل، رسا ذہن اور زندہ ضمیر انسان تھے۔ کبر و نخوت، بے راہ روی اور تکبّر و غرور نام کو نہ تھا۔ طبعاً خوش اخلاق، پاکیزہ سیرت، انتہائی عفیف، نیک نہاد، بامُروّت، سیر چشم، کنبہ پرور اور دریا دل، شراب و زنا جیسے فواحشات سے زمانۂ جاہلیت میں بھی بچے رہے، جب عرب کے معاشرے میں ایسی چیزیں اوڑھنا بچھونا تھیں اور خُوبی و کمال سے اظہار و بیان میں مُبالغہ آرائی کے ساتھ اُن کا ذکر کیا جاتا تھا۔ اُس عہد میں سرداروں اور دولت مندوں کی تعریفوں میں جو اشعار اور قصیدے لکھے گئے وہ آج بھی موجود ہیں اور اُن ذلیل اقدار کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ ابونواس اور حیطہ کے علاوہ خاتون شعرا خنسلہ اور لیلیٰ وغیرہ نے اس بُرائی کو جس جذبے اور جوش سے بیان کیا ہے اس سے جاہلیت کی شاعری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ ہمیشہ اِن خُرافات سے بچے رہے۔ کس درجہ پارسا تھے آپ، کس قدر مضبوط تھا کیرکٹر آپؓ کا۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (بلاشبہ انسان کو نفس برائی کی طرف لے جاتا ہے مگر جس پر اللہ مہربان ہو (وہ بچ جاتا ہے)۔

آپ کی زبان شیریں، دل درد مند اور اخلاق وسیع تھا۔ ان تمام صفات کی وجہ سے آپ کو قریش کی ہر شاخ میں اس حد تک محبوبیت حاصل تھی کہ عورتیں گھروں میں اپنے بچوں کو لوریاں دیتے ہوئے کہا کرتیں "ربِ کعبہ کی قسم! میں تجھ سے ایسی محبت کرتی ہوں جیسی قریش عثمانؓ سے۔"

قبولِ اسلام:

سارا عرب کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ دفعتہً وادیٔ مکّہ سے آفتابِ اسلام چمکا، اور اس کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی۔ کعبۂ ابراہیمی کے آس پاس قریش کے مسکن تھے۔ اُس کے کئی قبیلے حرم میں آباد تھے۔ سب سے پہلے اسلام کی شعائیں بنو اسد میں پہنچیں اور خُویلد کی بیٹی، رسول اللہ کی شریکِ زندگی، حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ بنو تمیم پر پڑیں تو ابوبکرؓ کا دل و دماغ جگمگا اُٹھا۔ بنو ہاشم شعاع پذیر ہوئے اُن کے خاندان کا لڑکا علیؓ اسلام سے منوّر ہوا۔ تینوں مسلمان ہونے والوں میں حضرت ابوبکرؓ ایسے شخص تھے جو مخفی و رازدارانہ طور پر قریش میں اسلام کی دعوت دے سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے مکّے میں سعید رُوحوں کی تلاش شروع کی تو سب سے پہلے بنو عبدُ الشمس کے سلیم الفطرت چونتیس سالہ جوان کا خیال آیا۔ وہ فوراً پہنچے، حضورؐ کی رسالت کی بشارت سُنائی اور اسلام کا پیغام دیا۔ آپؓ کو قبولِ حق میں تامّل کیسے ہوتا۔ اُسی وقت اپنے دوست ابوبکرؓ کے ساتھ رسولِ خدا کے پاس آکر اقرارِ توحید و رسالت کیا اور مسلمان ہو گئے۔ آلِ عبد شمس میں سب سے پہلے اسلام لانے والا یہ جوان اطاعتِ رسولؐ میں چوتھے نمبر پر تھا۔

بنتِ رسولؐ سے نکاح اور دو ہجرتوں کی فضیلت:

نبوت سے پہلے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دو صاحبزادیاں رقیہؓ اور اُمِّ کلثومؓ

عبدُالعزیٰ (ابولہب) کے بیٹوں عُتبہ اور عُتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ نبوّت کے بعد ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہا "میرے لیے تم کو بیٹا کہنا اور سمجھنا حرام ہے، جب تک کہ تم محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو"۔ باپ کے دباؤ سے دونوں نے طلاق دے دی۔

آں حضرتؐ نے اس کے بعد اپنی محبوب صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا عقدِ ثانی مسلمانوں میں پسندیدہ ترجوان حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ حضورؐ کی لختِ جگر کو مُشرکانہ ماحول سے نجات ملی تو اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ ذکر و نماز میں وقت گزارنا شروع کیا۔ سُسرال والے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے جن میں حضرت عثمانؓ کے چچا حکم بہت جذباتی و متعصب تھے۔ اُنھوں نے کئی بار بھتیجے کو باندھ کر مارا۔ خاندان کے دوسرے افراد نے حمایت و قرابت سے منھ موڑ لیا۔ آپؓ اُن کے مظالم برداشت کرتے رہے۔ ۵ نبوی میں جب آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت عطا فرمائی تو آپ اپنی شریکِ حیاتؓ کے ساتھ پہلے گروپ میں حبشہ چلے گئے۔ کفّار سے چھُپ کر گئے۔ کچھ بھی ساتھ نہ تھا۔ ایک ایسا شخص جو معاشی طور پر خوشحال ہو، اُس کو کوئی مجبوری یا تنگی لاحق نہ ہو، وہ دفعتہً زندگی کی ہر سہولت سے محروم ہو جائے، ناظرین خود تصوّر کریں کہ اس وقت اس کی حالت کیا ہو گی!

حاکم نے اپنی مُستدرک میں عبدالرحمان بن اسحاق کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا "اے ابوبکر! سیدنا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد سب سے پہلے اِن ہی دونوں (عثمانؓ اور رُقیہؓ) نے اللہ کے لیے ہجرت کی ہے۔"

اس حالت میں مُلک سے نکلنے کے بعد، کتنے ہی دنوں تک ان کی کوئی خبر نہ ملی۔ حضورؐ فکرمند تھے کہ ایک خاتون نے آکر اطلاع دی۔ اس بارے میں حضرت انسؓ

کی روایت سُنیئے :

"حضرت انسؓ نے بتایا، مُلکِ حبشہ کی طرف جس نے پہلے ہجرت کی، وہ حضرت عثمانؓ ہیں۔ اُن کے ہمراہ حضورؐ کی قُرّۃُ العین رُقیہؓ بھی تھیں۔ ہجرت کے بعد کچھ عرصے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُن دونوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ آپؐ فکرمند و طالبِ خبر تھے کہ ایک قریشی عورت وہاں سے آئی۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ پوچھا "کس حالت میں؟" عورت نے جواب دیا "میں نے دیکھا کہ عثمانؓ کی بیوی ایک جانور پر سوار تھیں اور اُن کے شوہر اُس کو ہانک رہے تھے۔" یہ سُن کر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اللہ تعالےٰ اُن دونوں کا ساتھی ہو۔ عثمانؓ پہلا شخص ہے جس نے حضرت لُوط علیہ السّلام کے بعد ہجرت کی ہے۔"

اِس بے کسی اور غریبُ الوطنی کے زمانے میں حضرت رُقیہؓ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام آپ نے عبدُاللہ رکھا۔ مگر وہ چھ سال کا ہوکر وفات پا گیا۔ رمضان ۵ نبوی میں سُورۂ نجم نازل ہوئی۔ یہ وہ سب سے پہلی سُورۃ ہے جس میں آیتِ سجدہ آئی ہے۔ اس کو حضورؐ نے حرمِ مکّہ کے اندر قریش کے مجمعِ عام میں پڑھا۔ مُسلم اور مُشرک، دونوں موجود تھے۔ آیت ۶۲ پر سُورت ختم ہوئی تو حضورؐ سجدے میں گر گئے۔ کلام صداقت کا اثر دیکھو کہ تمام مشرکین بھی مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں دیر تک پڑے رہے۔ یہ غیر معمولی واقعہ حبشہ کے مہاجرین تک اس طرح پہنچا کہ "مشرکینِ مکّہ مسلمان ہوگئے ہیں"۔ مہاجرین میں سے کچھ مسلمان یہ سُن کر مکّے واپس آ گئے۔ انھی میں حضرت عثمانؓ اور دخترِ رسولؐ بھی تھیں۔ لیکن یہاں آکر دیکھا کہ ظُلم کی چکّی توحید پرستوں کو اُسی طرح پیس رہی ہے، واپس آنے والے دوبارہ لوٹ گئے۔ مگر حضرت عثمانؓ مکّے ہی میں رُک گئے۔

نبوت کے بارھویں سال تک جب مدینہ (یثرب) کے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد مسلمان ہوگئی اور کچھ مسلمان دعوت و تحریک کے سلسلے میں مکّے سے بھی روانہ کر دیئے گئے تو مدینے میں حالات حوصلہ افزا ہو گئے۔ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لیے حضورؐ نے صحابہؓ کو مدینے جانے کا مشورہ دے دیا۔ حضرت عثمانؓ جانے والوں کی تیسری جماعت میں، جس میں عکاشہؓ بن محصن، کچھ اسدی، آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن زینبؓ بنت جحش (جو زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد اُمّہات المومنینؓ میں شامل ہوئیں) اُن کی دو نوں بہنیں حمنہؓ و امِ حبیبہؓ شامل تھیں، مدینے چلے گئے۔ حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری، جو حسانؓ کے بھائی تھے اور قبیلہ نجار میں رہتے تھے، کے گھر مقیم ہوئے سرکارِ دو عالمؐ نے انھی (اوسؓ) کے ساتھ آپؓ کی اُخوّت قائم کر دی۔

عہدِ رسالت میں خدمات :

جنگ بدر: یہ اسلام اور کفر کی پہلی لڑائی تھی۔ اس میں حضرت عثمانؓ شریک نہیں ہو سکے۔ یہ رمضان ۲ھ کا واقعہ ہے۔ اُن دنوں میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رُقیہؓ سخت بیمار تھیں اور ان کی حالت خطرے میں تھی۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضورؐ نے فرمایا کہ تم رقیہؓ کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرو۔ تم کو بدر میں شریک ہونے والے کے برابر اجر اور حصہ ملے گا۔ آپ نے تعمیل کی اور انھیں ایام میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا۔

اس جنگ میں اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی اور جب مژدۂ فتح سنانے کے لیے عبداللہؓ بن رواحہ اور زیدؓ بن حارث مدینے پہنچے تو لوگ حضرت رُقیہؓ کو دفن کرنے کے بعد مٹی دے رہے تھے۔ بدر سے واپسی میں مقام صفراء پر آکر مالِ غنیمت تقسیم ہوئی اور سورۂ انفال کے مطابق حضورؐ نے اُس کو تقسیم کیا۔ حضرت عثمانؓ

حصّہ شرکا کے برابر لگایا گیا اور آخرت میں اسی تناسب سے اجر کی بھی اُمید دلائی گئی۔

بیعتِ رضوان کے بارے میں اس کتاب کے گزشتہ ابواب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ بیعت صُلحِ حُدیبیہ کے موقع پر پیش آئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس سفارتی سطح پر اختلاف دُور کرنے اور صحیح معاملے کی حقیقت سمجھانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ قریش نے ایک دو روز آپ کو روک لیا، اور یہاں مسلمانوں میں یہ اندیشہ قوی ہوتا گیا کہ آپؓ قتل نہ کر دیے گئے ہوں۔ سرورِ کائناتؐ نے تمام صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لیتے وقت اپنے سیدھے ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور بایاں ہاتھ اُس پر رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی بیعت ہوئی۔

بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابنِ عمرؓ کی یہ حدیث کتاب المناقب باب مناقبِ عثمانؓ میں بیان کی ہے :

"اور حضرت عثمانؓ کا بیعتِ رضوان کے وقت غیر حاضر ہونے کا معاملہ (یہ ہے کہ) اگر بطنِ مکّہ میں عثمانؓ سے بڑھ کر کوئی شخص مُعزّز ہوتا تو آں حضرتؐ اُن کے بجائے اُس کو بھیجتے۔ مگر آپؐ نے حضرت عثمان کو بھیجا اور بیعتِ رضوان اُس کے بعد پیش آئی۔ رسولؐ اللہ نے اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور دوسرے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر فرمایا یہ عثمانؓ کی بیعت ہوئی۔"

<u>جنگِ خیبر</u> : محرّم ۷ھ میں یہودی قبائل نے مشرکینِ عرب کے ساتھ اتحاد کر کے مدینے پر حملہ کا پروگرام بنایا۔ آنحضرتؐ ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کے ساتھ خیبر روانہ ہوئے۔ مدینے سے اس شہر کا فاصلہ دو سو میل ہے۔ صحابہؓ کے اس لشکر میں حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ یہودیوں کے قبضے میں چھ قلعے تھے جنھیں باری باری سے فتح کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ پہلے قلعۂ ناعم فتح ہوا۔ سب سے پہلے فصیل پر چڑھنے والے حضرت عثمانؓ اور دوسرے محمود بن سلمہؓ تھے۔ یہودیوں نے پتھر کی ایک بڑی سِل اُوپر سے چھوڑ دی۔ محمودؓ اُس کی

زد میں آکر شہید ہو گئے۔ پیچھے سے کچھ اور مسلمان آ گئے اور بالآخر یہ معرکہ سر ہو گیا۔ آپؓ کو آنحضرتؐ نے خیبر کی غنیمت میں سے زمین عطا فرمائی تھی اور آپ نے اس کے بدلے عبداللہ بن عمرؓ سے مکے کی وادی میں زمین لے لی تھی۔

جنگِ تبوک : شام کے غسّانی بادشاہ نے مدینے پر حملہ کرنے کے لیے عیسائی عربوں کا ایک لشکر تیار کیا اور قیصرِ روم ہرقل نے بھی اُس کی مدد کے لیے چالیس ہزار فوج بھیج دی۔ سرورِ کائنات نے اس موقع پر ہر قبیلے اور ہر فرد سے مدد طلب کی۔ ایک دن خاتم انبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جو جیش العسرت کا سامان کرے یقیناً اُس کے لیے جنّت ہے۔"

اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے ایسی فراخ دلی دکھائی کہ اللہ کے پیغمبرؐ کا غنچۂ دل شگفتہ ہو گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ عثمانؓ کے پیش کیے ہوئے سُرخ دینار حضورؐ کی گود میں پڑے ہیں۔ آپؐ اُن کو اُلٹ پلٹ کر رہے ہیں اور فرماتے جا رہے ہیں کہ آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا (یہ بات دو مرتبہ فرمائی)۔ آپؓ نے جو نقدی اور سامان دیا اُس کی تفصیل یہ ہے : نو سو اُونٹ اور وہ سارا سامان جو اُن پر لدا ہوا تھا، ایک ہزار دینار سُرخ اور سو گھوڑے مع ایک سو سواروں کے جُملہ سامان کے ساتھ۔ حضرت عثمانؓ کے اس اِنفاق پر حضورؐ نے پھر فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدْ رَضِیْتُ عَنْ عُثْمَانَ فَارْضَ عَنْہُ۔ (اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہوں، تو بھی ان سے راضی ہو جا)۔

بئرِ رومہ : مدینے کی ساری آبادی کے واسطے میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا اور وہ بھی یہودیوں کی ملکیت۔ وہ مسلمانوں کو بادل ناخواستہ تھوڑا بہت پانی بھرنے دیتے اور کہتے اگر تمھیں پریشانی ہے تو اس کنویں کو خرید لو۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا "جو کوئی بئرِ رومہ کو خرید کر وقف کر دے، اُس کے لیے جنّت کی بشارت ہے۔"

حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بیس ہزار درہم میں وہ کنواں خرید کر عوام کے لیے مخصوص کر دیا۔

مسجدِ نبوی میں توسیع : حدیبیہ کی صلح کے بعد لوگ تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے تھے۔ اس وجہ سے مسجد کی گنجائش ناکافی ہو گئی تھی۔ ایک روز ہادیٔ اعظمؐ نے فرمایا "کون ہے جو آلِ فلاں کے تختۂ زمین کو خرید کر مسجد میں شامل کر دے اور اللہ کی رضا اور خوشنودی پا لے؟" یہ پلاٹ مسجد سے بالکل ملحق تھا، جس کو حضرت عثمانؓ نے بہ اختلافِ روایت بیس یا پچیس ہزار میں خرید کر مسجدِ نبوی میں شامل کر دیا۔

آپؓ کو دیگر امتیازات کے علاوہ شرفِ کتابتِ وحی بھی حاصل تھا۔ جن خوش قسمت اصحابؓ (عشرۂ مبشرہ) کو بشارتِ مغفرت دی گئی ہے ان میں سے ایک آپؓ بھی ہیں اور اس برتری کے ساتھ کہ کئی بار آپ نے خود کو بشارتوں کا مستحق بنایا، اور کئی بار حضورؐ نے آپ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا۔

خلافتِ صدیقی و فاروقی میں آپ کا کردار :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضورؐ کے خلفا کے ساتھ جو اندازِ تعاون و تعلق اور رابطۂ اخلاص و محبت قائم رکھا۔ وہ تربیتِ رسولؐ اور اسلامی نظامِ اخلاق کے عین مطابق تھا۔ آپؓ کے رویہ و عمل سے قرآنِ حکیم کے ارشاد رُحَمَاءُ بَیْنَھُم اور فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ کی سچی نمائندگی ہوتی تھی۔ آپ نے خیرالامت ابوبکرؓ کے سوا ستائیس مہینے کے دوران اور عمر فاروقؓ کے ساڑھے دس سالہ دور میں جو خدمات انجام دیں، ان سے دونوں خلفا کا دل خوش ہو گیا۔ فتنۂ ارتداد، تحصیلِ زکوٰۃ اور کاذب مدعیانِ نبوت سے نمٹنے میں آپ نے پوری صلاحیتیں صرف کیں۔ ارتقائے ملت، قیام و استحکام حکومتِ الہیہ اور اقامتِ خیر و دفاعِ شر میں

آپؓ نے ان دونوں بزرگوںؓ کا ہاتھ بٹایا، اور اطاعتِ امیر بجالا کر وہ مثال قائم کی جو مستقبل کی اُمت کے لیے نمونہ بن گئی۔

اُس عہدِ خیر و برکت کے صالحین کی طبیعت کچھ ایسی بے ریا تھی کہ ہر جگہ، ہر شعبے میں اور ہر محاذ پر اطاعت کرنے والے اپنے سردار یا امیر کے کاموں میں جانیں کھپا کر اُس کا حاصل امیر کی گود میں ڈال دیتے تھے اور جوئے شیر بہا کر سردار کے نامۂ اعمال میں لکھتے تھے۔

خالدؓ کے لشکر کا ہر سپاہی رُستم و سُورما تھا۔ مگر ہماری تاریخ حیرتناک حد تک مستند ہونے کے باوجود، علیحدہ علیحدہ اِن سُورماؤں کا کارنامہ نہیں بیان کرتی۔ کیوں اس لیے کہ ہر سُورما نے اپنی کارگزاری خالدؓ کی کمان اور کارگزاری میں پیوست کر دی تھی۔

اسلام سے باہر کی تاریخوں میں بھی بظاہر مرکزی شخصیتوں اور بڑے لوگوں کے لیبل نظر آتے ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ جتنا اور جو کچھ نظر آتا ہے، حقائق کے اندر اُتر کر دیکھو تو پتا چلتا ہے کہ مرکزی کرداروں نے جبراً چھوٹے کرداروں کو ہٹا کر، نمائش اور خود نمائی کے شوق میں، خود کو ظاہر کر دیا ہے۔

خُلفاءِ اوّل و ثانی کی اطاعت کے بارے میں حضرت عثمانؓ کا بیان نقل کر کے آگے بڑھیں گے۔ یہ بیان ایک ایسے ماحول میں دیا گیا ہے کہ چاروں طرف سے سبائی، یہودیوں کی تحریک پر، آپؓ کو گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ آپ کا بیان اس قدر زندہ و تابندہ حقیقت پر مبنی تھا کہ وہ لوگ بھی جو آپ کو اسلام کی دشمنی میں، راستے سے ہٹانے آئے تھے، آپ کے قول کی تردید نہ کر سکے۔ آپؓ نے فرمایا:

"پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا نے حضرت ابوبکرؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا، تو خدا کی قسم میں نے اُن کی ایسی اطاعت کی کہ جس میں نافرمانی کا شبہ تھا نہ خیانت

کا۔ اُس کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو خُدا گواہ ہے میں نے اُن کی بھی ایسی ہی تعمیلِ حکم کی کہ جس میں کوتاہی و سرتابی تھی نہ بددیانتی، یہاں تک کہ خُدا نے ان کو اُٹھا لیا" (صحیح بخاری۔ کتاب الاحکام)۔

نامزد کمیٹی کا انتخابی عمل اور آپ کی بیعت

۲۸ ذی الحجہ ۲۳ھ جمعرات کے دن صبح کو جب حضرت عمرؓ دفن کر دیے گئے تو طلیحہ انصاریؓ اور مقدادؓ بن اسود حضرات عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمنؓ، سعدؓ اور زبیرؓ کو لے کر مسورؓ بن مخرمہ کے گھر آئے۔ طلحہؓ مدینے سے باہر تھے اس لیے وہ شامل نہ ہو سکے۔ خلیفہ شہیدؓ کی ہدایت کے مطابق عبداللہ بن عمرؓ کو محض مشورے میں شرکت کے لیے بُلا لیا گیا۔ مقدادؓ اور طلیحہؓ گھر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ امیر المومنینؓ کی وصیّت کے مطابق تین دن کے اندر اندر آپ حضراتؓ اپنے میں سے خلیفہ منتخب کر لیں۔

تھوڑی دیر سب لوگ خاموش بیٹھے رہے۔ پھر حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا "ہم میں سے اس بات پر کون آمادہ ہوتا ہے کہ خلافت سے دست بردار ہو جائے؟ اُسی کو یہ اختیار ہوگا کہ اس جماعت میں سے جس کو بہتر و افضل سمجھے، خلیفہ منتخب کرے"۔ کسی نے جواب نہیں دیا تو عبدالرحمنؓ بن عوف نے کہا "میں دست بردار ہونے کے لیے تیار ہوں"۔

حضرت عثمانؓ نے کہا "میں اس بات پر رضامندی کا اظہار کرتا ہوں کہ تم جس کو مناسب سمجھو، ہم میں سے امیر بنا دو"۔ اس کے بعد اور لوگوں نے بھی اس بات کی تائید کی۔ لیکن حضرت علیؓ خاموش رہے۔

حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا "علیؓ! آپ کچھ نہیں بولے؟"

حضرت علیؓ نے کہا "پہلے اس بات کا اعلان کرو کہ اقربا پروری کے جذبے
سے بلند ہو کر، محض حق پرستی اور اُمّت کی خیر خواہی کو پیشِ نظر رکھ کر انتخاب کرو گے"۔
حضرت عبدُالرحمٰنؓ نے جواب میں کہا "تم بھی اس بات کا عہد کرو کہ جس کو میں منتخب
کروں گا اُس پر رضامند ہو جاؤ گے۔ اور بفرضِ محال اگر کوئی نہ مانے تو اُس کے مقابلے
میں میری مدد کرو گے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ بلا لوث، بلا رعایت اور بلا پاسِ قرابت کے
صرف حق شناسی، مسلمانوں کی مرضی و خیر خواہی اور خُدا ترسی کی بنیاد پر انتخاب کروں گا"۔
اس کے بعد دونوں حضراتؓ میں عہد و پیمان ہو گیا اور بقیہ اصحابؓ نے بھی یہ کام
حضرت عبدُالرحمٰنؓ کے سپُرد کر دیا۔ اب مدینے کے لوگوں میں فیصلۂ امارت کے لیے
اشتیاق پیدا ہوا، وہ عبدُالرحمٰنؓ کے پیچھے لگ گئے۔ حضرت ابنِ عوفؓ تین دن اور
تین رات برابر اہلِ مدینہ، سردارانِ قبائل اور اُمراءِ لشکر سے، جو حضرت فاروقؓ کی وفات
کے سلسلے میں ہر طرف سے آئے ہوئے تھے، مشورہ کرتے رہے۔ اکثر لوگ حضرت عثمانؓ
کے لیے رائے دے رہے تھے۔ صرف چند آدمی حضرت علیؓ کے حق میں تھے۔
جس رات کی صبح کو تین دن کی مدّت پوری ہونے والی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ
نے پہلے حضرت زبیرؓ کو بُلایا اور کہا "امارت بنی عبد مناف کے دو بیٹوں علیؓ اور عثمانؓ
میں سے کسی ایک کے سپُرد ہونی ہے۔ تمھاری رائے کس کے حق میں ہے؟" انھوں نے
کہا "میں علیؓ کے حق میں ہوں"۔ اس کے بعد سعد بن ابی وقاص کو طلب کیا اور کہا
تُم اپنا حقِ رائے میرے حوالے کر دو"۔ انھوں نے کہا "اگر تم خود خلیفہ ہونا چاہتے
ہو تو خوشی سے۔ عبدالرحمٰنؓ بہت اچھا ہوتا کہ تم ہم سے اپنی بیعت لے لیتے اور
یہ معاملہ اس طرح طے ہو جاتا"۔ انھوں نے جواب دیا "تمھیں معلوم ہے میں خلافت سے
دست بردار ہو چکا ہوں"۔

اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کو بُلا کر اُن سے دیر تک تبادلۂ خیال کرتے رہے۔

پھر اُن کو رخصت کر کے حضرت عثمانؓ کو بُلایا اور اُن سے صبح تک باتیں کیں۔ نمازِ فجر سے پہلے مہاجرین اور انصار اہلِ علم و سیاست اور سردارانِ فوج کو بصورتِ خاص مسجد میں آنے کو کہا۔ عام لوگوں کے بُلاوے کے لیے بھی اطلاع کرا دی۔ باہر سے آئے ہوئے لوگ اور مقامی حضرات سمجھ گئے کہ امارت کا اعلان ہوگا۔ اس قدر لوگ آئے کہ مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ انتخابی عمل کے سربراہ عبدالرحمٰن نے کھڑے ہو کر فرمایا "دیارِ امصار کے لوگ جو مدینے میں ابھی تک رُکے ہوئے ہیں، چاہتے ہیں کہ اپنے مقامات کو واپس جانے سے پہلے انھیں معلوم ہو جائے کہ اُمّت کا امیر کون منتخب ہوا ہے۔ نیز حضرت عمرؓ نے جو مدت فرمائی تھی وہ بھی پوری ہو گئی۔ اس کام میں اب مزید تاخیر نہیں ہو سکتی۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اتنی بات کہی تھی کہ لوگوں نے جن میں عبداللہؓ بن ابی سرح، عبداللہؓ بن ابی ربیعہ، عمار بن یاسر اور مقدادؓ بن اسود وغیرہ شامل تھے، اپنی اپنی رائے دینی شروع کر دی۔ پھر اس کارروائی نے بحث و تکرار اور تائید و تردید کا رخ اختیار کر لیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا "عبدالرحمٰن! فیصلہ کا اعلان کرو اور فتنہ پیدا نہ ہونے دو۔"

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا "میں نے نامزد بزرگوں میں سے کسی ایک کے انتخاب پر پوری طرح غور کیا، اور جہاں تک میری طاقت میں تھا ہر طبقے کے لوگوں سے بھی مشورہ لیا۔ نامزد ارکان سے میں اپنے فیصلے پر رضامندی کے لیے سب سے پہلے عہد لے چکا ہوں، اس لیے اب کسی کے لیے بھی مخالفت و انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" اس کے بعد انھوں نے تشہّد پڑھا اور پھر رُوئے سخن حضرت علیؓ کی طرف کر کے فرمایا:

"اے علیؓ! میں نے لوگوں کے لیے خلیفہ کے تقرّر کے واسطے استصواب کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ عثمانؓ کے برابر کسی کو بھی نہیں سمجھتے، اس لیے تم اپنے نفس کے لیے

کوئی راستہ نہ نکالنا۔" پھر حضرت عثمانؓ سے کہا "میں تم سے سُنّت اللہ، سُنّتِ رسو
اور سُنّتِ خُلفائے سلفؓ پر جو حضورؐ کے بعد ہو چکے ہیں، بیعت کرتا ہوں۔" اس کے
بعد حاضرین بیعت کے لیے حضرت عثمانؓ کے پاس آنے شروع ہو گئے۔ اُن
آس پاس ہجوم کر لیا۔ یہاں تک کہ سب نے بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد آپؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور ایک جامع مگر مختصر تقریر کی جس
متاعِ دُنیا اور کاروبارِ زندگی کی بے ثباتی بیان کر کے اس سے بے التفاتی کا مشورہ
اس کے مقابلے میں اجرِ آخرت کا تصوّر دلایا اور بتایا کہ وہ بندگی، تقویٰ اور عملِ صا
کے ذریعے خوشنودیِ خُداوندی حاصل کر کے فراہم ہوگا۔ اس لیے خیریت سے وہ
جو اس چند روزہ دُنیا پر مائل نہیں ہوا اور جس نے نفس کی خواہشوں اور شیطان کے
پھندوں سے بچ کر پوری زندگی کو اللہ کی رضا جوئی میں گزار دیا۔"

پہلا سنگین مقدّمہ:

حضرت عمرؓ کے زخمی ہونے کے بعد یہ خبر پھیل گئی کہ اکیلا فیروز ہی اُس جلیل الق
امیر کا قاتل نہیں ہے بلکہ اُس میں ایک جماعت شریک ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن
ابوبکرؓ نے بتایا کہ میں نے شام کے وقت دیکھا کہ ہُرمزانؓ[1]، جفینہ اور فیروز تینوں ایک
ساتھ سر جوڑے بیٹھے تھے اور پُراسرار انداز میں مشورہ کر رہے تھے۔ جب میں اچانک
اُن کے قریب پہنچ گیا تو وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن میں سے کسی کے پاس
ایک خنجر گرا جس کے دونوں طرف دھار تھی۔

---

[1] ہُرمزان فارس کے شہزادوں میں سے تھا۔ قادسیہ کی جنگ میں اپنے لشکر کے ایک حصّے کی کما
کر رہا تھا۔ آغازِ جنگ ہی میں اس کو ایک مجاہد غالب بن عبد اللہ اسدی نے مغلوب کر کے پکڑ لیا اور حضرت سع
پاس لے آئے۔ یہ ابنِ خلدون کا بیان ہے لیکن بعض دوسرے اس کی گرفتاری بتاتے ہیں۔ بہر حال اس کی خوا
پر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا گیا۔ آپؓ اس کو قتل کرانا چاہتے تھے مگر ایک حکیمانہ چال سے اُس نے امان لے لی پھر مسلمان
مدینے میں رہنے لگا تھا۔

فیروز کا خنجر دیکھا گیا تو وہ ٹھیک ویسا ہی تھا جیسا کہ عبدالرحمٰنؓ نے بتایا تھا۔ جب حضرت عمرؓ انتقال کر گئے تو حضرت عُبَیداللہ بن عمرؓ نے ہُرمزان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ جفینہ کی طرف چلے۔ یہ فرات کے مغربی سمت پر واقع شہر حیرہ کا رہنے والا ایک عیسائی غلام تھا۔ حضرت سعدؓ (ایرانی محاذ کے کمانڈر ان چیف) اس کو مدینے لے آئے تھے اور طلبا کو کتابت سکھانے پر اس کو مامور کر دیا تھا۔ حضرت عُبَیدُاللہؓ نے اس غلام کو بھی قتل کر دیا۔

خلیفہ کے انتخابی عمل سے پہلے، حضرت عُمرؓ کے حُکم کے مطابق، حضرت صُہیبؓ پیش امام بھی تھے اور خلیفہ کے قائم مقام بھی۔ اُنھوں نے صاحبزادۂ عُمرؓ کو خلیفہ کے انتخاب تک اُن کے گھر میں نظر بند کر دیا تھا۔ خلافت کی ذمّے داریاں سنبھالنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے سب سے پہلے یہی نازک اور سنگین مقدمہ پیش ہوا۔ لوگوں کو انتظار تھا کہ دیکھیں آپ ایک طرف آئینِ شریعت کے تقاضے اور دوسری طرف جذباتِ اُمّت کے مطالبے کس طرح پُورے کرتے ہیں۔

آئین کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کے بے بدل محبوبؓ کے صاحبزادے عبیداللہؓ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مجرم ہیں۔ دو جانوں کی ہلاکت پر سزائے موت دی جائے۔ کیونکہ اُن کے محترم والد کتنے ہی جلیل القدر سہی، بہرصورت انسان تھے۔ اُن کا شہید کیا جانا کوئی حشر آفریں عجوبہ نہیں تھا کہ اُس کے لیے اسلامی عدل و قانون کی بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی جائے۔ پھر جفینہ براہِ راست اقدام میں شریک نہ تھا۔ نہ اُس کو پکڑ کر پوچھ گچھ ہوئی نہ اِنصاف کے تقاضے پورے ہونے پائے۔ وہ ذِمّی تھا اور ذِمّی کی جان و کا معاملہ اسلامی ریاست میں اور بھی نازک ہے۔ اُس کا جائز تحفظ اُٹھ جائے تو اسلام کے حصّے میں وہ رُسوائی آتی ہے کہ قتلِ مسلم سے بھی نہیں آتی۔ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے کا بیان کتنا ہی اعلیٰ و ثقہ شخصیت کا بیان سہی مگر صرف ایک ایسی شہادت

کی حیثیت رکھتا تھا جس سے قتل سازش کے تصوّر کو مدد مل رہی تھی۔ اس پر یہ نہیں ہونا چاہیے تھا کہ عُبیدُ اللہؓ اُٹھیں اور جاکر دونوں کو، اور ایک روایت کے مطابق قاتل فیروز کی بیٹی کو بھی جوشِ انتقام میں مار دیں۔ قرآن پکار رہا تھا وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ۔

دوسری طرف لاتعداد و بے شمار مسلمانوں کا پُر زور مطالبہ تھا کہ جو کچھ ہو گیا، وہ سلیم الطبع و بلند کردار شخص کی ہیجانی کیفیت کا غیر ارادی و وقتی ردِ عمل تھا۔ اب یہ ہو کہ کل باپؓ شہید ہوا اور آج بیٹا مارا جائے۔ بہت سوں کے دل پکار رہے تھے کہ چھوڑا جائے، بہت سی زبانیں کہہ رہی تھیں کہ درگزر ہونا چاہیے۔ عوامی جذبات اپنی عقیدت کی ترازو میں شہید خلیفہ کی بھاری بھرکم شخصیت کا وزن کرکے بتا رہے تھے کہ ہزار ہرمزان و جفینہ بھی دوسرے پلڑے میں رکھ دیے جائیں تو اوپر ہی ٹنگے رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے جذبات و احساسات قانون کی گرفت کو ڈھیلا نہیں کر سکتے۔ مگر ایسے موقعوں پر دیکھا یہی گیا ہے کہ جذباتِ عام کی لہروں کے آگے قانون کے بند ٹوٹتے رہے ہیں۔

آپ نے اندازہ کیا ہو گا کہ کس قدر مشکل تھا یہ مقدمہ۔ اور اسلام کے تیسرے خلیفہ پہلے ہی روز اس مشکل امتحان کی زد میں آ گئے۔ آپؓ نے مشاہیر صحابہؓ و مُدبرینِ مہاجر و انصار کو طلب کر کے عبید اللہؓ کو بلوایا اور حاضرین سے فرمایا "اس مقدمے میں آپ کیا رائے دیتے ہیں؟" حضرت علیؓ نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ آپ عُبید اللہ پر حد جاری کریں"۔ یہ سن کر بعض اکابر مہاجرینؓ نے کہا "امیر المومنینؓ! واقعۂ قتل کے پس منظر اور اس کی عُبید اللہ کے دل پر چھاپ کو اگر ہم پیشِ نظر رکھیں تو کسی مبنی بر انصاف فیصلے پر پہنچنا ہمارے لیے دشوار نہ رہے گا۔ آپ غور فرمالیں اُس ذاتِ عالی کے فراق میں لوگوں پر کیا گزری ہے۔ پھر اگر اُن کا بیٹا حالتِ اضطراب اور آشفتہ سری میں

ِفن کی پکڑ کا انتظار نہ کر سکا تو لازماً گردن زدنی ہو گیا - کل اُمّت کا عظیم تر باپ شہید
دیا گیا اور آج اُس کا بیٹا قتل کر دیا جائے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟" حضرت عمروؓ بن عاص
لیے ہوئے اور کہا " امیرالمومنین ! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ اس معاملے میں قاضی
ں بنیں، جب کہ یہ سانحہ آپ کی خلافت سے پہلے کا ہے ۔"

حضرت عثمانؓ نے چند ثانیے کے لیے گردن جھکائی ۔ اُنھیں آئینِ شریعت ہی میں
ی گنجائش نظر آگئی کہ وہ پھر حالتِ تامّل اور تذبذب سے نکل کر مقامِ اطمینان میں
کھڑے ہوئے ۔

مقتولین کا کوئی وارث نہ تھا، اس لیے قانونِ اسلامی کے مطابق خلیفہ اُن کا
ی تھا اور ولی کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ چاہے قصاص لے اور چاہے خوں بہا[1]
لے ۔ پس آپ نے اس پریشان کن مقدمے میں اختیارِ ولایت کا مجاز بن کر عبیداللہؓ سے
ایا " خوں بہا ادا کرو ۔" اُس زمانے میں ایک جان کا خون بہا ایک ہزار دینار سونے
ے یا بارہ ہزار درہم چاندی کے تھے ۔ چونکہ اس مقدمے میں ایک سے زیادہ جانوں کا
عاملہ تھا اور ابنِ عمرؓ اِتنی رقم ادا کرنے کے قابل نہ تھے اس لیے آپؓ نے اپنی جیب
ے پوری رقم ادا کر کے قوم کے بیت المال میں جمع کرا دی ۔ سب نے حضرت عثمان رضؓ
ے حکیمانہ فیصلے اور جذبۂ ایثار کو بہت پسند کیا ۔

ورنروں، سپہ سالاروں اور افسروں کو احکام :

خلافت کی ذمّے داریاں سنبھالنے کے بعد آپ نے ممالکِ اسلامیہ کے گورنروں
کو تحریری ہدایات جاری فرمائیں ۔ مضمون حسبِ ذیل تھا :

" اللہ تعالٰے نے حاکموں اور منتظمین کے لیے ضابطے بنا دیے ہیں ۔ مجھے اور

---

[1] اس بارے میں سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸ اور سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۳ سے استفادہ کریں ۔

آپ کو انھیں پر عمل کرنا ہے۔ کچھ خدا کے، ریاست کے اور معاشرے کے حقوق افراد پر ہیں جو اُن سے لینے ہیں۔ کچھ جماعت (معاشرہ) اور ریاست پر افراد کے حقوق ہیں جو انھیں دلانے ہیں۔ ہمیں لینے اور دلانے کے یہ دونوں کام انجام دینا ہوں گے۔ ایسا نہ ہو کہ تم لینے میں تو مستعد ہو جاؤ اور دلانے میں کوتاہی برتنے لگو۔ اسلام کا ماضی اسی دو طرفہ کام کے امتزاج و توازن سے بھرا پڑا ہے جس کو ہمارے بزرگ اسلاف نے انجام دیا تھا۔ یہ ہمارے لیے نمونے کا کام دے گا۔ اگر ہم کسی وجہ سے اس خدمت کے انجام دینے میں قاصر رہ گئے تو خدا اور بندوں کے مجرم ہوں گے اور دُنیا سے عدل، امانت، امن اور احساسِ فرض کا تصوّر اُٹھ جائے گا۔"

چھاؤنیوں اور سرحدوں کی حفاظت پر جو فوجیں جمع تھیں، اُن کے افسروں کو لکھا :

"اے مجاہدینِ حق و سپہ سالارانِ اسلام! تمھیں یاد ہے اپنا فرض؟ ہاں، مجھے یقین ہے تم نے ضرور یاد رکھا ہوگا۔ یہ ذکر اس وجہ سے ہے کہ جو کچھ یاد ہے وہ اور نیا اور تازہ ہو جائے اور جو ذمّے داریاں ہم نے قبول کی ہیں، اُن کے لیے ہمارا احساس اور شدید ہو۔ شدتِ احساس سے ہمارے اندر مزید عمل اور جاں فروشی کے جذبے پیدا ہوں۔ یہی جذبے اسلامی ریاست کی طاقت اور اُس کی حفاظت کی جان ہیں۔ خدا کرے مجھے کسی مرکز سے یہ خبر نہ ملے کہ وہاں کی سپاہ اور سالار میں آپس کا تعاون یا سیسہ پلائی ہوئی دیوار جیسی مضبوطی زائل ہو گئی ہے۔ اللہ نہ چاہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر محافظ خود محفوظ نہ رہیں گے۔ قدرتِ خداوندی اُن کی جگہ پر دوسرے مجاہدوں اور محافظوں کو لے آئے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ان حقیقتوں کو کسی وقت فراموش نہ کرو اور جو موقع ملا ہے اسے غنیمت جانو۔"

خراج، زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے والے عمّال کو لکھا :

"اللہ تعالیٰ حق پسند ہے۔ اس نے حق کے ساتھ زمین اور آسمانوں کو بنایا اور قائم

لکھے ہوئے ہے۔ وہ حق ہی کا حکم دیتا ہے اور صرف حق ہی کو قبول کرتا ہے۔ پس اے
لِ خلافت! تم جس چیز کے حق دار ہو، اُسے دینے والے کا شکریہ ادا کر کے لے لو۔
ں سے زیادہ کا خیال بھی جی میں نہ لاؤ۔ سچے امانت دار بنو، اس سے ڈرتے رہو کہ
قیامت میں تمھیں ہانک کر اللہ کے کارندے خائنوں کے زمرے میں نہ لے جائیں۔"
رۃُ المسلمین کو یہ پیغام دیا:
"تم مسلم یعنی فرماں برداروں کی جماعت ہو۔ تمھیں دوسروں کو بھی یہی سکھانا ہے۔
رت کے مقابلے میں دُنیا کی کوئی قیمت نہیں۔ یہاں کے راحت و آرام میں پائداری ہے
کلیف و اذیت میں استواری۔ میں ڈرتا ہوں کہ تمھیں چند روزہ مکار دُنیا کی چمک دمک
و کے میں نہ ڈال دے۔ اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ تم خالص دین میں آمیزشیں قبول
رلو۔ میرے بھائیو! یاد رکھو! تین چیزیں ہیں کہ جن کی خاصیت جدتوں اور بدعتوں
رواج دیے بغیر نہیں چھوڑے گی۔

۱۔ دولت کی کثرت اور ضرورتوں کی وُسعت۔

۲۔ کمینہ، گھٹیا اور غیر مقید عورتوں سے نسل کا بقا اور ارتقا۔

۳۔ مختلف علاقوں کی قرأت میں اختلاف۔

ں میرا پیغام یہ ہے کہ دین کو خالص رکھو۔ سچے دین کو سچا رہنے دو۔ آپس میں اتحادِ فکر
قرار رکھو اور دین کے اصولوں کی نگہبانی کرو۔ آخرت کی جوابدہی کا احساس اور اللہ
ی ناراضی سے بچنے اور بچے رہنے کا اہتمام رکھو۔"

رأت میں اختلاف کا پس منظر

کوفے کی چھاؤنی میں چالیس ہزار فوج تھی۔ ولید بن عقبہ گورنر تھے۔ آذر بائیجان
ی نگرانی انھی کے ذمّے تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب یہاں کے باشندے

برگشتہ ہوئے تو دو ہزار شامی فوجیں بھی طلب کر لی گئیں۔ ولید بن عقبہ کو معزول کر کے سعید بن عاص کو گورنر بنا دیا گیا۔ نئے گورنر نے حذیفہؓ کو سالار اور شامی فوجوں کے قائد جلیب کو اُن کا نائب بنا کر بھیجا۔ حذیفہؓ نے جا کر باغیوں کو دھمکایا تو انھوں نے خطا بخشی کی درخواست کے ساتھ آیندہ کے لیے پُر امن و وفادار رہنے کا عہد کیا اور جزیہ دے کر صلح کر لی۔

آرمینیا میں بھی بغاوت ہوئی تو اس کو فرو کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہؓ کے ساتھ سلمان بن ربیعہ باہلی کو بھیجا، جنھوں وہاں کے باغیوں کو دوبارہ اطاعت گزار بنایا۔ اس کے بعد حذیفہؓ حضرت عثمانؓ کی ہدایت پر بحیرۂ خزر کے ساحلی باغیوں کی گوشمالی کے لیے عبد الرحمٰن بن ربیعہ کی مدد کے لیے گئے۔ باغی تو مطیع ہو گئے مگر عبد الرحمٰن نے ان معرکوں میں شہادت پائی۔ اس کام سے فارغ ہو کر حضرت حذیفہؓ حضرت سعیدؓ بن عاص گورنر کوفہ کے پاس (اُس وقت وہ آذربائیجان میں تھے) چلے گئے۔ حذیفہؓ نے سعیدؓ کو بتایا "میں مقامِ باب میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ عراقی اور شامی فوجی علیحدہ علیحدہ قرأتوں سے قرآن پڑھتے تھے۔ بصرہ والوں کا کہنا تھا کہ ہم ابنِ مسعودؓ کے شاگرد ہیں اور صحیح پڑھتے ہیں۔ اُن کے مقابلے میں حمص اور دمشق کے لوگ جواب دیتے کہ ہم نے حضرت مقدادؓ سے قرأت سیکھی ہے۔" گورنر کوفہ سعیدؓ نے کہا کہ امیر المومنین سے درخواست کی جائے کہ اگر مناسب ہو تو ایک ہی صوت اور قرأت سرکاری طور پر مقرر کر دی جائے۔

اصل مصحف سے نقلیں اور اُن کی اشاعت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد طوفانِ ارتداد کو فرو کرنے کے سلسلے میں صحابہؓ کو خون ریز جنگیں لڑنی پڑیں، جن میں صحابہؓ کی کثیر تعداد شہید ہو گئی

یہ اُن اصحابؓ میں سے تھے جنھیں پُورا قرآن حفظ تھا۔ اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے خلیفہ اوّلؓ سے کہا "قرآن کو لکھوا لیا جائے" اُنھوں نے کچھ تأمّل کے بعد حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کو اس کام پر مقرر کیا اور اُنھوں نے آنحضرتؐ کی ترتیب پر قرآن کا ایک ایک لفظ مُصحف میں لکھ دیا اور اس اعلان کے ساتھ کہ جس کا جی چاہے اُس کے مطابق نقل کر کے اپنے پاس رکھ لے، اُس مُصحف کو حضرت حفصہؓ کے پاس رکھ دیا۔

حضرت حذیفہؓ بن یمان نے آذربائیجان اور آرمینیا پر فوج کشی کے دوران دیکھا کہ مختلف علاقوں کے مسلمان اور عجمی اپنے اپنے لہجے میں قرآن کی تلاوت کرتے وقت ایک دُوسرے سے بحث و تکرار بھی کرنے لگتے ہیں۔ اُمّتِ مُسلمہ میں غیر مسلموں اور عجمیوں کی کثرت سے آمد، نیز عرب و عجم کے اختلاط سے قرأت میں ایسا فرق ہو سکتا تھا جس سے معنی میں بھی فرق ہو جائے۔ چنانچہ حذیفہؓ مرکزِ خلافت مدینہ میں حاضر ہو کر حضرت عثمانؓ سے ملے اور کہا "امیر المؤمنینؓ! مجھے تو اندیشہ ہے کہ الفاظ میں حرکات کا اختلاف رفتہ رفتہ مسلمانوں کو غیر ارادی طور پر تحریف تک نہ پہنچا دے، یا مستقل طور پر کتابِ الٰہی کے حُسنِ کلام کو نہ بگاڑ دے" آپؓ نے فرمایا "اچھا، میں خود غور اور دوسروں سے مشورہ کروں گا۔"

حضرت عثمانؓ نے اُمّ المؤمنین حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج کر وہ مُصحف منگایا اور چار اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی بنا کر اصل نسخے سے نقلیں کرنے کا کام اُس کے سپرد کیا۔ اس کمیٹی میں حضرت زیدؓ بن ثابت (آنحضرتؐ کے کاتبِ وحی، حافظِ قرآن اور ابوبکرؓ کے حُکم سے تیار کیے ہوئے اس نسخے کے جو اب اصل کا مقام رکھتا تھا، کاتب) اس کے صدر بنائے گئے۔ آپ انصاری تھے۔ آپ کے علاوہ عبداللہ بن زبیرؓ، سعیدؓ بن العاص اور عبدالرحمٰنؓ بن حارث تین قریشی مُستند حفاظ رکن تھے۔ حضرت عثمانؓ

نے حکم دیا کہ اگر کہیں زیدؓ اور باقی تین قریشی ارکان میں اختلاف ہو تو اُسے قریش کی زبان اور قرأت میں لکھنا، اس لیے کہ قرآن اُن ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے

اس ہدایت اور اہتمام کے بموجب نقلیں تیار ہوگئیں تو اصل سے نقلوں کو ملایا گیا اور مُصحفِ صدّیقی کو حفصہؓ کے پاس واپس بھیج دیا گیا۔ تیار شدہ نقلیں تمام ممالکِ اسلامیہ میں گورنروں کو بھجوادی گئیں۔ یکسانیت اور صحّت برقرار رکھنے کے لیے حکم دیا گیا کہ اپنے طور پر جو نسخے لکھ کر ہر علاقے میں لوگوں نے رکھے ہوئے ہیں وہ تلف کر دیے جائیں۔ صرف سرکاری مُستند نسخے سے کتابت اور استفادہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب نزول القرآن)۔

ایران میں بغاوتوں کا سدّباب اور فتوحات:

ایران کی سرحدیں خلفائے راشدینؓ کے عہد میں بہت وسیع ہوگئی تھیں افغانستان، بلوچستان، آذربائیجان، ازبکستان، کُردستان، شمال و مغرب میں صُغد (ماوراء النہر) اور آرمینیا کے شمال میں بحرِ قزوین (بحیرۂ خزر) اور بحرِ بنطس (بحیرۂ اسود) کے درمیان داغستان میں، دربند اور داریال تک پھیلی ہوئی تھیں۔ عہدِ فاروقی میں ایران کا اکثر حصّہ خلافت کے زیرِ اطاعت یا زیرِ انتظام آچکا تھا۔ مگر آپ کی شہادت کے بعد کچھ صوبوں نے بغاوت کردی، جن کو حضرت عثمانؓ نے رام کیا۔ لیکن کچھ علاقے ایسے بھی تھے جو اپنی جنگجویانہ سرشت اور مرکزِ خلافت کی دوری کی وجہ سے اسلامی سرحدوں میں گھس کر لوٹ مار اور غارت گری کرتے رہتے تھے۔ اِن علاقوں میں ابھی مسلمان پہنچے ہی نہ تھے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے تیسرے سال کُردستان کے کُردوں اور داغستان، ماوراء النہر کے تُرکوں نے اپنے قریب کے علاقوں میں ہلچل مچادی۔ حضرت عثمانؓ

نے بصرے کے گورنر ابوموسیٰ اشعریؓ کو، جو وہاں کی چھاؤنی کے سپہ سالارِ اعظم بھی تھے، لکھا کہ مستقل قیامِ امن کے لیے کارروائی کریں۔

ابوموسیٰؓ نے چھاؤنی میں لشکریوں کا جلسہ بلا کر فضیلتِ جہاد اور جانی و مالی ایثار کے موضوع پر مؤثر تقریر کی، جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ فوجوں کی تیاری کے بعد وہ اپنے مکان سے اتنا سامان ساتھ لے کر نکلے جو چالیس خچروں پر لدا ہوا تھا۔ فوجی جوان یہ دیکھ کر کہ ہمارے قائد کے پاس اس قدر ساز و سامان ہے اور جہاد میں بھی انھیں راحت و آرام کا اتنا خیال ہے، بیخ پا ہو گئے۔ ایک وفد امیر المومنینؓ کے پاس پہنچا اور سارا قصہ بیان کیا۔ وفد کے لیڈر غیلان بن خرشہ تھے۔ تحقیق سے دریافت ہوا کہ شکایت درست ہے۔ لہٰذا ابوموسیٰؓ کو معزول کر کے آپؓ نے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر قرشی کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اُن کی عمر اُس وقت ۲۵ سال تھی۔ اُس زمانے میں عثمان بن ابی العاصؓ عمان اور بحرین کے گورنر تھے۔ اُن کا سارا لشکر بھی عبداللہ کی کمان میں دے دیا گیا۔ عبداللہ بن عامر کے انتخاب اور دوسرے واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بہت اچھے مردم شناس تھے اور لوگوں کی انفرادی صلاحیتوں سے واقف بھی۔

خراسان اور فارس وغیرہ کا انتظام بھی بصرے کے گورنر کرتے تھے۔ عبداللہ نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے چارج لے کر خراسان کے ماتحت گورنر عبید اللہ بن معمر کو فارس میں تعینات کر دیا اور خراسان میں عمر بن عثمان بن سعد کو مقرر کر کے، بصرے کی فوجیں لے کر پیش قدمی شروع کی۔ عبداللہ بن عامر نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اُن کی ماتحتی میں جو افسر تھے وہ جنگی حکمتِ عملی سے واقف اور شجاع تھے۔ عبداللہ کا کمال یہ تھا کہ وہ ذاتی شجاعت و بسالت کے علاوہ دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینا بھی جانتے تھے۔ اُن کے ساتھ جو جنگ آزما تھے اُن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسود بن کلثوم ۲۔ ادہم بن کلثوم ۳۔ قیس بن ہثیم
۴۔ عبداللہ بن حازم ۵۔ احنف بن قیس ۶۔ ربیع بن زیاد حارثی
۷۔ عبدالرحمن بن سمرہ ۸۔ مجاشع بن مسعود سلمی۔

ان تقرریوں اور تبدیلیوں کے بعد عبداللہ نے اپنی فوجوں اور افسروں کو ساتھ لے کر پیش قدمی شروع کی، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے فرغانہ تک پہنچ گئے۔ دوسرے افسروں کو بھی اُنھوں نے حضرت عثمان رضؓ کے منصوبے کے مطابق چاروں اطراف میں کارروائی کے لیے روانہ فرمادیا جس کے نتیجے میں عجمیوں، دیلمیوں اور ترکوں کی تمام سازشیں اور بغاوتیں ختم ہوگئیں اور خلافتِ عثمانی کی حدود تیزی سے وسیع ہوکر مشرقِ بعید میں چین کی حدود سے جا ملیں۔

اب ہم قیامِ امن اور نفاذِ اصلاح کے منصوبۂ عثمانی کا ذکر کریں گے۔ اس کو جن جانفروش اور مخلص مسلمان افسروں نے عملی جامہ پہنایا وہی اس تاریخی عمل کے ہیرو ہیں۔ اجمالی طور پر علیحدہ علیحدہ یہ ہیں :

اسود بن کلثوم : ان کا قبیلہ عدی سے تعلق تھا۔ رباب کے علاقے میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ انھیں صوبۂ نیشاپور کے شہر بیہق کے غداروں کے استیصال پر بھیجا گیا تھا۔ دشمن شہر پناہ میں جاکر بیٹھ رہے اور دروازہ بند کرلیا۔ رات کے وقت اسود اور چند ساتھیوں نے فصیل میں جو بہت موٹی اور پتھروں کی بنی ہوئی تھی سوراخ کردیا۔ سب سے پہلے اسود فصیل کے اندر ہزاروں پہاڑی باغیوں کے درمیان گھس گئے۔ پیچھے سے دوسرے لوگ بھی داخل ہوتے رہے۔ گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ اسود دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ پرچم اسلام اُن کے بھائی ادہم بن کلثوم نے سنبھالا اور نہایت مردانگی سے لڑکر بیہق کو فتح کرلیا۔ اس کے بعد انھوں نے مرکزی شہر نیشاپور پر حملہ کیا۔ سب سے پہلا مقابلہ طبسین پر ہوا۔ یہاں دو قلعے تھے جو خراسان

کے لیے دروازوں کا کام دیتے تھے۔ اُن کو سر کرنے کے بعد نیشاپور کی طرف بڑھے۔ یہاں چار بڑے سردار رہتے تھے۔ اُن کی فوجیں مقابلے سے جی چرا کر فصیل کے اندر محصور ہو گئیں۔ ایک سردار نے دہشت زدہ ہو کر مسلمانوں سے صرف اپنی جان کی پناہ لی اور ایک دروازہ کھول دیا۔ ادہم شہر میں داخل ہو گئے اور وہاں کے لوگوں نے معافی طلب کر کے دس لاکھ درہم سالانہ جزیہ دینے پر صلح کر لی۔

قیس بن ہیثم : نیشاپور کی فتح کے بعد یہاں کے نظم ونسق پر قیس کو متعین کیا گیا اور عبداللہ بن عامر نے حکم بھیجا کہ اس صوبے میں جو مقامات ابھی خلیفہ کی اطاعت میں نہیں آئے ہیں، اُن کو بھی فرمان پذیر بناؤ۔ چنانچہ قیس نے انتظامی اصلاحات کے بعد نسا، ابیورد اور سرخس کو بھی مسلح کارروائیوں کے ذریعہ باج گزار بنا لیا۔

سرخس کے حاکم نے ہزیمت کے بعد درخواست کی کہ شہر میں سو آدمیوں کی جان بخشی کر دی جائے تو ہم شہر حوالے کر دیں گے۔ اُس کی یہ بات مان لی گئی۔ جب اُس نے فہرست پیش کی تو بدقسمتی سے اپنا نام لکھنا بھول گیا۔ قیس نے تحریر شدہ آدمیوں کو چھوڑ کر بقایا کو حراست میں لے لیا۔ چند دن کے بعد طوس کے فرماں روا نے آکر معاہدہ کرا دیا۔ اہلِ سرخس نے اطاعت قبول کر لی اور چھ لاکھ روپے سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔

عبدُاللہ بن حازِم : ہرات پر عبداللہ بن حازم نے فوج کشی کی۔ اہلِ ہرات نے مغلوب ہو کر دس لاکھ روپے سالانہ دیے اور ہر سال اتنی ہی رقم جزیہ میں دیتے رہنے کا معاہدہ کیا۔ اس کے بعد وہ مرو کی طرف بڑھے وہاں کے مرزبان (سردار، سیاسی لیڈر) نے سپہ سالار عبدُاللہ کے پہنچتے ہی دو کروڑ دس لاکھ روپے دینا قبول کیا اور خلافتِ عثمانی کا مطیع و فرماں بردار رہنے کا عہد کر لیا۔

احنف بن قیس : آپ کو صوبۂ طخارستان کی فتح پر مامور کیا گیا تھا۔ آپ مقامِ بخرد کی طرف سے صوبے میں داخل ہوئے۔ بخرد کے حاکم نے حاضر ہو کر تین کروڑ روپے

سالانہ دینے اور اطاعت گزار رہنے کا وعدہ کیا۔ احنف نے کچھ دنوں یہاں قیام کیا۔
اسلامی فوجوں کے اخلاق و اعمال کا یہاں کے باشندوں پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اس
کے بعد وہ شہر مرو الروز پہنچے۔ وہاں کے لوگ مقابلے پر آئے اور شکست کھا کر قلعہ بند
ہو گئے۔ اُن کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہاں کا والی یمن کے حاکم باذان کا رشتے دار تھا۔ اس
کو درمیان میں ڈال کر صلح کی بات چیت کی اور اطاعت اختیار کر کے چھ لاکھ روپے خراج
دینے پر مصالحت کر لی۔ اس کے بعد انھوں نے اور آگے بڑھ کر قصبۂ بلخ پر قبضہ کیا۔
جب اہلِ طخارستان نے دیکھا کہ اسلامی لشکر بڑھتا ہی چلا آتا ہے تو انھوں نے
ہر طرف قومی و مذہبی تعصبات کو ہوا دے کر ایک آگ سی لگا دی۔ ایرانی اور ترک
قبیلے اُمڈ آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ٹڈی دَل لشکر تیار ہو گیا۔ اسلامی لشکر سے
مقابلہ ہوا اور خوں ریز لڑائی کے بعد غیر مُسلم پسپا ہوتے ہوئے بھاگے۔ احنف
نے ایک سردار اَقرع بن حابس کو تعاقب میں روانہ کیا۔ انھوں نے جرجان میں
پہنچ کر پھر انھیں مارا۔ جرجان کو اَقرع نے اور طالقان و خاریاب کو احنف بن
قیس نے فتح کر لیا۔ اس کے بعد احنف نے بلخ (باختر) پر جو طخارستان کا مشہور
شہر ہے، فوج کشی کی۔ بہ اختلافِ روایت یہاں کے لوگوں نے جنگ کرنا مناسب
نہ سمجھا اور سات لاکھ روپے خراج پر صُلح کر لی۔

ربیع بن زیاد حارثی: ان کو سجستان کے باغیوں کی سرکوبی پر مقرر کیا گیا تھا۔ انھوں نے
وہاں پہنچ کر سب سے پہلے قلعۂ زالق کو اور پھر زرنج کو تسخیر کیا۔ اہل زرنج نے
ہزیمت اُٹھانے کے بعد اپنے قائد کو گفت و شنید کرنے بھیجا۔ اس نے ایک ہزار
طلائی جام بہ طور تحفہ اور ایک سال کا جزیہ پیش کر کے اطاعت کا اقرار نامہ لکھ دیا۔
چند اور لڑائیاں لڑنے کے بعد پورا سجستان مسخر ہو گیا۔ دربارِ خلافت سے حکم ملا
کہ تا حکمِ ثانی تم وہیں، گورنر کی حیثیت سے، مقیم رہو۔ ربیع یہاں ڈیڑھ برس رہے

مشہور تابعی حسن بصریؒ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔

عبدالرحمٰن بن سمرہ : ربیع بن زیاد کے جاتے ہی سجستان (قندھار وسیستان) والوں نے پھر بغاوت کر دی اس لیے عبدالرحمٰن کو یہاں پھر بھیجا گیا۔ یہ لوگ محاصرے میں بیٹھے اور پھر تجدید عہد کر کے اطاعت پذیر بنے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے کہیں لوگوں کو مطمئن کر کے اور کہیں فوجی کارروائی کے بعد کش (سرحدِ ہند) تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ یہاں تک کہ خاص شہر وادین میں پہنچ کر جبلِ زُور کے بتکدے میں داخل ہوئے۔ انھوں نے فرمایا "حاکم صرف اللہ ہے اور اُسی کی ذات باقی رہنے والی ہے۔" زُور مندر کے پجاری نے کہا "ہمارے پاپ نے ہمیں بے بس کیا ہے، دیوتا ایسا نہیں ہے۔" اس بت خانے کے بڑے بُت کا نام زُور تھا، جسم سونے کا اور آنکھیں یاقوت کی۔ عبدالرحمٰنؓ نے دونوں آنکھیں نکال لیں اور تلوار سے ہاتھ کاٹ کر پجاری سے کہا "مجھ کو سونے چاندی اور اس کی آنکھوں کے ان پتھروں سے کوئی غرض نہیں۔ میں نے یہ کام صرف اس لیے کیا ہے کہ تجھے تیری بات کا جواب مل جائے۔" پجاری نے لرزتے ہوئے کہا "میں نے تو کوئی بات بھی نہیں کہی۔" حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بتایا "تُو نے کہا تھا کہ ہم تو اپنے پاپ کے کارن بے بس ہو گئے مگر دیوتا ایسا نہیں ہے۔ اب اس زُور (بُت) کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر تجھے اور دُوسرے پجاریوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جو مُورتیں خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتیں وہ دوسروں کو کیسے بچا سکتی ہیں۔"

عبدالرحمٰنؓ نے اس کے بعد غزنی پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا۔ پھر کابل، قندھار اور دُوسرے شہر مُسخّر کیے۔ اِس کے بعد اُن کو مشرقِ بعید کے مُلکوں کی نگرانی کے واسطے یہیں متعیّن کر دیا گیا۔

مجاشع بن مسعود سلمی : ان کو اہلِ کرمان کے باغیوں کی گوشمالی پر مقرر کیا گیا

تھا۔ یہ روانہ ہوئے تو دورانِ سفر ہمید کے لوگوں نے کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کردیا
مجبورًا ان سے لڑنا پڑا اور ہمید کو فتح کرکے وہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا تاکہ اسلامی فوجوں
کے لیے مرکز کا کام دے سکے۔ پھر سیرجان اور جیرفت وغیرہ کو فتح کیا۔ ابھی یہیں
فروکش تھے کہ معلوم ہوا قفقض کے مقام پر ہر طرف سے ایرانی آکر مجتمع ہو رہے ہیں۔
مجاشع وہاں پہنچے تو دیکھا بہت بڑی تعداد میں فوجیں جمع ہیں۔ دونوں طرف سے
صف بندی ہوئی اور ایک شدید معرکے کے بعد ایرانی بدحواس ہو کر بھاگے اور بے شمار
قتل ہوئے۔ مسلمانوں کو اس قدر مالِ و اسباب ملا کہ جس کا شمار مشکل تھا۔

ایران میں بغاوتوں کے استیصال اور مشرقی دُنیا میں نئی فتوحات کے بیان کا
سلسلہ یہاں ختم ہوتا ہے۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے چوتھے
سال، ۲۷ ہجری میں، ابنِ عامر کو ایران میں اصلاح و استحکام کا یہ فریضہ سونپا۔ اس کام
کے لئے کس قدر مناسب شخص کا انھوں نے انتخاب کیا، یہ ان کی عظیم القدر کارگزاری
سے ثابت ہے۔ ۳۲ ہجری تک صرف چھ برسوں میں، ہزاروں میل تک پھیلے ہوئے، پہاڑی
جنگ آزماؤں کو قابو میں کرکے، خلافتِ اسلامیہ کے زیرِ سایہ اطاعت پذیر رہنے پر
مجبور یا راضی کروایا گیا۔ چین تک کی آبادیوں کے معاملات، مسلمانوں کے سیاسی نظام کا
حصہ بن گئے اور اس طرح تقریبًا ایران میں سے گزرتا ہوا یہ نو لاکھ مربع میل کا علاقہ
پُرامن و پُرسکون دُنیا میں تبدیل ہو گیا۔ بہت سے حق پسند سچے دل سے مسلمان ہو کر
اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

لوگوں نے خوشامد سے نہیں، اعترافِ خدمات کے جذبے سے کہا "اللہ نے
تمھارے ہاتھوں وہ کام کرایا ہے جس کی بہت کم کسی کو توفیق ملتی ہے۔" ابنِ عامر کی
آنکھیں بھر آئیں۔ انھوں نے اپنی جگہ قیس بن ہثیم کو مقرر کیا، غسل کرکے نیشاپور سے
احرام باندھا، مدینہ پہنچ کر خلیفۃ المسلمین کو سلام کیا۔ پھر آگے بڑھے حرمِ مکہ پہنچے۔ وہ

ذات و زیارت کے دوران اکثر روتے ہوئے پائے گئے۔ نیشاپور سے مکّے تک سارا راستہ پیدل طے کیا، اللہ کے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے اُس کی چوکھٹ پر سر رکھا اور سوز و خشیت کی حالت میں تڑپ تڑپ کر کہا" اے کوتاہیوں اور خطاؤں پر پردہ ڈالنے والے! تو میری کوتاہیوں کو معاف بھی کر دے وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللهُ (اور اللہ کے سوا ہے کون جو لغزشوں کو معاف کر سکے)"۔

مادّی وسائل، جنگی سامان اور فوجوں کی تعداد کے لحاظ سے رومیوں کا بھی وہی حال تھا جو ایرانیوں کا تھا۔ ظاہر پرست جو محض اسباب و وسائل کی کمی اور بیشی کو گن کر حساب لگاتے اور رائے قائم کرتے ہیں، اُن کو کیا ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے تاریخی واقعات نے اُن کے فلسفے کی بنیادوں اور نظری اصولوں کو نہیں ڈھایا۔

عرب و ایران اور عرب و روم کے مسلّح مقابلوں میں جو تناسب صحیح تاریخی روایتوں سے ثابت ہو چکا ہے اُس کی رُو سے مسلم و غیر مسلم کی تناسبِ طاقت کا اوسط ایک اور آٹھ قرار پاتا ہے۔ پھر ہمارے مادہ پرست بتائیں کہ ان مقابلوں میں ایک آدمی آٹھ آدمیوں کو برسوں تک برابر کیسے ہانکتا رہا؟ سچی بات یہ ہے کہ کسی بات کو ماننے یا نہ ماننے کی وجوہ بہت پیچیدہ ہیں اور سچائی کو قبول کرنے یا رد کر دینے کے عوامل کا تجزیہ آسان نہیں ہے۔

دُنیا نے سیب گرنے کے مشاہدے سے کششِ ثقل کے اصول کو مان لیا۔ اُس نے یہ بھی مان لیا تھا کہ ہماری زمین ساکت ہے اور اُس کی چھت (فلک) جس پر چراغ پیوست ہیں، گردش کر رہی ہے۔ پھر اُس سے کہا گیا کہ بھول جاؤ اُس بات کو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری زمین بندوق کی گولی سے زیادہ تیزی سے اپنے محور پر گھوم رہی ہے۔ اُس نے اطاعت شعار طالب علم کی طرح اس نظریہ کو بھی اپنے ذہن میں جما لیا۔ مگر بہت حیرانی ہوتی ہے جب دُنیا اس حقیقت پر یقین

نہیں کرتی کہ بے سہارا، بے وسیلہ اور بہت تھوڑے آدمیوں پر دُنیا کی طاقتیں ہجوم کر آئیں تو وہ صداقت کا سر اونچا رکھنے کے لیے اللہ پر بھروسا کر کے میدان میں آ گئے اور ظلم و ناانصافی کا کوئی ادنیٰ ارتکاب کیے بغیر ساری دُنیا کی اصلاح کر دی اور دشمنوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ تاریخِ اسلام ایسی مثالوں اور نظیروں سے بھری پڑی ہے۔ ان نظیروں میں سب سے زیادہ کامل حضورؐ کا عہدِ رسالت اور بعد میں خلفاؓ کے کارنامے ہیں۔

رومیوں کی دست اندازیوں کا سدِّ باب اور فتوحات :

اسکندریہ (بحرِ روم پر مصر کی بندرگاہ) حضرت فاروقِ اعظمؓ کے زمانے میں فتح ہو چکا تھا۔ ۲۵ سال بعد قیصر روم نے رُومی شہریوں کے ذریعے یہاں بغاوت کرا دی اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑا اُن کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے پہنچ کر رومیوں کو شکستِ فاش دی۔ اس کے بعد ایشیائے کوچک (لیڈیا) میں بہت بڑی تعداد میں رومی جمع ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے اُنھیں منظّم ہونے کی مہلت نہ دی اور سلمان بن ربیعہ کو آرمینیا سے ہٹا کر وہاں بھیجا۔ وہ راستے میں کئی قلعے فتح کرتے ہوئے رومیوں کے مقابلے پر پہنچے اور اُنھیں ایسی ضربیں لگائیں کہ پھر نہ اُٹھ سکے۔

انھی ایام میں حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کو تسخیر کیا۔ پھر اران اور گرجستان کو امیر معاویہؓ نے جزیرۂ قبرص کے مشرق میں طرطوس اور انطاکیہ میں رومی بحریہ کے مرکزوں اور تنصیبات کو تباہ کر دیا۔ ایشیائے کوچک کے مقامِ بروسہ میں حضرت عثمانؓ کی منشا کے مطابق مسلمان فوجوں کی چھاؤنی قائم کر دی اور بحرِ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ جہاں سے رومی بحریہ حملہ کر کے شام میں داخل ہو سکتی تھی مُسلم نو آبادیاں قائم کر دیں۔

مصر کے انتظامات میں تبدیلی :

حضرت عمروؓ بن عاص مصر کے فاتح بھی تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانے سے وہاں کے گورنر بھی۔ اس ملک کے دوسرے حصے پر جو سعید مصر کہلاتا تھا، عبداللہ بن ابی سرح کی حکومت تھی۔ مصر کے یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے سے شاکی تھے۔ عبداللہ کو شکایت تھی کہ عمرو کی وجہ سے خراج کی رقم گھٹ گئی۔ عمرو کو گلہ تھا کہ عبداللہ نے دفاع کو کمزور کر دیا ہے۔ آمدنی اور خراج کی کمی خلیفہ ثانی کے وقت سے تھی۔

حضرت عثمانؓ نے عمروؓ سے آمدنی میں اضافہ کرنے کو کہا تو انہوں نے صاف جواب دیا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ چنانچہ امیر المومنینؓ نے ان کو معزول کر کے ابنِ ابی سرحؓ کو پورے مصر کا والی بنا دیا۔ خراج کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ سے فرمایا "اونٹنی نے تو زیادہ دودھ دے دیا" اس پر عمروؓ نے جواب دیا "ہاں، دودھ تو زیادہ نکال لیا گیا مگر بچے بھوکے رہ گئے"

مصر، شام اور قبرص وغیرہ رومیوں نے کھو دیے اور پھر کسی جتن اور تدبیر سے بھی ان کو واپس لینے کی اُمید نہ رہی تو قیصر نے شمالی افریقہ کے ملکوں سے اتحاد کی تدبیر کی۔ حضرت عثمانؓ نے ابنِ ابی سرح کو ایک منصوبے کے مطابق افریقہ سے جنگ کی اجازت دے دی۔ اس مہم کے سلسلے میں ایک لشکر بھی مدینے سے روانہ فرمایا جس میں ابنِ عباسؓ، ابنِ عمرؓ، عمرو بن عاصؓ، ابنِ جعفرؓ، حسن بن علیؓ، حسین بن علیؓ اور ابنِ زبیرؓ جیسے اصحابِ کبار شامل تھے۔

ابن ابی سرح لشکر کی آمد اور اپنی تیاری کے بعد مصر سے روانہ ہوئے اور تیونس کے پاس پہنچ کر دم لیا۔ رومیوں اور زنگیوں نے سبیطلہ کے قریب میدان میں فوجوں

کو ترتیب دیا۔ سبیطلہ جنوبی تیونس کے مشرقی علاقہ میں مشہور شہر تھا۔ رومیوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی ۔مسلمان مجاہدین پچیس ہزار سے بھی کم تھے۔ رومی سپہ سالار جرجیر نے اعلان کرایا کہ جو کوئی ابنِ ابی سرح کو قتل کرے گا، میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروں گا اور ایک ہزار اشرفیاں انعام دوں گا۔ ابنِ ابی سرح کو خبر ہوئی تو انھوں نے جواب میں یہ اعلان اُسی پر لوٹا دیا۔ ایک مُسلمان سپاہی نے مُنادی کردی کہ جو کوئی جرجیر کا سر قلم کرے گا، اُس کی صاحبزادی سے نکاح کا استحقاق پائے گا اور ایک ہزار طلائی دینار علیحدہ ملیں گے۔

نمازِ فجر کے بعد شدید خوفناک لڑائی شروع ہوگئی۔ ابنِ زبیرؓ رومی سپہ سالار کی تاک میں تھے۔ گھماگھمی میں وہ اُس کے قریب پہنچ گئے اور اپنا نیزہ جرجیر کے سینے کے پار کردیا۔ انجامِ کار جنگ جیت لی گئی۔ سبیطلہ اور اُس کے قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ ابنِ ابی سرحؓ نے فتح کی اطلاع کے لیے حضرت عثمانؓ کے پاس قاصد روانہ کیا۔

بحریہ کے قیام کا پس منظر :

امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ جو اس وقت شام کے گورنر تھے، روم کے دو صوبوں قباد اور قیا سے جو ایشیائے کوچک کے مشرق میں آرمینیا کے متصل ہیں، سخت پریشان تھے۔ قیصر کی فوجیں ان صوبوں سے جارحانہ کارروائیاں کرتی رہتی تھیں۔ آپ نے ۲۵ھ میں حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر حملہ کردیا۔ اور ایک اہم شہر عموریہ کو فتح کرلیا۔ مگر آگے نہیں بڑھے اور بحریہ کے قیام کی مرکز سے اجازت ملنے کی اُمید پر واپس شام آگئے۔

امیر معاویہؓ کا خیال شروع ہی سے تھا کہ قسطنطنیہ پر جب تک قبضہ نہ ہوگا شامی فوجوں کو رومیوں کے روکنے کے لیے مصروف رہنا پڑے گا۔ قسطنطنیہ تک

پہنچنے کا راستہ بہت مشکل تھا۔ راستے میں بے شمار نشیب و فراز اور پہاڑیاں حائل تھیں۔ رومیوں کے پاس بہت سے بحری بیڑے اور چھوٹی جنگی کشتیاں تھیں جن کے ذریعے وہ بحیرۂ ابیض کے ساحل پر اپنی فوجیں اُتار چکے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے بھی امیر معاویہؓ نے درخواست کی تھی، مگر وہ بحری جنگ کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب اصرار کیا تو حضرت عمرؓ نے مصر کے حاکم حضرت عمروؓ بن العاص سے کہا کہ سمندر کی حالت، اُس کے سفر اور کیفیت کا مشاہدہ کر کے لکھو۔ انھوں نے تعمیل کی اور ایک خط کے ذریعے منفی رائے کا اظہار کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بعد بحریہ کے قیام کی اجازت نہیں دی۔

امیر معاویہؓ خاموش ہو گئے مگر اس ضرورت کا خیال برابر رہا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ اُن کے پاس حاضر ہوئے اور بحری بیڑے کی ضرورت کا اظہار کیا۔ آپؓ نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو لوگ سمندری فوجوں میں شامل ہونے کا ذوق اور رغبت رکھتے ہوں، صرف اُن ہی کو بھرتی کیا جائے۔

امیر معاویہؓ نے جنگی کشتیاں تیار کرانا شروع کیں اور ۲۸ ہجری میں پہلا بحری حملہ جزیرۂ قبرص پر کیا۔ اس سمندری معرکے میں حضرت عُبادہ بن صامتؓ اور بہت سے اصحابِ رسولؐ نے شرکت فرمائی۔ حضرت عبدُاللہؓ بن سعد سپہ سالار مصر بھی آکر شامل ہو گئے۔

قبرص کے رومی بیڑے نے مقابلہ کیا مگر مسلمان اُن کی کشتیاں ڈبو کر ساحل پر اُتر گئے۔ اہلِ قبرص نے شرطیں مان کر مصالحت کر لی اور سات ہزار اشرفیاں سالانہ جزیہ دینا از خود صلحنامہ میں شامل کر لیا۔

حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ رومی ملاحوں اور جہاز سازوں کو قتل کرنے کے بجائے اسیر بنانے کی کوشش کرو اور جہاز سازی کے فن میں مسلمانوں کو تربیت دلاؤ۔

اس ہدایت پر عمل کیا گیا جس کی وجہ سے مسلمان بڑھتی، اپنی صلاحیت و جدت طبع کی بدولت، یونانیوں اور رومیوں سے بھی بڑھ گئے۔

عبداللہ بن سعد کے زمانے میں جب رومیوں نے اپنی پوری بحری طاقت سے مصر پر حملہ کیا، جس میں اُن کے بڑے بڑے اور بہت سے اسطول[1] شامل تھے تو امیر معاویہؓ اپنی بحریہ کو لے کر فوراً پہنچ گئے۔ بحیرہ روم میں اس سے قبل اتنی بڑی لڑائی نہیں ہوئی ہوگی۔ رومیوں کے بیڑے میں چھ سو جہاز اور کشتیاں تھیں۔ امیر معاویہؓ نے اپنی کشتیوں کو آپس میں باندھ دیا اور سطح بحر پر میدان کی طرح صف کی۔ رومیوں نے بری طرح شکست کھائی اور ان کی بہت سی کشتیاں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں۔ شام و افریقہ کے ساحلی شہر قیصر روما کی تاخت و تاراج سے محفوظ ہو گئے۔

یہودیوں کی سازش :

اس سازش کو تجریدی طور پر بیان کرنے سے تشنگی رہے گی، اس لیے اسے پس منظر میں رکھ کر بیان کریں گے۔ تقریباً دو ہزار برس سے آلِ اسرائیل (یہودی) تمام انسانوں کی رہنمائی پر مامور تھے۔ اس طویل مدت میں اُن کے اندر بناؤ اور بگاڑ کا مسلسل عمل ہوتا رہا۔ اگرچہ بننے والے آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ خود اُن کے اندر سے انبیاءؑ اُٹھتے رہے مگر یہ لوگ اپنے ان محسنوں کو ذلت آمیز اور دردناک عذاب دے کر مارتے بھی رہے۔ اناجیلِ اربعہ اور تورات کے بڑے بڑے مصاحفِ خمسہ ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ قرآن بھی بار بار ذکر کرتا ہے اور سورۂ بنی اسرائیل میں یہودیوں پر فردِ جرم لگاتا ہے۔ وہ بنی اسرائیل کے فتنوں اور فساد

---

[1] اسطول، اس بیڑے کو کہتے ہیں جس میں بہت سے جہاز شامل ہوں۔

کی طرف بھی واضح اشارات کرتا ہے، جن میں سے پہلے فساد کے نتیجے میں یہ اُمّت ۶۰۰ ق م قبلِ مسیح میں اشوریوں اور اہلِ بابل کے ہاتھوں تباہ ہوئی تھی۔ تقریباً چار سو برس کے بعد اس مقہور اُمّت کو پھر سنبھالا دیا گیا۔ سائرس[1] نے تختِ بابل پر قبضہ کیا اور بنی اسرائیل پر مہربانی کرتا رہا۔ اُن کو شام جا کر دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دی گئی اور ہیکلِ سلیمانی کی ازسرِ نو تعمیر ہوئی۔ حضرت عزرا (عُزیر) اسی قیدی قوم کے واپسی کی اجازت ملنے کے موقع پر لیڈر تھے۔

غرضکہ یہودیوں کی تاریخ مسلسل نافرمانیوں سے عبارت ہے۔ آخر میں حضرت عیسیٰؑ نے انھیں نافرمانی کے نتائجِ بد سے ڈرایا اور دوسرے عذاب و فساد کی خبر سنائی۔ ان لوگوں کی سنگدلی کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سرِ مبارک، ایک رقاصہ کی فرمائش پر، اُن ہی دنوں قلم کیا گیا۔ اس کے چند ہی برس بعد یہودیوں کے ربیّوں کے کہنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر ذلیل کیا گیا اور پھر انھیں پھانسی کا حکم دلایا گیا۔ تھوڑے سے راست باز انسانوں کے سوا کوئی نہ تھا جو ان بدبخت یہودیوں کی سرگرمیوں پر نالہ و شیون کرتا۔ حد یہ ہے کہ جب رومی گورنر پونٹس پیلاطس نے ان شامت زدہ لوگوں سے پوچھا کہ آج تمھاری عید ہے اور دستور کے مطابق میں ایک پھانسی کے مجرم کو چھوڑتا ہوں، بتاؤ یسوع (حضرت عیسیٰؑ) کو چھوڑوں یا برابا ڈاکو کو؟ تو یہودیوں کے سارے مجمع نے ایک آواز ہو کر کہا "اے مہربان گورنر! برابا کو چھوڑ دو اور یسوع کو لٹکا دو۔"

ان واقعات کے بعد بیس پچیس برس کے اندر، ۶۵ء میں، رومیوں نے حملہ کر کے یہودیوں کو تہس نہس کر دیا۔ یروشلم شہر اور ہیکل کو مسمار کر کے پیوندِ خاک کر دیا

---

[1] ۵۴۰ قبل مسیح میں ایرانی فاتح جس نے بابل فتح کر کے بنی اسرائیل کو آزاد کیا اور اپنے وطن جا کر آباد ہونے کی اجازت دی۔ حضرت عُزیر (عزرا) بھی انھی جلاوطن لوگوں میں شامل تھے۔ انھوں نے واپس آکر دوبارہ ہیکل سلیمانی تعمیر کیا۔

گیا۔ صرف یروشلم میں قتل ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ ۳۳ ہزار ہے۔ ۶۷ ہزار پکڑ کر غلام بنا لیے گئے۔ ہزاروں کو پکڑ کر مصری کانوں میں بیگار کے لیے بھیج گیا۔ ہزاروں کو ایمفی تھیٹروں میں لے جایا گیا تاکہ شمشیر زنوں کے کھیل کا تختہ مشق بننے کے لیے استعمال کیا جائے۔ دراز قد اور حسین یہودی لڑکیاں رومی سپاہیو نے اپنے لیے مخصوص کر لیں۔ یہ تھا وہ دوسرا فساد جس کی پیشین گوئی حضرت عیسیٰ نے کی تھی۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبریں بائیبل کے موجودہ نسخوں میں عہد نامۂ قدیم کی استثنا : ۱۸-۱۹ اور ۲۳-۲۰ میں، اور عہد نامۂ جدید کی یوحنا ۱۴-۱۶ اور ۱۴-۲۶ اور ۶-۸ آیات میں، اور انجیل برنا باس میں بڑی تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ متی اور یوحنا میں صاف اشارات ملتے ہیں۔

انبیائے سابقین کی پیش گوئیوں کے مطابق ۶ اگست ۶۱۰ء کو جب وہ فارقلیط (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) فاران کی چوٹیوں سے ضو فشاں ہوا تو یہود اپنی دیرینہ عصبیت کی وجہ سے، مہر نبوت کی شعاعوں کو جھوٹ و افترا کی گرد سے غبار آلود کرنے ہی میں مصروف نہیں ہوئے بلکہ انجیل کی بشارت والے نبی کو کئی بار قتل کرنے کی سازشیں کیں۔ زہر بھی دیا، مدینے کی اسلامی ریاست پر کفار

سلہ یہ انجیل برنا باس کی مرتب کی ہوئی ہے۔ اس کا مرتب حضرت مسیحؑ کے اولین بارہ حواریوں میں سے ایک ہے وہ اس انجیل کے متعلق خود بیان کرتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت مسیحؑ نے یہ کام میرے ذمے کیا تھا کہ غلطیاں ہمارے بارے میں لوگوں میں پھیل گئی ہیں، ان کو صاف کرنا اور صحیح صورت حال دنیا کے سامنے لانا تمہیں پر دہے۔ یہ انجیل پانچویں صدی عیسوی کے بعد تک کلیساؤں میں پڑھی جاتی رہی۔ چھٹی صدی کا ایک ربع گزرنے کے بعد اسے پاپائے اعظم نے اس وجہ سے غائب کرا دیا کہ اس میں عقیدۂ تثلیث کا شائبہ تک نہیں۔ عیسیٰؑ کو اللہ کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے اور دوسری تمام خرافات بھی اس میں نہیں ہیں۔ بار بار حضرت محمدؐ کی آمد کی بشارات و اعلانات ہیں۔ عیسائی دنیا کو احساس ہوا کہ یہ کتاب ہمارے مطلب کی نہیں بلکہ اس سے ہمارے مذعومہ ہی کی جڑ کٹ جائے گی۔ مروجہ انجیلوں میں سے کسی کا مصنف مسیحؑ کا ہمعصر تک نہیں ہے۔ ابتدائی حواریوں کی جو فہرست موجودہ انجیلوں میں دی گئی ہے اُن میں اسی سازش کے تحت برنا باس کا نام نکال کر "..." کا نام لکھا گیا ہے۔

چڑھالائے، ایک مسلم قبیلے کو مکاری کے ذریعے گھیر کر اس کے کچھ افراد کو مار دیا اور خبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دَثنہؓ کو اغوا کر کے مکہ لے گئے اور اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ تھے ان کے کرتوت۔ لہٰذا جب کوئی فہمائش کارگر نہ ہوئی تو اللہ نے ذلت و مسکنت کا فیصلہ سنا دیا۔ یہودیوں کو قتل اور جلاوطن کر دیا گیا اور وہ چوٹ کھائے ہوئے افعی کی طرح پیچ و تاب کھاتے ہوئے موقع کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

چند برسوں میں اسلام مشرق سے مغرب کی حدود تک جا پہنچا۔ کروڑوں آدمی ملتِ اسلامیہ میں داخل ہو گئے۔ اُن کے فکر و عمل کے لیے تربیت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو سکتا تھا۔ یہودیوں نے بھانپ لیا کہ مسلمانوں میں انتشار اور اسلام میں خلفشار پیدا کرنے کے لیے مناسب وقت یہی ہے۔ ایک انتہائی چالاک اور سازشی ذہن کا حامل یہودی عبداللہ بن سبا (لقب ابن السّوداء) اسلام کے خلاف تحریک کا قائد بنا۔ وہ یمن سے مدینے آیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔

سب سے پہلے اُس کی سرگرمیوں کا اظہار بصرہ میں ہوا۔ وہ حکیم بن جبلہ[1] کے پاس ٹھہرا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک پُراسرار منصوبے کے مطابق مسلمانوں کو بھڑکانے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اہلِ اسلام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ اس لیے اُس نے اسی راستے سے اپنے خیالات

---

[1] حکیم بن جبلہ ڈاکوؤں کا سرغنہ تھا۔ بھیس بدل کر زیادہ تر ذمیوں کے مال لوٹتا تھا۔ بصرہ میں رہتا اور قرب و جوار اور مضافات کے علاقوں کو تختۂ مشق بناتا۔ بصرہ عبداللہؓ بن عامر کی گورنری کا مرکز ہونے کی وجہ سے اپنی مثالی [illegible] رکھتا تھا۔ ابن عامر نے حکیم کو جب کبھی محاذِ جنگ پر بھیجا، وہ لڑائی میں شریک ہی نہیں ہوا۔ اِدھر اُدھر چوریاں کرتا پھرا۔ بعض مرتبہ اس کو لوگوں نے پہچان لیا اور عبداللہ بن عامر سے شکایت کی۔ آپ نے اس کو ساتھیوں سمیت شہر بصرہ سے نکلنے پر پابندی لگا دی تھی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکوؤں کا یہ گروہ بھی ابنِ سبا کی خفیہ تحریک کا رکن تھا۔

ان ناپختہ لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کی۔ کبھی بڑے دردمندانہ انداز میں کہتا "مجھے اپنے بھائی مسلمانوں پر تعجب ہوتا ہے جب میں اس بات پر غور کرتا ہوں کہ وہ اس کو تو مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دُنیا میں نزول فرمائیں گے مگر وہ اس کے قائل نہیں کہ سردارِ انبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے" کبھی کہتا "میرے بھائیو! یہ کس قدر حیرت ناک بات ہے کہ تمھارے اندر آلِ محمد موجود ہے مگر تم خلیفہ دوسروں کو بناتے ہو"۔ کبھی بتاتا "دیکھ لو، دیکھ لو خلیفہ صاحب کی اقربا پروری، کہ سب کلیدی مناصب بنو اُمیہ کے پاس ہیں"۔

چونکہ اس کی باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل کی محبت و خیر خواہی کا اظہار ہوتا تھا، اس لیے عوام جو دین میں مطلوبہ حد تک راسخ العقیدہ نہیں ہوئے تھے اس کی باتیں بڑی توجہ سے سنتے تھے۔

عبداللہ بن عامر کو ان باتوں کی خبر ہوئی تو انھوں نے ابنِ سبا کو طلب کیا اور پوچھا "تم کون ہو؟" اُس نے کہا "پہلے تو اہلِ کتاب تھا، اب اسلام قبول کر چکا ہوں اور اسلام کے نظام و احکام کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہاں اس لیے آیا ہوں کہ سایۂ عاطفت میں رہوں" انھوں نے کہا "تمھاری جو باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں اُن سے تو سمجھتا ہوں کہ تم عراقیوں کو گمراہ اور اصلاح میں فساد پیدا کر دو گے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ میں ایسے لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتا"۔ اس کے بعد وہ خود تو کوفہ چلا گیا مگر لوگوں کے ذہن و دماغ میں فساد کا بیج بو گیا۔ اس کی نادیدہ ذریت یہیں رہ گئی۔ اہلِ کوفہ کی سرشت اُس کے مقصد کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ اسی انداز سے یہودیوں کا وہاں بھی کام ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد وہاں سے بھی ابنِ سبا کو نکال دیا گیا۔ وہ مصر پہنچ گیا۔

یہاں آکر اس نے بڑے پیمانے پر زیرِ زمین تحریک چلائی۔ اس نے لوگوں کو بتایا دُنیا میں ایک ہزار نبی گزرے ہیں۔ ہر نبی کا ایک وصی ہوا ہے اور حضور کے وصی

ہیں۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے، بالکل اسی طرح علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ جو لوگ اپنے نبیؐ کی وصیت پوری نہ کریں اُن سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ خلافت کے ہرگز مستحق نہیں ہیں، جب کہ وصیِ رسول موجود ہے۔ لوگو! انصاف کرو۔ حق دلاؤ۔ اُٹھو۔ تحریک چلاؤ۔ ظالم خلیفہ اور اُس کے اُمراء غاصب و نااہل ہیں، انھیں نکال دو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اور کونسا وقت آئے گا۔

یہ اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں خفیہ مجلسوں میں ہوتی رہیں۔ ان عقائد پر جو لوگ جم جاتے تھے اُن کو مختلف شہروں میں بھیج دیا جاتا تھا اور وہ وہاں کے باشندوں کو گمراہ و برگشتہ کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصر کے تمام شہروں میں سبائی فرقے کی خفیہ جماعتیں قائم ہو گئیں۔ عراق میں بھی یہودیوں کی تحریک جاری تھی اور عبداللہ بن سبا کا کام بدستور ہو رہا تھا۔ وہاں بھی جماعت سازی ہو چکی تھی۔

یہ لوگ خاص منصوبے اور پروگرام کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ فرضی حالات لکھ کر پوشیدہ طریقے سے بھیجتے رہتے تھے۔ ان میں عُمّال، خلیفہ اور دوسرے بعض کارپردازوں کی غلطیوں اور اختیارات کے ناجائز استعمال وغیرہ کی مصنوعی شکایتیں ہوتی تھیں۔ یہ خطوط جگہ جگہ سنا کر نظامِ خلافت کے خلاف لوگوں کے جذبات بھڑکائے جاتے۔ سُننے والے معصوم لوگ پریشان ہو جاتے اور درشت مزاج اربابِ اقتدار کی شان میں سخت الفاظ بھی کہہ جاتے۔ عراق کے عوام ان خطوں کو سُن کر کہتے کہ شکر ہے ہمارے ہاں ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ اہلِ مصر سُنتے تو کہتے ہم خوش نصیب ہیں کہ عراقیوں کی طرح نشانہ ستم نہیں بن رہے ہیں۔ غرض اہلِ عراق مصر کی حالت پر افسوس کرتے اور مصر والے عراقیوں پر ترس کھاتے۔ اہلِ مدینہ کے پاس سب طرف سے خط پہنچتے اور وہ سب کی حالت پر غم زدہ ہو کر اللہ کا شکر ادا کرتے کہ سب سے خوش قسمت ہیں۔

صحابہ کرام نے امیر المومنینؓ سے کہا "ہمارے پاس اس مضمون کے خطوط آتے

ہیں۔ آپ کو بھی ان حالات کی کچھ خبر ہے؟ انھوں نے فرمایا "میرے پاس تو ہر جگہ سے یہی خبر آتی ہے کہ سب ٹھیک ہے"۔

جائزہ کمیٹی کا تقرر :

مجلسِ مشاورت کی رائے کے بعد آپ نے مختلف ملکوں میں حالات دریافت کرنے کے لیے معتبر صحابہؓ کی ایک کمیٹی بنائی۔ محمدؓ بن مسلمہ کو کوفہ بھیجا، اسامہؓ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور عمار بن یاسرؓ کو مصر۔ ان کے علاوہ بھی کچھ خاص اصحاب کو دوسری جگہوں پر بھیجا۔ یہ سب حضرات بجز حضرت عمارؓ کے واپس آئے اور بتایا "امیر المومنینؓ! ہمیں نہ تو کوئی شاکی ملا نہ غیر مطمئن تمام انتظام مناسب اور درست ہیں۔ کوئی بدامنی نہیں۔ کوئی نئی بات نہیں"۔ قدیم و جدید تاریخ نگاروں کا بیان ہے کہ صرف عمارؓ واپس نہیں آئے۔ انھیں شورش پسندوں نے حکمتِ عملی چرب زبانی سے متاثر کر دیا۔ عبداللہ بن سعد والیٔ مصر نے مرکزِ خلافت کو اطلاع دی کہ عمارؓ یہاں آکر ایک جماعت میں شامل ہو گئے ہیں، جس کے سرگروہ عبداللہ بن سبا، خالد بن ملجم، سودان بن عمران اور کنانہ بن بشر ہیں۔

مدینہ اور شام کی سیاسی حالت :

ملک شام میں حضرت امیر معاویہؓ کی سیاسی بصیرت اور حزم و تدبیر کی وجہ سے خفیہ تحریک نہ چل سکی۔ پھر بھی عبداللہ بن سبا اور یہودی معاندین کی وجہ سے ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک ممتاز صحابی کو بھڑکانے کا کام کیا۔ ابن سبا جن دنوں میں شام پہنچا، وہاں حضرت ابوذر غفاریؓ بھی تھے۔ اس مکار یہودی نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اُن سے ملنے کا پروگرام بنایا اور ملاقات

کے دوران اُن سے کہا "شام کے گورنر (معاویہؓ) کی یہ چال تو ملاحظہ فرمایئے کہ وہ بیت المال کے خزانے کو جو مسلمانوں کا ہے، اللہ کا مال کہتے ہیں۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ اُسے مسلمانوں کو نہ دیں اپنے قبضے میں رکھیں" یہ سُن کر حضرت ابوذرؓ امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور پوچھا "اس کی وجہ کیا ہے کہ تم مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کہتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "تمام مخلوق اللہ کی ہے۔ سارا مال اللہ کا ہے" حضرت ابوذرؓ نے کہا "اس طرح نہیں کہنا چاہیے۔ وہ تو مسلمانوں کا مال ہے" اُنھوں نے کہا "حضرت! میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کا مال نہیں ہے"

اس کے بعد ابن سبا حضرت ابُو درداءؓ سے ملا۔ اُنھوں نے اس کی باتیں سُن کر تاڑ لیا اور فرمایا "میرا خیال ہے تو اسلام کا دشمن یہودی ہے" پھر وہ حضرت عبادہؓ بن صامت سے ملا۔ وہ اُس کا اندازِ گفتگو سُن کر بہت برہم ہوئے، پکڑ کر امیر معاویہؓ کے پاس لے گئے اور بتایا "یہی تو وہ آدمی ہے جس نے ابوذرؓ کو بھکا کر تم سے بحث و تکرار کرنے کے لیے بھیجا تھا"

سبائی تحریک نے بڑی ہوشیاری سے اپنا کام کیا تھا۔ علاقے کے لوگوں میں بدگمانی کا بیج بو دیا تھا۔ جو عدم تربیت کی حالت میں تھے وہ اُس کے مقصد کے مُطابق شعلہ مزاج اور بہت جذباتی بن گئے اور جو تربیت یافتہ مگر سادہ مزاج تھے، اُن میں سے بھی کچھ غلط فہمی میں پڑ گئے۔

یہودی تنظیم نے بعض کارکنوں اور مکتوبات کے ذریعے جو کمند مدینے والوں پر ڈالی تھی، اُس کا اثر بعض آدمیوں پر ہوا۔ اس سے اُن کی طبیعتوں میں بھی اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ یہاں تک کہ ایک دو اشخاص امیر المومنینؓ کے ساتھ سخت کلامی پر بھی اُتر آئے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے مخصوص مزاج کے مطابق صبر و تحمل سے کام لیا۔

اُمرا کا اجتماع

اِن پُراسرار خبروں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تو حضرت عثمان غنیؓ نے اُمرا کو لکھا کہ وہ حج کے موقع پر آئیں اور مجھ سے ملیں۔ جب یہ لوگ آئے تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا "حدودِ خلافت میں یہ کیسا فتنہ برپا ہے؟ یہ کون لوگ ہیں جو مسلمانوں میں بے اطمینانی اور شورش پھیلا رہے ہیں؟"

اُمرا نے کہا "افواہیں تو ہم بھی سنتے رہتے ہیں، لیکن ثبوت نہیں ملتا۔ بے بنیاد کسی کی گرفت بھی نہیں کر سکتے۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا "یہ عجیب فتنہ ہے۔ میں نے تم کو اسی لیے بُلایا ہے کہ مشورہ کر کے اس کے انسداد کی تدابیر کریں۔"

سعید بن عاص نے کہا "معلوم ہوتا ہے، پُراسرار طور پر یہ افواہیں گڑھی اور ناواقفوں میں پھیلائی جاتی ہیں تاکہ امیر المومنین اور ذمّے دار افسروں کا وقار، دیانت اور صلاحیت مشتبہ ہو جائے۔ اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ جو لوگ اس کے محرّک ہوں، انھیں قتل کر دیا جائے۔"

عبداللہ بن سعد نے کہا "میں ابنِ عاص کی رائے سے اتّفاق کرتا ہوں۔"

امیر معاویہؓ نے کہا "میرے صوبے میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں اُن امرا کی رائے زیادہ صحیح ہوگی جن کے انتظامی ممالک میں فساد اور افواہیں اُڑا رہے ہیں۔ مفسدوں کی عبرت انگیز گوشمالی لازم ہے۔"

عمرو بن عاصؓ نے کہا "محترم امیر المومنینؓ! میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی طرف سے نرمی ہو رہی ہے۔ اشخاص کی آزادی کو اُس حد تک قائم رکھنا چاہیے کہ اُمّت میں انتشار اور خلفشار پیدا نہ ہو۔ سوچنے کی بات ہے کہ کچھ شر پسند اور اِسلام دشمن اُٹھیں

دبے پاؤں، تاریکیوں میں چل کر، اپنی جماعتیں اور تباہ کاری کے منصوبے بنائیں، مگر نہ اُنھیں ڈھونڈا جائے نہ چُن چُن کر قتل کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ کب تھا۔ اگر اُن کے زمانے میں کچھ سرپھرے ایسی حرکات کر بیٹھتے تو فاروقی دار و گیر اُن کو اس طرح پکڑتی کہ ایسے لوگوں کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا "صاحبو! یہ فتنہ اپنے کمال کو پہنچے گا۔ اس کا دروازہ عنقریب کُھلنے والا ہے۔ میں اُس کا ملزم نہیں ہوں گا (اِن شاءَ اللہ) اور میں اس فساد کے سلسلے میں کوئی ذمّے داری اپنے سر لینے سے خوف کرتا ہوں۔ بہرحال، میں نے لوگوں کے لیے بجز خیر کے اور کچھ نہیں کیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ اُسی فتنے کا پیش خیمہ ہو جس کی خبر اللہ کے رسولؐ دے چکے ہیں اور مجھے صبر کی تلقین فرما چکے ہیں۔"

اُمرا کو رُخصت کر دیا گیا۔ مجلسِ مشاورت برخاست ہوگئی۔ روانگی سے پہلے حضرت معاویہؓ نے کہا "آپ میرے ساتھ شام چلیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ کوئی بُرا نتیجہ پیدا کرے۔" فرمایا "میں آنحضرتؐ کے قُرب کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔" اُنھوں نے عرض کیا "میں شام سے فوج بھیج دوں کہ وہ مدینے میں رہ کر آپؓ کی حفاظت کرے۔" ارشاد فرمایا "اُس سے مدینے کے شہریوں کو تکلیف ہوگی۔ معاویہؓ! میں تو رضائے الٰہی پر راضی ہوں۔"

سبائی جماعت کا اقدام: بصرہ، کوفہ اور مصر کے سبائی اپنی اپنی نمایندہ جماعتیں بنا کر روانہ ہوئے۔ پوچھا گیا "کہاں جاتے ہو؟" بتایا، "مدینے جا کر امیر المومنینؓ سے بعض اُمور کے سلسلے میں باتیں کرنی ہیں۔" قرارداد کے بموجب مدینے کے قریب آکر یہ لوگ مل گئے اور کچھ آگے بڑھ کر شہر کے متصل ٹھہر گئے۔

حضرت عثمانؓ نے دو آدمیوں کو بھیج کر ان کے آنے کی غرض معلوم کی۔ واپس آکر اُنھوں نے بتایا کہ یہ لوگ آپ کی غلطیاں اور اختیارات کے غلط استعمال کی نشاندہی

کرکے استعفے کا مطالبہ کریں گے۔ اگر آپ انکار کریں گے تو قتل کر دیں گے۔ آپؓ یہ سُن کر ہنسے اور سبائیوں اور صحابۂ رسولؐ کا اجتماع بلا کر ساری بے حقیقت شکایتیں سُنیں اصحاب رسولؐ یہ منظر دیکھ کر پریشان بھی ہوئے اور غضب ناک بھی۔ انھوں نے کہا حکم دیجیے کہ ان لوگوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا "نہیں"۔ اس کے بعد آپ نے اُن کے ایک ایک اعتراض کا بڑی معقولیت سے مُدلّل جواب دینا شروع کیا۔ اُن میں سے چند ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں :

۱۔ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کئی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ تم نے صرف ایک کتاب رکھی اللہ اپنی کتاب کا خُود مُحافظ ہے۔ کس میں طاقت ہے جو گھٹا یا بڑھا سکے۔ اس کی کتابت قرآن کے سب سے زیادہ مُعتمد صحابہؓ نے کی ہے اور اس مصحف کے مطابق کی ہے جو اُمّ المومنینؓ کے پاس موجود ہے۔ کیا یہ دُرست ہے؟ آوازیں آئیں "آپؓ نے صحیح فرمایا"۔

۲۔ یہ کہتے ہیں کہ تم نے ایک نوجوان شخص یعنی عبدُاللہ بن عامر کو والی بنا دیا۔ حالانکہ میں نے اسے عقل و دانش، دین داری اور جُراءت و تقویٰ کو دیکھ کر امیر مقرّر کیا ہے محض نوجوان ہونا کوئی عیب نہیں۔ مجھ سے پہلے شیخینؓ کے زمانے میں بھی ایسا ہوا اور حضورؐ کے عہد کی یہ مثال موجود ہے کہ آپؐ نے حضرت اُسامہؓ کو جو صرف ۱۷ سال کے تھے، ابنِ عامر سے بھی اُن کی عمر ۸ سال کم تھی، امیر بنایا تھا۔ کیا میں غلط کہتا ہوں لوگ بول اُٹھے "آپ نے بجا فرمایا"۔

۳۔ یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے رشتہ داروں کو سارا مالِ غنیمت دے دیا۔ اُن کا اشارہ عبدُاللہ کی طرف ہے۔ حالانکہ میں نے عبداللہ بن سعد کو خمسِ غنیمت میں سے صرف پانچواں حصّہ دیا تھا۔ مجھ سے پہلے شیخین کے زمانوں میں بھی ایسا ہوا ہے مگر اس کے باوجود جب مجھے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے اس کو پسند نہیں کیا تو میں نے ابنِ سعد سے وہ

ساری رقم واپس لے لی۔ کیا یہ امرِ واقعہ نہیں ہے؟ سب نے کہا "درست ہے"۔
۴۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اقربا کو عہدے دے رکھے ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھنا دشوار نہیں ہے کہ میرے اُوپر اُمّتِ مسلمہ کی خیر خواہی اور امارت کے فرائض انجام دینے کی ذمّے داری ہے۔ میں اُن ہی لوگوں کو کام سونپوں گا جو اہل ہوں گے اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آلِ اُمیّہ میں سب سے زیادہ باصلاحیت لوگ ہیں۔ قرابت دار زیادہ قابلِ اعتماد بھی ہوتے ہیں۔ تاہم میرے اس عمل کو اگر کچھ لوگ ناپسند کر رہے ہیں تو میں اُن کو معزول کر کے دوسرے حضرات کو ذمّے داریاں سونپنے کے لیے تیار ہوں، بشرطیکہ وہ اُن ہی کی طرح خوبی کے ساتھ خدمات انجام دے سکیں۔ کیا میں نے یہ صحیح نہیں کہا؟ آوازیں بلند ہوئیں "بالکل درست ہے"۔
۵۔ یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور اُن کو عطیات بھی دیتا ہوں۔ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو لوگوں کو خوش ہونا چاہیے۔ خدا اور رسولؐ کی مرضی کا کام ہو رہا ہے۔ قرآن اور سُنّت نے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کا حکم دیا ہے۔ اگر میں ایسا کر رہا ہوں تو حق داروں کا حق ادا کر رہا ہوں۔ ہاں، اگر یہ داد و دہش مسلمانوں کی امانت میں سے ہو تو میں گردن زدنی ہوں گا۔ میں نے جو کچھ دیا ہے ہمیشہ اپنے ذاتی مال میں سے دیا ہے۔ اپنے مال میں تصرّف کا حق تو میرے لیے سلب نہ کرو۔ کیا میں جھوٹ کہتا ہوں؟ حاضرین نے کہا "ہر گز نہیں۔ آپؓ نے ٹھیک کہا"۔
یہ جوابات دینے کے بعد آپؓ نے آسمان کی جانب سر اُٹھا کر کہا "اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ مخلوق کے سامنے مجھ عاجز کو شرمندگی اور ندامت سے بچا لیا۔ آیندہ بھی مجھے بددیانتی اور معصیت سے بچائے رکھنا۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (نفس تو بُری باتوں پر اُکساتا ہی ہے مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ وہ بچ جاتا ہے)۔
آپؓ نے ان دشمن سبائیوں کے فتنہ کو کچلنے کے لیے نہ کوئی زجر و توبیخ کی نہ کسی ملامت اور

تخفیف کے لیے اس عالی مرتبہ خلیفہ کی زبان کھلی۔ آپؓ خبیث دشمنوں کی زد پر آئے ہوئے تھے۔ اللہ نے بہت سے نیک بندوں کی حاضری میں اُس زد سے سُرخ روئی کے ساتھ نکال دیا۔ اُسی وقت شکر بجالائے اور یہودیوں کے چیلوں کو رخصت کر دیا۔

سبائی جماعت کا دُوسرا انتہائی اقدام:

یہودیوں کی نفرت کا طغیان تو اسلام کو اپنی لپیٹ میں لینے چلا تھا۔ وہ شرپسند فتنہ انگیزیوں سے طوفان برپا کر کے اُمت کے مجتمع شیرازے کو بکھیرنا اور عقائد تصورات میں زہریلی آمیزشیں کر کے پورے دین اور اس کے نظام کو درہم برہم کر دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ مدینے سے واپس پہنچ کر نامہ و پیام کے ذریعے انھوں نے پھر طے کیا کہ اُن ہی تینوں مقامات سے پھر دوبارہ بڑی بڑی جماعتوں کی صورت میں عمرہ کا اعلان کر کے نکلیں اور حسبِ سابق مدینے میں جمع ہو جائیں۔ اس قرارداد کے بموجب تقریباً ایک ہزار آدمی مصر سے روانہ ہوئے۔ ان کا سردار غافقی بن حرب تھا اور درونِ پردہ لیڈر کی حیثیت سے عبداللہ بن سبا ان کے ساتھ تھا۔ کوفے سے بھی اسی قدر لوگ نکلے۔ ان کا قائد عمرو بن اصم تھا۔ بصرے کے سبائیوں کی تعداد بھی اسی قدر تھی۔ اُن کا سرغنہ حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔ اس اقدام کو عام انداز میں ظاہر کرنے کے لیے یہ لوگ ایک ساتھ نہیں نکلے۔ بلکہ یکے بعد دیگرے چار قافلے بنا کر چلے۔ پھر آگے پہنچ کر ساتھ ہو گئے اور مدینے کے پاس جا کر تینوں مقامات کے سبائی مل گئے۔

اس رائے پر تو سب متفق تھے کہ امیر المومنینؓ کو قتل کر دیں۔ لیکن خلیفہ کس کو بنائیں؟ اس پر اتفاق نہ تھا۔ بصرے والوں میں اکثریت حضرت طلحہؓ کی خواہاں تھی۔ کوفے والے حضرت زبیرؓ کے حق میں تھے۔ لیکن عبداللہ بن سبا، سارے مصری

دوسرے علاقوں کے بعض سرگرم کارکن حضرت علیؓ کو چاہتے تھے۔

ابھی مدینہ بلیں پچیس میل آگے تھا کہ عبداللہ بن سبا نے اپنے گروہ کے لوگوں کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر علیحٰدہ علیحٰدہ ٹھہرا دیا، اور کہا کہ پہلے میں مخبروں سے مدینے کے حالات معلوم کرالوں۔ پھر آیندہ پروگرام پر عمل ہوگا۔ اُس نے اپنے معتمدین خاص میں سے زیاد اور عبداللہ کو بھیجا۔ یہ دونوں مدینے پہنچے اور فضا معمول کے مطابق دیکھ کر حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور علیؓ سے مل کر انھیں آمادہ خلافت ہونے کی ترغیب دی۔ ان عالی مرتبت بزرگوںؓ نے انھیں سخت سست کہا اور نکال دیا۔ یہ لوگ ابنِ سبا کی فرودگاہ پر واپس چلے آئے۔ ابنِ سبا نے پوری جمعیت کو یکجا کر کے شہر مدینے میں داخلے کا حکم دیا۔ بلوائیوں نے چاروں جانب سے نعرے لگاتے ہوئے امیر المومنینؓ کے مکان پر ہلّہ بول دیا اور حصار میں لینے کے بعد اعلان کیا کہ جو کوئی اپنی تلوار میان میں رکھے گا، اُس کو امان ہے۔

جس شب نعروں کی گونج میں قائم مقامِ رسولؐ کو اُس کے گھر میں گھیر لیا گیا، کوئی بھی مدافعت کے لیے نہیں آیا۔ ہم اس پہلو پر گفتگو اِس وقت نہیں کریں گے۔ بہر حال، یہی وہ نشیب تھا جس میں اُمّت کے اس قدر بڑے المیہ کا بانی مر گیا اور جس سے یہ اُمّت آج تک پیچھا نہیں چھڑا سکی۔

دوسرے دن حضرت علیؓ اُن لوگوں کے پاس گئے اور پوچھا "تم تو چلے گئے تھے، اب واپس کیوں آ گئے؟" مصریوں نے کہا "ہم نے وہ خط قاصد سے چھین لیا ہے جس میں خلیفہ نے مصر کے گورنر کو لکھا ہے کہ جب ہم وہاں پہنچیں تو قتل کرا دیے جائیں۔" آپ نے کوفے اور بصرے کے فتنہ گردوں سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا "ہم اپنے مصری بھائیوں کی مدد کے لیے اُن کے شریک ہیں۔" حضرت علیؓ نے کہا "مصریوں سے تم عراقیوں کو جو مکانی بُعد ہے، وہ شمال و مغرب کے برابر ہے۔ ذرا بتاؤ تو تمھیں کیسے معلوم

ہو گیا کہ اس مضمون کا خط اہلِ مصر کو مل گیا ہے؟ یقیناً تمھارا بیان غلط ہے اور ایک سازش کے ذریعے تمھاری بغاوت جاری ہے۔"

باغیوں کی سرکوبی کے لیے کوئی عملی اقدام نہیں ہوا تھا اس لیے اُن کے ارادوں میں مزید قوت پیدا ہو چلی تھی۔ اب اُنھوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ جو چاہیں خیال کریں ہمیں اس خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس کا خون بہانا حلال ہے۔ آپ بھی اس کام میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔" حضرت علیؓ نے فرمایا "کیا کہتے ہو؟ میں ہرگز اس غلط کام میں تعاون نہیں کر سکتا۔" ان لوگوں نے کہا "پھر آپؓ نے ہمیں لکھا کیوں؟" حضرت علیؓ نے فرمایا "میں نے تو کبھی تمھیں نہیں لکھا۔" آپ کا یہ جواب سُن کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مفسدوں نے حضرت علیؓ کی طرف سے بالکل جھوٹے خط کا اعلان کر کے سادہ لوح لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسایا تھا۔ محاصرہ ۲۶ ذی قعدہ کو ہوا تھا[1]۔ بہت سے صحابہؓ حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ ایک دن جب حضرت عثمانؓ مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھانے گئے تو آپؓ کو اس قدر مارا کہ بیہوش ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد غافقی بن حریب کو بلوائیوں نے امامِ صلوٰۃ مقرر کر دیا۔ اس بارے میں صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایت ہے کہ:

"عبیداللہ بن عدی بن خیار دورانِ محاصرہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور کہا آپ جمہور مسلمین کے امام (خلیفہ) ہیں۔ جو کچھ آپ کے ساتھ ہو رہا ہے وہ نظروں کے سامنے ہے۔ ہم کو فتنہ گردوں کا امام نماز پڑھاتا ہے جس سے ہمارے دلوں میں انقباض ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا "نماز لوگوں کے اعمال میں سب سے بہتر چیز ہے۔ جب لوگ

---

[1] محاصرہ کی مدت کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ہم نے ۲۲ دن کی روایت کو لیا ہے۔ اس سے تاریخ یہی ہوگی۔ چالیس دن کی روایت کے حساب سے ۸ ذیقعدہ قرار پاتی ہے۔

ام کریں تو تم بھی شریک ہو جاؤ اور جب وہ بُرائی کریں تو اُن سے اجتناب کرو۔"
کس قدر تحمل، برداشت اور صبر و رضا کا حوصلہ تھا آپؓ میں۔ دشمنوں نے ایک
ایسے شخص کی زندگی کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے جو کئی موقعوں پر اللہ کے رسولؐ سے
جنت کی خوشخبری سُن چکا ہے جو حضورؐ کی دو صاحبزادیوںؓ کا شوہر رہ چکا ہے، جس
کی خدمات بعض شعبوں میں وہ ہیں جو آپؓ کے سوا کسی نے اسلام کے لیے انجام نہیں دیں
اور جس کی ذات کے انتقام کے خیال سے حدیبیہ میں بیعتِ رضوان منعقد ہوئی۔ اس
کے باوجود وہ اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کی اس موقع پر بھی کوئی شکایت نہیں کرتا۔
آپؓ بھوکے تھے اس لیے کہ راشن گھر میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حالانکہ کچھ برسوں پہلے،
عہدِ رسالت میں، جب قحط پڑا تو انھی عثمانؓ نے شام سے آیا ہوا سارے کا سارا غلّہ
مدینے والوں کی بھوک مٹانے کے لیے بانٹ دیا۔ وہ پیاسے تھے اس لیے کہ بیرِ رومہ
کے پانی کا ایک قطرہ بھی کئی دن سے اُن کے گھر میں نہیں پہنچ سکا تھا، حالانکہ کچھ برسوں
پہلے، عہدِ رسالت میں، بیرِ رومہ کو خرید کر اُن ہی نے مدینے والوں کی تشنگی کام و دہن کا
بندوبست فرمایا تھا۔

ذیقعدہ ۳۵ ہجری میں یہودیوں نے، اپنی دیرینہ نسلی روایات کے مطابق، دینِ حق
کی دشمنی میں جو تحریک چلائی اُس نے مسلمانوں کی اُس قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا
جس قوت کی مجاہدانہ اولوالعزمیوں کے سامنے دیوارِ چین پاش پاش ہوئی۔ جس کے
جوش و خروش کے تھپیڑوں نے بحرِ اوقیانوس میں تلاطم ڈالا۔ جس کے زلزلہ انداز نعرہ ہائے
تکبیر نے کنگرۂ کسریٰ کو توڑا۔ جس کے خلیفہ عثمانؓ نے اجابرۂ عالم کو لرزہ براندام رکھا۔
جس کے ارادوں نے ساسانیوں کی باطل خدائی کا سلسلہ توڑا اور جس نے قیصرِ روما
کو خشکی اور سمندروں میں مار کر وہاں سے اس کی اجارہ داری ختم کی۔ وہی قوت آج
اپنے نبیؐ کی ہدایت اور اپنے خدا کی رضا کے لیے مدینے کے ایک تنگ مکان

کے اندر بند ہے۔ مختلف ملکوں اور صوبوں کے وہ گورنر، جن کے بازوؤں کی قوت
اور تلواروں کی دھاروں نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے تھے جو سکندر و دا
کی شہرتوں کو بھی اپنی گرد میں اُڑا لے گئے اور جن کے ساتھ بدر و اُحد اور حُنین
احزاب کے میدان دیکھی ہوئی تلواریں تھیں، مظلوم خلیفہ سے درخواست کرتے ہا
"حکم دیجیے، ایسا کر دیں۔ اشارہ فرمائیے، ویسا ہو جائے" فرماتے ہیں "میں اُ
فتنے کا ملزم نہیں بنوں گا جس کی خبر رسول اللہ دے چکے ہیں اور مجھے صبر کرنے کا
فرما چکے ہیں۔"

فتنے کی اس خبر کا بہت سی حدیثوں میں بیان ہوا ہے۔ بخاری کی کتاب المنا
کے کئی ابواب میں، اور کتاب الفتن میں، یہ حدیثیں آئی ہیں۔ مثلاً بخاری کتاب المنا
باب مناقب ابی بکرؓ میں ہم چاہِ اریس کے واقعے کی روایت کا اُردو ترجمہ لکھتے ہیں
اس روایت کا وہ جزو ہے جو حضرت عثمانؓ سے تعلق رکھتا ہے:

"پھر ایک شخص (حدیقہ کے دروازے پر) آیا اور اُسے بجایا۔ میں (یعنی حضرت ابو
اشعری) نے کہا، کون ہے؟ جواب آیا، عثمان بن عفان۔ میں نے کہا، اچھا ٹھہر
اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اریس کنویں پر جہاں آپؐ ابو
اور عمرؓ کے ساتھ منڈیر پر کنویں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے) گیا اور اطلاع کی۔ حضورؐ نے ا
فرمایا کہ انھیں اندر آنے کی اجازت دے دو، اور اس ہنگامے پر جس سے اُن
سابقہ پڑے گا، جنت کی بشارت دے دو۔ اور بتاؤ کہ وہ صبر سے کام لیں۔
اُن کے پاس (دروازے پر) گیا اور کہا، اندر تشریف لے جائیے۔ حضورؐ نے آپ
جنت کی بشارت دی ہے، ایک ابتلا پر جو آپ کو پہنچے گا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ
بشارت سن کر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر کہا، اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔"

ایامِ محاصرہ میں ایک دن آپؓ مکان کے بالاخانے پر چڑھے اور بلوائیوں

طاب کیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :

"لوگو! تم میری جان کے کیوں درپے ہو؟ حالانکہ میں مسلمانوں کا خلیفہ، رسول اللہؐ ایک صحابی اور امتِ مسلمہ کا ایک فرد ہوں۔ میں نے کونسا گناہ کیا ہے جس کے لیے قتل کی سزا تجویز کرتے ہو؟ اللہ گواہ ہے، جہاں تک میرے بس میں تھا، میں نے کچھ خدمت اور اصلاح کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی میں غلطیوں سے معصوم نہیں ہوں اور اپنی زندگی میں ہمیشہ میں نے گناہوں سے استغفار کیا ہے۔ لوگو! اچھی طرح سُن لو۔ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر قیامت تک نہ ایک ساتھ نمازیں پڑھ سکو گے، نہ ایک دوسرے کے قوتِ بازو بن کر جہاد کر سکو گے۔"

آپ کے زمانہ مظلومی کا یہ خطبہ پیشین گوئی ثابت ہوا کیونکہ شہادتِ عثمانی سے وحدتِ اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہو گیا وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔ آپؓ کو اس فتنے کے پیچھے جو ہلاکت خیز مناظر دکھائی دے رہے تھے، چاہتے تھے کہ امت کو کسی جتن سے ان سے بچا لوں۔ اس لیے ایک دن پھر آپ فسادیوں کو سمجھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ فرمایا :

"میں صرف اصحابِ رسولؐ سے قسم دے کر پوچھتا ہوں اور کسی سے نہیں۔ وہ جواب دیں، دوسرے خود سُن لیں گے۔ یاد ہے کسی کو یہ بات کہ ایک دن حضورؐ کوہِ حرا پر چڑھے تو وہ حرکت کرنے لگا۔ سرکارؐ نے ٹھوکر مار کر فرمایا، حرا ٹھہر جا کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبیؐ ایک صدیقؓ اور دو شہیدؓ ہیں۔ اس وقت میں اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اللہ کے نبیؐ کے ساتھ تھے۔ صحابہؓ نے اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد فرمایا، میں ان حضرات سے بھی حلفیہ پوچھتا ہوں جو بیعتِ رضوان میں موجود تھے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مشرکین کے پاس گیا ہوا تھا تو اسی اثنا میں میرے قتل کی افواہ اڑ گئی۔ حضورؐ نے میرے قتلِ ناحق کے

کے لیے سارے مسلمانوں سے اپنی اپنی جانیں قربان کر دینے کی بیعت لی تھی
صحابہؓ نے کہا، بالکل بجا فرمایا۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ پھر پوچھا، حدیبیہ میں بیعت لیتے
وقت آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر، میری طرف سے
بیعت کی، یہ فرماتے ہوئے کہ عثمانؓ کی جانب سے بیعت ہوئی۔ کیا یہ صحیح ہے
آوازیں آئیں، صحیح ہے۔ اس کے بعد کہا، اب غور کر لو کہ جو لوگ میرا خون بہانا چاہ
رہے ہیں وہ کیسے خطرناک ارادے کے لیے مضطرب ہو رہے ہیں۔ میں صبر کر رہا ہوں
صبرِ جمیل کے لیے کوشاں ہوں جو توفیقِ الٰہی سے ہوگا۔"

جتنا وقت گزر رہا تھا، مکّے سے حاجیوں کی واپسی کا وقت قریب آ رہا تھا۔ سبائیوں
کو یہ خبریں بھی ملیں کہ گورنر معاویہؓ نے ایک فوج حبیب بن مسلمہ فہری کی قیادت میں
اور عبداللہ بن ابی سرح نے ایک لشکر معاویہؓ بن خدیج کی سرکردگی میں روانہ کیا ہے اور
کوفے سے قعقاعؓ بن عمرو فوجیں لے کر آ رہے ہیں۔ ناخدا ترس سبائیوں نے جن
طینت کے خمیر میں انبیاؑ اور صالحینؒ کے قتل کے جرثومے پیوست تھے، جلد سے
حضرت عثمانؓ کی شمعِ حیات بجھا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ان ہی ایام میں ایک دن حضرت مغیرہؓ بن شعبہ چند تدابیر لے کر آپؓ کی خدمت
میں پہنچے اور کہا "امیر المومنینؓ! پیش آمدہ حالات سے میں بھی انتہائی فکر مند ہوں
چند باتیں خیال میں آئی ہیں۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں؟"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا "کیا حرج ہے، کہیے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے
سر سے اس بلا کو ٹالنے میں جو بہتر و مناسب صورت ہو سکتی ہو، اُس سے دریغ نہ کیا جائے
میرا کام صرف یہی ہے۔ البتہ جو کچھ ہونا چاہیے مشیّت خداوندی سے وہی ہو جاتا ہے۔"

حضرت مغیرہؓ نے کہا "پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نکل کر ان کا مقابلہ کریں۔ آپ
کے پاس فوجیں ہیں، قوّت ہے، آپ حق پر ہیں۔ ظلم کو انگیز کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "میں ایسی باتوں سے استغفار کرتا ہوں جن سے
ن خراب ہو۔ اُمّت تو اس ابتلا سے جب ہی نکل سکتی ہے کہ لوگ اپنے اندازِ نظر
رست کریں، حقائق کو مانیں اور اُن کا احترام کریں۔ تلوار کے زور سے یہ مسئلہ حل
ں ہوگا۔"

اس کے بعد مغیرہؓ نے کہا "دُوسری بات یہ ہے کہ ہم آپ کے نکلنے کے لیے
ن میں ایک پوشیدہ راستہ بنائے لیتے ہیں۔ یہاں سے نکل کر مکّے چلے جائیے۔ اس
ح آپ ان خبیثوں کی دسترس سے نکل جائیں گے۔"

حضرت عثمانؓ نے اس بات کو کسی قدر بے التفاتی سے سُن کر فرمایا "مغیرہ! کیا
طرح چوری چھُپے جانشینِ رسولؐ کو بھاگنا زیب دیتا ہے؟"

حضرت مغیرہؓ نے کہا "اگر یہ دونوں باتیں آپ پسند نہیں کرتے تو تیسری صورت
ے ذہن میں یہ آئی ہے کہ آپ جو تدبیر چاہیں اُس کو اختیار کر کے معاویہؓ کے
ں شام چلے جائیں۔ اُن کو وہاں مقبولیت حاصل ہے۔ اس کے بعد آیندہ کے
سوچ کر حکمتِ عملی اختیار کی جا سکتی ہے۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "میں حضورؐ کے شہر اور آپؐ کے قُرب کو نہیں چھوڑ
سکتا۔ جو کچھ ہونے والا ہے، اُسے بھی نہیں روک سکتا۔ جائز حد تک مدافعت کر رہا
ں اور صرف اسی کا میں مکلّف ہوں۔"

یومُ النّحر (از ۱۰ الغایت ۱۲) کے ■ دن بعد ۱۸ ذی الحجہ کو جمعہ آگیا۔ آپؓ ذکر و
تسبیح اور استغفار میں رات و دن مصروف رہتے تھے۔ حضورؐ نے فرما دیا تھا، اس لیے
پنی شہادت کا پورا یقین تھا۔ صبر و استقامت کے ساتھ اُس وقت کے منتظر تھے۔
ر ینہ ذہن کو اس طرف لے جاتا ہے کہ صالح اور صبر و توکّل کے پیکر خلیفہ کو پہلے سے
علوم ہوگیا تھا کہ فلاں دن خونِ شہادت سے رنگین ہو کر حیاتِ جاوداں پانا ہے۔ آپؓ نے

نے جمعے کے دن روزہ رکھا، جسم کی طہارت کی، نئے کپڑے پہنے، بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر اُس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

آج سبائیوں نے حرمِ عثمانؓ میں بزور گھسنے کے لیے شورہ پشتی اور سینہ زوری شروع کردی۔ اُن میں سے ایک گروہ نے حدودِ اربعہ کا جائزہ لیا اور پھر سبائی فتنہ نے مکان کے دروازے پر یورش کردی۔ عبداللہ بن زبیرؓ، محمد بن طلحہؓ، سعید بن ا... حسن بن علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، مغیرہ بن اخنس روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ ... لوگ مدافعت کر ہی رہے تھے کہ ظالموں نے دروازے کو آگ لگادی اور اس کو ... اندر گھس گئے۔ کچھ لوگ ابنِ حزم کے مکان میں گھس کر دیوار کود کر اور حرمِ عثمانی ... داخل ہوئے۔ اُنھوں نے خلیفۂ اُمّت سے استعفا دینے کا مطالبہ کیا تو صبر و ثنا ... کے پیکر نے جواب دیا "اللہ تعالےٰ نے اُمّت کی جو خدمت مجھے سپرد کی ہے، میں ... باغیوں کے دباؤ میں آکر بلاوجہ اُسے نہیں چھوڑوں گا اور جو عزت کی قمیص مجھے پہنا دی گئی ہے اُس کو نہیں اُتاروں گا۔" اُس وقت حضرت عثمانؓ قرآن شریف کھول کر ... پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے بعض روایات کے بموجب حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا، بعض ... اسی حالت میں ہاتھ بڑھا کر آپ کی ڈاڑھی کو پکڑ لیا اور کہا "اے نعثل[1]! خدا ... ذلیل کرے۔"

آپ نے فرمایا "تُو نے دھوکا کھایا ہے۔ میں نعثل نہیں، بلکہ عثمان بن عفانؓ ... امیرالمومنین ہوں۔"

اُس نے پھر کہا "معاویہ اور فلاں فلاں، جن پر تم نے بھروسا کر رکھا تھا۔ بولو اب وہ کہاں ہیں؟"

آپؓ نے فرمایا "بھتیجے ہفوات نہ بک۔ مومن تو اللہ پر بھروسا کرتے ہیں اور ...

---

[1] یہ ایک مصری شخص کا نام تھا جس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔

اُسی کے حکم کا منتظر ہوں۔"

یہ سُن کر اُس نے ڈاڑھی چھوڑ دی اور چلا گیا۔ اس کے بعد قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی پہنچے۔ غافقی نے لوہے کی سلاخ آپؓ کے سر پر ماری۔ قرآن سامنے کھلا رکھا تھا۔ اس کی آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پر خون کے قطرات گر رہے تھے کہ غافقی سبائی نے لات مار کر قرآن شریف کو نیچے پھینک دیا۔ پھر سودان نے تلوار سے حملہ کیا۔ آپؓ کی وفادار بیوی نائلہ بنتِ فرافصہ نے اپنے شوہر کو بچانے کے لیے تلوار کے وار کو اپنے ہاتھوں سے روکا۔ اُن کے ہاتھ کی تین اُنگلیاں کٹ کر دُور جا پڑیں۔ اتنے میں کوئی تیسرا شخص آگے بڑھا اور اُس نے اپنی تلوار سے آپ کو شدید زخمی کر دیا۔ وَلَا يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ٥

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ اسی موقع پر شہید ہو گئے تھے۔

جس کے وار سے اُمّت میں یہ سب سے بڑا ظلم ہوا، اُس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ظالم سودان بن حمران تھا۔ کچھ کا کہنا ہے کہ وہ کنانہ بن بشر تھا۔ بہرحال اُسی وقت، گھر کا ایک خادم آپ کی مدد کے ارادے سے آیا اور سودان پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ اُسی وقت قتیرہ نے خادم کو مار ڈالا۔ حضرت عثمانؓ کو شہید سمجھ کر لوگ باہر نکل رہے تھے کہ خلیفہ کے ایک غُلام نے قتیرہ سے مقابلہ کیا، جس میں قتیرہ مارا گیا۔

آپؓ کو شہید کرنے کے بعد سبائیوں نے گھر کا سامان لُوٹ لیا۔ حتیٰ کہ عورتوں کے جسم پر جو زیورات تھے وہ بھی اُتروا لیے۔ کلثوم تجیبی نے حضرت نائلہ کے سر سے چادر کھینچ لی۔ اس لُوٹ مار اور بھاگ دوڑ میں ایک سبائی عمرو بن الحمقؒ اس کمرے میں آیا جس میں آپؓ کا لاشہ پڑا تھا۔ وہ آپ کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور جوش و دیوانگی میں پے در پے وار کرنے لگا۔ سات زخم پہنچانے کے بعد اُس نے سر علیحدہ کرنا چاہا۔ یہ دیکھ کر عورتوں نے چلّانا شروع کیا۔ ابنِ عُدیس نے عمرو سے کہا، بس کرو۔ چھوڑ دو۔ عمیر بن ضابی

برابر کھڑا تھا۔ اُس نے ایک ضرب سینے پر ماری، جس سے ایک پسلی ٹوٹ گئی۔
اتنے میں کسی نے پکارا: "اب بیت المال کی طرف چلو" ایک ہجوم بھاگتا ہوا اُس طرف چلا۔ محافظ خزانے کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لٹیروں نے دروازہ کھولا اور جو کچھ بھی اُس میں تھا، لے لیا۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ عیسوی، جمعے کے دن یہ قیامت انگیز واقعات ہوئے۔ اسی لمحے اور اسی تاریخ سے اُمّت میں تفرقے کا بیج بودیا گیا، شیرازۂ ملت بکھر گیا، افتراق اور انتشار کی آندھیاں چل پڑیں اور ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان پر بے دریغ چلنے لگی۔

آشوبِ حال کے اسباب :

کوئی مُبصّر، مشاہدہ ور اور بے لاگ تجزیہ کرنے والا زمانۂ عثمانی کے آشفتہ حال دور میں رہا ہو یا بعد کی صدیوں سے تعلق رکھتا ہو، وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ آشوبِ حال کس وقت، کہاں اور کس وجہ سے پیدا ہوا۔ یہ کوئی مُفرد یا مجرد آشوب نہیں تھا بلکہ بہت سے آشوب خیز عوامل تھے جو آگے پیچھے آئے اور انتشار کے ایسے گہرے بیج بو گئے جن کی کھیتی آج تک لہلہا رہی ہے۔ اس دورِ فتن و آشوب کی دو سب سے اہم اور بنیادی وجوہ تو ہم بیان کر چکے ہیں۔ یعنی ایک تو بے شمار لوگوں کا حلقۂ اسلام میں شامل ہو جانا اور مطلوبہ تعلیم و تربیت سے بے بہرہ رہنا۔ دوسرے اسرائیلیوں کا عجمی و مصری مُسلمانوں میں، نفوذ کر جانے کے بعد، دین کی بنیادوں کو ڈھا دینے کا پروگرام۔ یہی ایسے دو طرفہ وار تھے جنھوں نے اُمّت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان کے علاوہ دوسرے عوامل اس قدر اثر انداز ہونے والے نہ تھے اور اُن کو مرکزی یا مدار کی حیثیت حاصل نہ تھی، مثلاً :

دولت کی بہتات بھی ایک وجہ تھی۔ مُسلسل فتوحات نے رعایا کی جیبیں

بیت المال کی عمارتیں بھر دیں۔ دولت کے انبار اور اشخاص کی زندگی کے معیار دورِ فاروقی سے بڑھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں پر عموماً اور اُمرا و رؤسا پر خصوصاً احتساب و گرفت کا عمل بے انتہا سخت رکھا تھا۔ ان کی پُرہیبت اور اور بھاری بھرکم شخصیت آہنی دیوار کی طرح اُن مفاسد کی راہ میں حائل ہو گئی تھی جو افراطِ دولت کی راہ سے اُمت میں آسکتے تھے۔ وہ اس میں یقیناً کامیاب رہے۔ مگر یہ فاروقی اندازِ احتساب بھی کوئی دائمی یا مستقل فارمولے کا کام نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ وہ افراد اور حالات کے لیے ایک خاص حد تک کارگر تھا۔ عہدِ عثمانی کے شروع سالوں میں حالت جُوں کی تُوں رہی۔ کوئی بھی فتنہ نہیں اُٹھا مگر جب عرصہ طویل ہوا، اسلامی آبادیوں میں اور کثرت ہوئی، علاقوں کی دُوری اور وسعت بڑھی نیز مالوں میں زیادتی ہوئی تو حالات کی ہر طرف سے حدیں بڑھ گئیں۔ کون قسم کھا کر یقین دلا سکتا ہے کہ اس حالت میں عظیم الشان صلاحیتوں کے حامل سیدنا فاروقِ اعظمؓ ہوتے تو کوئی بھی فتنہ سر نہیں اُٹھاتا، جبکہ روایتوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے آخری عہد میں بھی بعض پابندیوں اور سختیوں سے لوگ اُکتا چکے تھے۔ ہم شخصیتِ فاروقی و عثمانی میں کوئی موازنہ نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں مقابلتاً حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اعتراف ہے۔ ہم تو اس وقت حالات کے فرق کی بات کر رہے ہیں۔

مؤرخین اور سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ فتح و ظفر کی جو دیواریں حضرت عمرؓ اُٹھا گئے تھے دورِ عثمانی میں انھیں اور بلندی نصیب ہوئی۔ بحریہ کے اضافہ سے وہ دیواریں رفعتِ افلاک تک جا پہنچیں۔ تنہا امیر معاویہؓ نے پچاس کے قریب بحری جنگیں لڑیں اور ہر ایک میں کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ ان وجوہ سے قدرتی طور پر اُمتِ مسلمہ کا دامن بے حساب دولت سے مالا مال ہو گیا۔ دولت وہ بلا ہے کہ

جس کی تاثیر سے بے جا تکلفات و تعیشات اور تن آسانی و آرام طلبی کا دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔ افراد اور قومیں فضول بحثوں میں اُلجھتی ہیں۔ مقصد سے عشق باقی نہیں رہتا، امن و ترقی کے ضامن اوصاف سے قلبی تعلق نہیں رہتا بلکہ رسمی بن جاتا ہے اور سوسائٹی کا ہر طبقہ جمود میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔

سُنیے! تاریخ کا ایک واقعہ ہمارے خیال کی کس طرح تائید کرتا ہے:

سجستان (موجودہ افغانستان) کے بادشاہ نے جس کا لقب رتبیل تھا، خلافت بنی اُمیہ کو خراج دینا بند کر دیا۔ کئی بار فوج کشی کی گئی مگر وہ راہِ راست پر نہ آیا۔ ایک مؤرخ کے بقول اس کی وجہ یہ تھی کہ اُموی عہد میں جب رتبیل کے پاس جزیہ وصول کرنے والے پہنچے تو اُس نے پُوچھا:

"وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے؟ اُن کے پیٹ فاقہ زدوں کی طرح پٹخے ہوئے ہوتے تھے، پیشانیوں پر سیاہ گٹے پڑے رہتے تھے اور کھجور کی چپلیاں پیروں میں ہوتی تھیں۔"

بتایا گیا "وہ پچھلے دور کے لوگ تھے۔ اب گزر گئے۔"

رتبیل نے کہا "تمھاری صورتیں آرام یافتہ لوگوں کی سی ہیں اور تمھارے لباس دولت مند لوگوں کے سے ہیں۔ وہ باتیں تم میں کہاں ہو سکتی ہیں جو اُن میں تھیں۔ وہ دھن کے پکے، عہد کے پورے اور طاقت ور تھے۔ جاؤ آرام کرو اور اُسی پہ قناعت کرو جو تمھارے پاس ہے۔ تم میں وہ بات کہاں کہ ہم سے خراج لے سکو۔"

ایک مرتبہ ایران سے ملے ہوئے مالِ غنیمت کے انبار عمر فاروق رض کے سامنے پڑے تھے اور وہ بیٹھے رو رہے تھے۔ لوگوں نے کہا "اے ہمارے امیر! یہ موقع رونے کا ہے؟" فرمایا "جب دولت آتی ہے تو رشک و حسد بھی آتے ہیں اور یہ وہ چیزیں ہیں جو قومی اتحاد و اجتماعی رُوح کو چاٹ جاتی ہیں۔"

حضرت عثمانؓ کا بھی یہی فلسفہ تھا۔ عیش پسندانہ رُجحانات کے وہ بھی اعتقاد کی حد
مخالف تھے۔ لیکن اپنے مزاج وطبیعت کے قدرتی اقتضا کے طور پر وہ حضرت عمرؓ
رہ نہیں برسا سکتے تھے۔ اس لیے وہ اُن پیچیدہ مسائل کو سر اُٹھانے سے نہیں روک
جو دولت کی افراط اور فتوحات کی بنا پر بالکل خام یا اَدھ کچرے مسلمانوں کی آمد اور
دِ خلافت کی توسیع کی وجہ سے لازماً اُبھرنے تھے۔ ایک سکالر جب دورِ شیخینؓ کی
رکے دورِ عثمانی میں داخل ہوتا ہے تو اُس کی ذکاوتِ حس معاشرے کی فضا میں
ی تبدیلیاں محسوس کرتی ہے جیسی ایک موسم کے اختتام اور دوسرے موسم کے آغاز
ہر شخص کو محسوس ہوتی ہیں۔

بہر کیف اس آشوبِ حال کی پیدائش اور اُس کی علّتوں کی فہرست تیار کی جائے تو
رے خیال میں اس طرح بنے گی:

۔ فتوحات کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں دَر آنے والی رنگارنگ خیالات کی
قومیں صرف کلمۂ ایمان پڑھ کر ایسی مُسلمان نہیں بن سکتی تھیں جو خلافت علیٰ منہاج
النبوت کی متحمل ہو سکتیں۔

۔ سبائی فرقہ جو یہودی منافقوں نے اسلام کی بیخ کنی کے لیے قائم کیا تھا۔

۱۔ اعمال ومعاشرت کی بے راہ روی اور منفی اندازِ تنقید پر گرفت واحتساب کے
عمل کا ڈھیلا ہو جانا۔

۱۔ اسلامی معاشرے میں دولت کی بُہتات اور ایک قلیل جماعت کو چھوڑ کر سوادِ اعظم
کا اس کو پانے کے لیے سبقت کرنا اور تقویٰ کی کیفیت واحساسِ آخرت کا ماند
پڑ جانا۔

۵۔ مہاجرین وانصار پر حرمین نہ چھوڑنے کی پابندی کا اُٹھ جانا، جس سے مرکزِ ملّت
مُنتشر ہو گیا اور شاگردانِ رسولؐ کا وہ دبستان جو حق وباطل میں آخری فیصلہ

کرنے والا تھا، بکھر گیا۔

۶۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی فطری نرمی، رافت اور درگزر۔

نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین :

عجیب بات یہ ہے کہ سبائی اور اُن کے ہمنواؤں نے آپ کو قتل کرنے کے دفن کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ ابنِ خلدون کے مطابق تین دن تک آپ دو لاشوں کے ساتھ خون میں لت پت پڑے رہے۔ زخمی بیوی حضرت نائلہ پاس بیٹھی حکیمؓ اور حضرت جبیرہؓ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس گئے تو آپؓ اس کام میں مدد فرمائی۔ مغرب اور عشا کے درمیان رات میں چند آدمی اپنی پر کھیل کر جنازہ لے کر نکلے۔ ان میں حکیمؓ زبیرؓ، ابوجہم، حسنؓ، مروان، جُبیرؓ وغیرہ حضرت جبیرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ راستے میں دشمن مزاحمت کرنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ڈانٹا۔ تاہم وہ پتھر وغیرہ پھینکتے رہے۔ میّت کو لانے والوں نے جلدی سے جنّت البقیع کے باہر ہی حش کوکب میں سپردِ خاک کر دیا اور اس خیال کہ یہ ظالم نعش کو نکال کر اس کی بے حُرمتی نہ کر سکیں، قبر کا نشان مٹا دیا۔ شہادت کے وقت امیر المومنینؓ کی عمر ۸۲ سال تھی اور مدّتِ خلافت ۱۱ سال ۱۱ ماہ ۱۷ دن

حضرت عثمانؓ کی شہادتِ عُظمٰی کا واقعہ صرف غیر معمولی ہی نہیں، ایک لرزہ خیز حادثہ تھا۔ صحابۂ کرامؓ مضطرب اور بیقرار تھے اور آیندہ کے نتائج اور عواقب سے لرزہ براندام۔ اُن میں سے ہر ایک نے مختلف انداز میں تاثر دیا ہے۔ ہم اس واقع پر اُن کے بیانات سے چند فقرے نقل کرتے ہیں :

حضرت سعیدؓ بن زید (مسلمان سابقین میں ہیں اور حضرت عمرؓ کے بہنوئی ہیں)

ـــ نے کہا :

"اے لوگو! جو مظالم تم نے حضرت عثمانؓ پر کیے، اگر اُن کی تاب نہ لاکر کوہِ اُحد بھی پھٹ جاتے تو کچھ زیادہ نہیں۔"

حضرت سلمہؓ بن اکوع پر اس صدمۂ جاں کاہ کا یہ اثر ہوا کہ وہ پھر مدینے میں نہ رہ سکے اور مقامِ ربذہ چلے گئے۔ وہیں زندگی گزار دی۔ یزید بن ابی علید کہتے ہیں :

"جب حضرت خلیفہ عثمان مظلوم شہید ہو گئے تو حضرت سلمہؓ فرطِ رنج سے ربذہ چلے گئے۔ وہ واپس نہیں آئے۔ زندگی وہیں گزاری۔ پھر چند روز (بیماری کے آخری دلوں میں) مدینے آئے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سُنی تو دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا "خدایا! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔" حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا "اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قومِ لوط کی طرح آسمان سے پتھر برستے۔" حضرت حذیفہؓ نے فرمایا۔ "عثمانؓ کی شہادت سے ایسا رخنہ پیدا ہوا ہے، جسے پہاڑ کی جسامت بھی بند نہیں کر سکتی۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام نے کہا "آج ملّت کا شیرازہ بکھر گیا اور عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔" حضرت ثمامہؓ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار رو پڑے ہچکی بندھ گئی اور کہا "آج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب بادشاہت کا دور شروع ہو گا۔" حضرت زید بن ثابت کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ اس المناک حادثے کا ذکر کر کے زار و قطار روتے تھے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ دُھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک، صاف اور شفاف تھے۔

حضرت عثمانؓ کی عظمت :

حضرت عثمانؓ حیا، حُسنِ صورت و سیرت، دانائی و فراست، خوش خلقی و

عبادت گزاری، تقویٰ اور کرم میں ممتاز تھے۔ وہ عدل و انصاف اور حقوق میں مساوات کے اسی قدر عاشق تھے جتنے حضرت عمرؓ۔ آخری چند برسوں میں یہ حالات پیدا نہ ہوتے تو آپؓ کا زمانہ بھی عہدِ فاروقی سے کم نہ ہوتا۔ صحابہؓ کرام میں کتاب اللہ کا عالم و حافظ آپ سے بہتر کوئی نہ تھا۔ قرآن کی تلاوت اور تدبّر سے اُن کو سیری نہ ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ساری رات اسی شغل و عبادت میں گذار دیتے تھے۔ عالمانہ قابلیت، مجتہدانہ فضیلت اور ذکاوت میں آپ کا مقام انتہائی اُونچا تھا۔ سیر الصحابہؓ جلد دوم میں علامہ انصاری نے لکھا ہے "وہ علومِ اسلامیہ کے امامِ ثالث تھے اور امیر المومنین عمرؓ بن خطاب کے بعد امامت و اجتہاد میں اُن سے بہتر اور بڑھ کر کوئی شخص موجود نہ تھا۔"

آپ میں حد درجہ حیا تھی۔ آپ کے اس وصف کا احساس سرکارِ دو عالمؐ کو بھی تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی جگہ تشریف فرما تھے جہاں پانی تھا۔ آپؐ نے دونوں یا ایک زانو (خنکی لینے کے لیے) کھول لیا تھا۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ کو اندر آنے کی اجازت دی تو اُس کو ڈھانپ لیا۔" واضح رہے کہ یہ واقعۂ اریس کی حدیث ہے۔ آپؓ کے آنے سے پہلے حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے مگر اُن کی موجودگی میں حضورؐ نے تہبند اُوپر کیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورؐ سے پوچھا تھا کہ آپؐ میرے باپؓ سے تو نہیں شرماتے، مگر عثمانؓ سے شرم کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "عائشہؓ! عثمانؓ کی حیا سے تو فرشتے بھی شرماتے ہیں۔"

ذاتِ نبویؐ کا احترام اور تقدیس اس قدر تھی کہ جس ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی، اُس ہاتھ کو تمام عمر محلِ نجاست سے آلودہ نہیں کیا۔ احترام و محبت ہاتھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگا لینے کا نام نہیں، بلکہ رسول اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے احترام کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ ہم اس نقطۂ نظر

سے جب آپؓ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ پوری کی پوری اِتباعِ سُنّت میں
ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔ سیرت کی کتابیں ایسے واقعات سے مالا مال ہیں۔ حضورؐ کے
ب ہدایت نمانے آزمائش میں صبر کی تلقین فرمائی اور آپؓ نے اس طرح تعمیل کی
جان دے دی اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ رقیق القلب تھے۔ دل میں
ف خدا پیوست تھا۔ قبرستان میں جاتے تو برزخ اور آخرت کی زندگی کا احساس
بے قابو کر دیتا۔ روتے روتے ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔

ذوالنورین خطاب تھا۔ اس میں دو نُوروں سے مُراد حضورؐ کی دو صاحبزادیاں
ہیں حضرت رقیہؓ اور اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہما جو یکے بعد دیگرے آپؓ کے عقد میں آئی
تھیں۔ اس بارے میں حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلّم کو عثمانؓ ایسی حالت میں ملے کہ وہ بہت مغموم تھے۔ آپؐ نے فرمایا "اے
عثمانؓ! کیا حال ہے؟" انھوں نے کہا "میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ کیا کسی اور
پر بھی ایسا صدمہ گزرا ہے جیسا کہ مجھ پر گزرا ہے۔ اللہ کے رسولؐ کی صاحبزادی انتقال
کر گئیں جس کی وجہ سے رشتۂ مصاہرت (خُسرالی تعلق) جو میرا آپؐ کے ساتھ تھا، ختم
ہو گیا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "عثمانؓ! غم نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے بذریعہ
جبرئیلؑ مجھے حکم دیا ہے کہ میں رقیہؓ کی بہن کلثومؓ کا نکاح اُسی مہر پر جو رقیہؓ کا تھا،
تمہارے ساتھ کر دوں۔" اس کے بعد حضورؐ نے حضرت کلثومؓ کا نکاح بھی آپؓ
کے ساتھ کر دیا۔

کچھ عرصے بعد جب اُمِّ کلثومؓ کا بھی انتقال ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے
فرمایا "اگر میری کوئی اور لڑکی ہوتی تو اُس کو بھی عثمانؓ کے نکاح میں دے دیتا۔"
آپؓ اس درجہ مغفرت یافتہ بزرگ تھے کہ اللہ کے پیغمبرؐ نے آپؓ کو تین بار خاص
طور پر جنّت کی بشارت دی، اور یہ وہ عظیم الشّان خصوصیت ہے جو حضرات ابوبکرؓ و

عمرؓ کے علاوہ صحابہؓ میں سے کسی کو حاصل نہ ہو سکی۔ بیرِ رومہ کے بارے میں ارشاد ہوا تھا کہ:

مَنْ حَفَرَ بِئْرَ رُوْمَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ جو بیرِ رومہ کھلوائے اُس کے لیے جنت اور یہ کام بڑے ذوق و شوق کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے انجام دیا۔

جیشُ العُسرۃ کے متعلق خطاب ہوا تھا کہ:

مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ جو کوئی جیشُ العُسرۃ کے سامان مہیا کر دے، اُس کے لیے جنت ہے۔

اور یہ سامان بھی آپؓ نے ہزاروں اُونٹ اور گھوڑوں، راشن اور اسلحہ، نیز اشرفیوں کی صورت میں فراہم کر کے، اس بشارت کے مصداق بنے۔

بیرِ اریس پر جب آپؓ حضورؐ اور شیخین کے بعد پہنچے تو اُس وقت حضرت اشعریؓ کو حکمِ رسالت ہوا کہ عثمانؓ کو یہ بشارت سُنا دو کہ:

بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهُ اُن (حضرت عثمانؓ) کو، اُس ا[illegible] جنّت کی بشارت سُنا دو، جو اُنھیں پیش آئے گا۔

یہ بشارتِ فردوس راہِ صبر و رضا پر قائم رہتے ہوئے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے سے مشروط تھی، اور آپؓ نے اس پر حیرت ناک حد تک خود کو بشارت کا مستحق بنایا۔

حضرت عثمانؓ عرب کے دولت مند حضرات میں سے تھے۔ کثرتِ مال و املاک کی وجہ سے غنی مشہور تھے۔ تجارت کے علاوہ کئی وسیع اراضیاتِ زرعی کے مالک تھے۔ زندگی میں فی سبیل اللہ انفاق بے دریغ کیا تھا۔ پھر بھی شہادت کے وقت منقولہ جائداد کے علاوہ پینتیس لاکھ چاندی کے درہم اور ڈیڑھ لاکھ سونے کے دینار تھے۔ تمام جائیداد اور نقدی خاندان کے اُموی ارکان پر مساوی حیثیت میں تقسیم کر دی۔

میں اپنی صاحبزادی اُمِ ابان اور صاحبزادوں یعنی عمرو اور ابان کا حصہ بھی دوسرے ادبنی اُمیّہ کے برابر ہی رکھا تھا۔

اُس زمانے میں اس قدر دولت و ثروت والے شخص کی کیا حیثیت ہو گی ؟ ب ہمہ مزاج میں سادگی بھی۔ دوسروں پر بڑی فراخ دلی کے ساتھ صرف کر کے ان خوشی ہوتی بھی، مگر اپنی ذات کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ شرجیل بن مسلم کا ان ہے کہ آپ مہمانوں کو عمدہ، لذیذ اور نفیس کھانے کھلاتے اور خود زیتون کے ل یا شہد پر ہی گزارہ کر لیتے۔ عبداللہ بن شداد نے کہا ہے کہ میں نے امیرالمومنین ضرت عثمانؓ کو اُن کے زمانۂ خلافت میں خطبۂ جمعہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اُن کا بند چار اور پانچ درہم کے درمیان قیمت کا ہو گا۔ حضرت حسن بن علیؓ نے بتایا ہے کہ امیرالمومنینؓ مسجدِ نبویؐ میں بغیر کچھ بچھائے لیٹتے تھے۔ صرف ایک چادر کا تکیہ لیتے تھے۔ اُن کے جسم پر سنگریزوں کے نشان پڑے ہوئے میں نے دیکھے۔

آپؓ عمدہ لباس پہنتے اور لذیذ کھانے بھی کھاتے تھے۔ مگر نفس کی مانگ یا دوسروں پر بڑائی جتانے کے لیے نہیں، محض اس لیے کہ عطائے خداوندی کا مظاہرہ ہو اور خود نفسِ عثمانی کو بعض اوقات اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے فیض یاب کر کے، شکرِ خداوندی و اطاعتِ الٰہی کے راستے پر ڈالنے میں مدد لیں۔

جب سے آپؓ اسلام لا کر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعداروں میں شامل ہوئے تھے، شکرِ خداوندی کے طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مہینے میں چار (ہر جمعہ کو ایک) غلام آزاد کر دوں گا۔ تمام عمر اس پر عمل کیا۔ اگر کسی جمعے کو مصروفیت کی وجہ سے اپنے مسکن پر نہ ہوتے یا کوئی اور مانع درپیش ہو گیا تو آئندہ جمعے کو دو یا تین جانوں کو آزاد کر کے ایک مہینے میں چار کی تعداد پوری کر دی۔

آپؓ صاحب الہجرتین تھے۔ یعنی آپؓ نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک حبشہ کو سب

مسلمانوں سے پہلے، اپنی زوجہ محترمہ دلختِ جگرِ رسولؐ حضرت رقیہؓ کے ہمراہ۔ اس ہجرت کے بارے میں رسولؐ اللہ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ حضرت لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد، ان دونوں کی یہ پہلی ہجرت ہے۔ دوسری ہجرت مدینے کو کی۔ حضورؐ کی کسی اور اولاد کو ہجرت کا شرف حاصل نہیں۔ عثمانؓ کے سوا خلفاء اربعہ میں بھی کسی کو دو ہجرتوں کا موقع نہیں مل سکا۔ حضرت ابوبکرؓ حبشہ جانے کے لئے رختِ سفر باندھ کر مقام برک الغماد تک پہنچے تھے کہ قریش کے سردار ابن الدغنہ کی نظر ان پر پڑ گئی اور وہ آپ کو واپس لے آیا۔

دفاعی خدمات پر تبصرہ:

حضرت عثمانؓ کو اطمینان کے ساتھ فرائضِ خلافت انجام دینے کا موقع صرف چھ سال ملا۔ اس مختصر عرصے میں آپؓ نے جو سیاسی خدمات انجام دیں وہ عظیم الشان ہیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد پورے حدودِ خلافت میں بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ تقریباً ایران کی ۶۰ فیصد آبادی باغی ہوگئی۔ خراسان، آذربائیجان اور آرمینیا خم ٹھوک کر مقابلے پر آگئے۔ مصر اور اسکندریہ قیصر کی شہ پر اطاعت سے نکل گئے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ ہرقل نے پوپ اعظم سے مذہبی جنگ کا اعلان کرا کے اسکندریہ پر حملہ کر دیا۔ یہ تھی شدید افراتفری اور بحرانی حالت جس میں حضرت عثمانؓ نے بارِ خلافت سنبھالا، اور کم و بیش ۷۲ مہینوں میں ہر طرف فتنوں کا استیصال کر دیا۔ ایران میں چپے چپے پر اقتدار اور امن بحال ہوگیا اور ساسانی سلسلے کا آخری بادشاہ قتل کر دیا گیا۔ شمال و مغرب میں پہلے رومیوں کی بری قوت کی کمر توڑ دی گئی۔ اس کے بعد بحری قوت کا تقریباً خاتمہ کر دیا گیا، جس کے بعد ملک شام وغیرہ کے ساحلی علاقے رومیوں کی تاخت سے ہمیشہ کے مامون ہو گئے۔

اس سلسلے میں فوجوں اور ان سے متعلق انتظامات میں بھی کافی توسیع ہوئی بہت سی نئی چھاؤنیاں بنائی گئیں بحیرۂ روم کے ساحل پر انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک نو آبادیاں قائم ہوئیں۔ بحری کشتیوں اور جہازوں کی تیاری کے لیے بیسیوں بڑے بڑے کارخانے کھولے گئے۔ عہدِ فاروقی میں جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے چراگاہیں بنائی گئی تھیں۔ عہدِ عثمانی میں اُن کی تعداد بھی بڑھائی گئی اور گنجائش بھی۔ چراگاہوں میں پانی پھیلانے کے لیے، اُن کے اندر تک نہریں بنوائی گئیں۔ ان کی وسعت اس قدر تھی کہ پچاس پچاس ہزار گھوڑے ایک ایک چراگاہ میں چرتے تھے۔ صرف چراگاہِ ضربہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ بری فوجوں کی تنخواہ میں فی آدمی سو سو روپے کا اضافہ کیا گیا۔

ازواج و اولاد :

امیرِ ثالث حضرت عثمانؓ نے آٹھ نکاح کیے۔ ان میں سے دو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں، رقیہؓ اور اُمِ کلثومؓ۔ تیسری بیوی کا نام فاختہ بنت عزوان تھا۔ ان ہی کے بطن سے عبداللہ اصغر پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ چوتھی بیوی اُمِ عمرو بنت جندب تھیں۔ ان سے چار اولادیں خالد، ابان، عمرو اور ایک لڑکی مریم پیدا ہوئیں۔ ان چار میں سے حضرت ابان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے۔ یہ بہ زمانۂ خلافتِ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ عہدۂ امارت پر فائز تھے۔ پانچویں بیوی فاطمہ بنتِ ولید تھیں۔ ان کے بطن سے تین اولادیں ولید، اُمِ سعید اور سعید تھے۔ چھٹی بیوی اُمِ البنین بنت عیینہ تھیں ان سے عبدالملک پیدا ہوئے، مگر عالمِ طفلی ہی میں وفات پا گئے۔ ساتویں بیوی نائلہ بنت فرافصہ اور آٹھویں رملہ بنت شیبہ۔ ان کے بطن سے تین لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں جن کے نام عائشہ اُمِ ابان اور اُمِ عمرو ہیں۔

محاصرے اور شہادت کے وقت آپؓ کی چار ازواج فاختہ، اُمّ البنین، نائلہ اور رملہ موجود تھیں۔ بعض علمائے سیرت نے لکھا ہے کہ آپؓ نے دورانِ محاصرہ اُمّ البنین کو طلاق دے دی تھی۔

حُلیہ و سراپا:

آپؓ بہ حیثیتِ مجموعی متناسب الاعضاء، بھاری بھر کم، خوبصورت، مؤثر شخصیت کے حامل اور وجیہہ تھے۔ قد بہت طویل تھا نہ چھوٹا، سُرخی مائل، قدرے صاف یا گورے چہرے پر ہلکے ہلکے چیچک کے نشانات تھے۔ بازو بھرے ہوئے۔ شانے کسی قدر کشادہ، رُخسار زیادہ گُتے ہوئے نہ پھُولے ہوئے۔ ڈاڑھی خوب لمبی اور بڑی پنڈلیاں پُر گوشت۔ سر میں بال زیادہ تھے۔ کبھی سر اور ڈاڑھی کو حنا سے رنگین کر لیتے اور کبھی سفید ہی رہنے دیتے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

آپ رضؓ کے والدین اور حضورؐ سے قرابت :

آپ کا نام حضرت علیؓ، کنیت ابوتراب، و ابوالحسن اور لقب اسد اللہ (شیرِ خدا) تھا۔ والد اور والدہ دونوں سلسلوں سے ہاشمی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا، ابوطالب، کے بیٹے تھے، اس لیے وہی نسل و نسب، وہی خون و خانوادہ اور وہی اسلاف۔

آپؓ کی ماں کا نام فاطمہ تھا جو اسد کی بیٹی تھیں۔ اسد عبد المطلب کے بھائی اور ہاشم کے بیٹے تھے۔

آپؓ کے والد اپنی کنیت ابوطالب سے مشہور تھے۔ نام عبد مناف تھا۔ یہ سب دس بھائی تھے مگر ان میں تین ابوطالب، عبد اللہ اور زبیر حقیقی تھے باقی علاتی تھے جن کی ماں دوسری تھیں۔ عبد المطلب کی بیماری بڑھ گئی اور صحت کی امید نہ رہی تو انھوں نے اپنے لڑکے ابوطالب کو بلا کر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرورش تم کروگے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے والد نے آٹھ برس کی عمر سے حضورؐ کی پرورش اور نگہداشت

کی۔ یہی وجہ تھی کہ ابوطالب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق زیادہ گہرا اور جذباتی ہو گیا تھا، کیونکہ یہی چچا آپؐ کے مربّی تھے جنھوں نے باپ کا پیار دیا تھا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب ہی اُن کے جانشین ہوئے اور بنو ہاشم کی قیادت اور کعبہ کی مجاورت ان ہی کو ملی جس کی وجہ سے جزیرہ نمائے عرب میں اُن کا حد درجہ عزت احترام تھا۔

قریش کی طرف سے وہ "قسامہ" یعنی تنازعات میں قسم دلا کر فیصلہ کرنے پر مامور تھے۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے اُن کے ایک قسامہ کے واقعے کو اس طرح بیان کیا۔

"زمانہ جاہلیت میں پہلی مرتبہ قسامہ بنو ہاشم کے سپرد ہوئی۔ چنانچہ ایک ہاشمی کو کسی قریشی تاجر نے مزدوری پر رکھا اور اونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے اپنے ساتھ لے چلا گیا۔ سفر کے دوران کسی فرودگاہ پر، اُس مزدور ہاشمی کو اپنا ایک ہم قبیلہ ہاشمی اس نئے ہاشمی نے اُس سے منت سماجت کی کہ میرے برتن کا کڑا علیحدہ ہو گیا۔ ایک رسی دے دو تاکہ میں اُسے باندھ لوں۔ مزدور نے رسی دے دی۔

"جب شام کو اونٹ باندھے گئے تو ایک بندھن کم ہونے کی وجہ سے مزدور ایک اونٹ باندھنے سے قاصر رہا۔ مالک مستاجر نے پوچھا کہ ایک اونٹ آزاد پھر رہا ہے۔ کیا بات ہے؟ مزدور نے بتایا کہ اُس کی رسی نہیں مل رہی۔ پوچھا، بتا، کیا ہوئی؟ اس کے بعد ایک لاٹھی ماری جو مزدور کے سر پر پڑی اور وہ قریب مرگ ہو گیا۔ اتفاق سے اسی اثنا میں اُدھر سے ایک یمنی گزرا۔ مزدور نے اشارے سے پاس بلا کر کہا، تم کبھی حج کے لیے جاتے ہو؟ بولا کبھی کبھار۔ مزدور نے درخواست کی۔ بھئی، کبھی جا کر مکے میں میرا ایک پیغام پہنچا دینا۔ جب وہاں پہنچو تو آلِ قریش کو پکارنا۔ پھر اُن میں سے بنی ہاشم کو مخاطب کر کے ابوطالب کو دریافت کرنا جو اُن کے سردار ہیں۔ اُنھیں بتا دینا کہ فلاں شخص نے صرف ایک رسی کے لیے میری جان لے لی۔

"کچھ وقت گزرنے کے بعد یمنی نے مکّے پہنچ کر ابوطالب کو پالیا اور ہاشمی مزدور کا پیغام اُن کو دیا۔ ابوطالب مُستاجر کے پاس گئے اور کہا کہ تُو نے تو مجھے بتایا تھا کہ ہاشمی بیمار ہو کر مر گیا۔ اب حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ لہٰذا تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرو۔ یا تو قِصاص کے سو اُونٹ دو، یا تمھارے قبیلے کے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ تُم نے قتل نہیں کیا ہے۔ اِن دونوں باتوں کو نہیں مانو گے تو ہم تمھیں قتل کر دیں گے۔" (تلخیص از بخاری)۔

ایک موقع پر ابوطالب قافلۂ تجارت کے ہمراہ مُلک شام پہنچے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ تھے۔ دونوں حضرات بصرے بھی گئے۔ یہ علاقہ رومیوں کے ماتحت تھا۔ یہاں ایک عیسائی درویش جس کا نام بُحَیرا تھا، اپنی خانقاہ میں رہتا تھا۔ اس کی حضورؐ پر نظر پڑی تو ابوطالب کو پاس بُلا کر پُوچھا "کہاں کے رہنے والے ہو؟"

انھوں نے جواب دیا "حجاز کے۔"

بُحَیرا نے پوچھا "حجاز میں کس مقام کے؟"

ابوطالب نے کہا "خاص مکّہ، کعبۂ ابراہیمی کے۔"

اُس نے پوچھا "یہ بچّہ کون ہے؟"

ابوطالب نے بتایا "میں اس کا مُربّی و کفیل ہوں۔ ویسے یہ میرا بھتیجا ہے۔"

بُحَیرا نے سوال کیا "کے برس کا ہے یہ؟"

ابوطالب نے کہا "اس کی عُمر نو سال ہے۔"

اس کے بعد بُحَیرا راہب نے اور چند باتیں پوچھیں اور پھر کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو واپس لے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کوئی دشمن اس کو قتل کر دے۔ کیونکہ اس میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں جو نبی آخرالزّماں کے لیے بیان کی گئی ہیں۔"

بُحَیرا کے پے در پے سوالات اور بعد میں مشورہ سُن کر ابوطالب پریشان سے

ہو گئے اور اپنے مقاصدِ سفر پورے کیے بغیر واپس وطن لوٹ آئے۔

نبوّت کے تین سال بعد اللہ کی طرف سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عام دعوت دینے کا حکم ملا، فرمایا گیا کہ تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اُس کو کھول کر سناؤ اور مشرکین کی پروا نہ کرو۔ حضورؐ نے حکمِ خداوندی کی تعمیل کی۔ جواب میں قریش نے بھی سختی سے مخالفت شروع کیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت علیؓ کے والد اور حضورؐ کے چچا و مربّی ابوطالب نے سرکارِ دو عالمؐ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اب جاہلیت کے حامی قریشیوں کو یہ ہمت نہ تھی کہ آپؐ پر دستِ تعدّی دراز کریں، کیونکہ ایسا کرنا تمام بنو ہاشم سے لڑائی مول لینا تھا، اور بنو ہاشم و اولادِ مطّلب حجاز ہی میں نہیں بلکہ سارے عرب میں اپنی مذہبی سیادت اور کعبے کی مجاوری کی وجہ سے بہت معزز و محترم تھی۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب کی پُشت پناہی کی وجہ سے آپؐ محفوظ ہو گئے ہیں تو چند رؤسا اُن کے پاس گئے اور کہا "آپ اپنے بھتیجے کو منع کیجیے کہ وہ ہمارے بزرگوں اور معبودوں کو برا نہ کہیں۔ ہمارے دین کی مذمّت نہ کریں اور نادانوں کو گمراہ نہ بنائیں۔ اور اگر آپ اُن کو نہیں روک سکتے تو اُن کا ساتھ چھوڑ دیجیے۔ ہم خود نبٹ کر لیں گے۔" ابوطالب نے اُن لوگوں کو نرمی کے ساتھ سمجھا کر واپس کر دیا۔

دعوتِ دین کا سلسلہ جاری رہا تو کافر ابوطالب کے پاس دوبارہ گئے اور کہا "سردارِ بنو ہاشم، تم محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو ہمارے آبائی دین کی تردید و مذمّت سے روک دو، ورنہ ہم تم سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے۔"

قوم سے قطعِ تعلق ابوطالب کے لیے بہت دشوار تھا۔ ادھر وہ بھتیجے کو جو بمنزلہ اولاد کے تھا، نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ بہرحال انھوں نے آنحضرتؐ کو بلا کر کہا "یہ تمھاری قوم آئی ہے اور مجھ سے ایسا ایسا کہتی ہے۔ بھتیجے، تم مجھ پہ اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں اُٹھا نہ سکوں۔"

حضورؐ نے بڑے عزم اور بڑے جوش کے ساتھ کہا "میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا" ابوطالب پر آپؐ کے جواب کا اثر ہوا۔ اُنھوں نے کہا "جاؤ، جو کچھ کرتے ہو کرو۔ میں قوم کو چھوڑ دوں گا مگر تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔"

قریش دارُالشوریٰ کے فیصلے کے مطابق عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر تیسری بار پھر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا:

"اے ہاشمیوں کے سردار! یہ قریش کا چھٹا ہوا صحت مند اور خوبصورت جوان ہے، جس کو ہم سب خوشی کے ساتھ تمھارے حوالے کرتے ہیں۔ اسے اپنا بیٹا بنا لو اور کاموں میں مدد لو۔ لیکن مرحوم عبدُاللہ کے بیٹے محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم اُس کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ آپ جانتے ہیں اُس نے ہمارے اور آپ کے آبائی دین کی مخالفت کی، قریش کے ہر خاندان میں تفرقہ ڈالا اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ آپ کے اور پوری قوم کے سمجھانے کے باوجود بھی راہِ راست پر نہیں آیا۔"

ابوطالب نے جواب دیا "یہ کیسا انصاف ہے کہ میں تو تمھاری اولاد کو اپنا بیٹا بنا لوں اور تم میرے بیٹے کو لے کر قتل کر دو۔"

غرض کہ سیدنا حضرت علیؓ کے والد نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کی مدافعت و حفاظت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ نبوّت کے ڈھائی تین سال بعد جب اسلام کی تحریک عوامی مرحلے میں داخل ہوئی تو اس وقت سے، ۱۰ نبوی کے آغاز تک، ابوطالب سرکارؐ کے لیے سینہ سپر رہے۔ اس مؤیّدانہ عمل میں خونی رشتہ و قرابت کا بھی اثر تھا، اور حق و صداقت کے اُبھرتے ہوئے مہرِ نبوّت کی شعاعوں کا بھی۔

ایک روز سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت علیؓ کے ساتھ وادیِ مکّہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوطالب آنکلے۔ دیکھ کر پوچھا، یہ کیا کر رہے ہو؟ بتایا "اللہ کی عبادت۔ اسے ہم نماز کہتے ہیں۔" کہا، اچھا۔ آپ نے نہ تو ناگواری کا اظہار کیا نہ منع فرمایا۔

ظلم کی چکّی میں پسنے کے باوجود اشاعتِ دین کا کام برابر جاری تھا۔ اب مخالفت
بہت زیادہ بچھر گئے تھے۔ چنانچہ سارے بنی ہاشم سے ہر قسم کا تعلق کٹ گیا۔ اُس
وقت ابو طالب اپنے قبیلے کے ساتھ شعبِ ابو طالب میں محصور ہو گئے۔ تین سال
تک سب پر وہ مصیبت رہی جس کا بیان مشکل ہے۔ کھانے کو جب کچھ نہیں ملتا
تھا تو درختوں کے پتّے اور چھال چبا لیتے تھے، جس کی وجہ سے ان لوگوں کے
مُنھ زخمی اور پیٹ خراب ہو گئے۔ ان مُصیبت زدوں کو کھانے کے لیے کو
انسانی غذا نہ ملتی اور ضعف و نقاہت سے بے ہوش ہونے لگتے تو خشک چمڑا
کو پکا پکا کر کھا لیتے۔

جب نبوّت کا دسواں سال شروع ہوا تو حضرت علیؓ کے والد جناب ابو طالب
کا انتقال ہو گیا۔ حضورؐ کو بہت صدمہ ہوا، اس لیے سیرت نگاروں نے اس
سال کا نام "عام الحزن" رکھا ہے۔

جنابِ ابو طالب کثیر العیال تھے۔ مالی حالت بھی اچھی نہ تھی۔ اس لیے
نبوّت سے تقریباً تین سال پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو پانچ سال
عمر میں، اپنے دامنِ پرورش میں لے لیا تھا۔ اس لیے پانچ سال کی عُمر سے ہی
نے انسانِ اعظمؐ کی شفقت اور پُر اثر صحبت میں تربیت پانی شروع کی۔

قبولِ اسلام اور تربیت :

حضرت علیؓ چونکہ کئی برسوں سے حضورؐ کے سایۂ عاطفت میں تھے، اس لیے اسلام
کی پہلی ہی شعاع کا اُن کی بصیرت نے خیر مقدم کیا۔ انھوں نے ایک دن دیکھا
مہربان بھائی صلی اللہ علیہ وسلم اور بھاوج حضرت خدیجہؓ بالکل ایک نئے طریقے
نئے انداز سے عبادت کر رہے ہیں۔ پہلا مشاہدہ تھا۔ نئی اور تعجب انگیز بات

بی۔ حیرت زدہ ہو کر پوچھا "آپؐ یہ کیا کر رہے ہیں؟"

ہادیِ اعظمؐ نے آسان پیرائے میں، معصوم مخاطب کی ذہنی حالت کا خیال
رکھتے ہوئے۔ اپنی رسالت کا ذکر کیا۔ ہر چیز کے خالق اور مالک کا تعارف کرایا۔
توحید کی دعوت دی اور کفر و شرک کی مذمت میں چند کلمات ارشاد فرمائے۔ حضرت
علیؓ یہ نئی باتیں سُن کر سوچ میں پڑ گئے اور پھر اگلے روز ہی ایمان لے آئے۔ بعد میں
حضورؐ نے ہاشمی خاندان کی مجلس بلائی اور کھانا کھلانے کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر
فرمایا "اے میرے عزیزو! خاندان والو! ہاشمیو! میں تمہارے سامنے دُنیا اور آخرت
کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ تم دینِ حنیف پر قائم ہو جاؤ اور حنفیت قائم کرنے
میں میرا ساتھ دو۔ بولو۔ کون کون لوگ اس کام میں میری مدد کے لیے آمادہ ہیں"۔ کئی
بار حضورؐ نے یہی کہا اور ہر بار یہی آواز آئی کہ "میں"۔ تیسری بار کے استفسار پر اُسی
زاویے سے ایک بچّہ کھڑا ہوا اور اُس نے کہنا شروع کیا "اگرچہ میں اس وقت چھوٹا
ہوں، میری آنکھیں دُکھ رہی ہیں، ٹانگیں پتلی اور کمزور ہیں، تاہم میں آپؐ کا معاون و
مددگار اور قوّتِ بازو بنوں گا"۔ یہ ہر بار اپنی طرف سے آمادگی کے اظہار پر "میں"
بولنے والا، اور آخر میں شاید یہ احساس کر کے کہ میری آمادگی اس وجہ سے قابلِ التفات
نہیں سمجھی جا رہی ہے کہ میں چھوٹا اور کمزور ہوں، اُس بچّے نے آخری مرتبہ اپنے تاثر
کو جواب میں سمیٹ لیا۔ جواب لینے والے رسولؐ تو خیر الہامی فراست والے اور فطرت
شناس تھے۔ سمجھ گئے۔ مگر اولادِ ہاشم کے بڑے بڑے گبرو جوان اُس بچّے کے آگے
مات کھا گئے۔ وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ یہ آٹھ سالہ بچّہ نبیؐ کے سوال کرنے پر
ایجابی انداز میں جواب دینے والا ابوطالب کا بیٹا علیؓ تھا۔

سیرت اور تذکروں کی کتابوں میں حضرت علیؓ کو بچّوں میں سب سے پہلے اسلام
قبول کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ چونکہ ابتدا ہی سے آپؓ نے آغوشِ نبوتؐ

میں پرورش پائی اور اسلام کی بہترین خاتون حضرت خدیجہؓ کی تربیتِ صالحہ میں ر
اس لیے جاہلیت کی تمام مذموم آلودگیوں سے آپؑ کا دامن محفوظ رہا۔ اس کے بع
عہدِ نبوت شروع ہوا تو آپ دعوت و تبلیغ اور وعظ و تقریر کے جلسوں اور انفر
ملاقاتوں میں ہمیشہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے جس کی وجہ سے آپ کے اوصاف
اعلیٰ ہو گئے، دینی بصیرت عروجِ کمال پر پہنچ گئی اور خدا سے تعلق بہت مضبوط
گہرا ہو گیا۔

ہجرت اور دوسرے واقعات :

وحشت زدہ، بوکھلائے ہوئے مشرکین، یہ سوچنے اور طے کرنے کے لیے
کہ مدینے میں مسلمانوں کی خاصی تعداد ہو گئی ہے، خطرہ ہے کہ مکے کے مسلمان بھ
اُن سے جا ملیں اور یکجا ہو کر ہم سے جنگ کریں لہٰذا اِس پُرخطر صورتِ حال سے
کس طرح نمٹا جائے؟ دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ بحث و تجاویز کے بعد ان کفر
طاقتوں نے جو سارے رئیس اپنے ساتھ لے کر جمع ہوئی تھیں، محسنِ عالمؐ کے قتل
کا منصوبہ بنایا۔ اُدھر مخبرِ عالم نے اپنے رسولؐ کو بتایا اور ہجرت کا حکم دیا۔
اس رات جس میں قتل کرنے کے لیے تمام قبائل کے شوریدہ پشت نوجوانوں
کائنات کی سب سے عظیم ہستیؐ کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا، علیؑ کے سپرد یہ ڈیوٹی
گئی کہ وہ رسولِ اکرمؐ کے بستر پر سو جائیں تاکہ ہجوم کر کے آنے والے یہی سمجھیں کہ
صید اپنی جگہ پر ہے۔
رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا کر فرمانے لگے
چادر اوڑھ لو، اور جو امانتیں لوگوں کی رکھی ہیں، وہ اُنھیں واپس کر کے ہمارے
پاس مدینے آ جانا۔ آپؑ نے کہا، بہت اچھا۔ حضورؐ چلے گئے اور آپؑ شمشیر بکف

دشمنوں کے درمیان حضورؐ کی چادر تانے سوتے رہے۔ قبائلِ قریش کے محاصرین کو صبح کے وقت معلوم ہوا کہ بستر پر تو علیؓ ہیں۔ وہ حیرت و استعجاب کی حالت میں گھر میں گھس آئے اور پوچھا، محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کہاں ہیں؟ جواب دیا، "مجھے نہیں معلوم"۔ انھوں نے چپت مارا اور پکڑ کر لے گئے۔ تھوڑی زدوکوب اور کی۔ پھر باندھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کی گرفتاری کو غیر مفید پاکر چھوڑ دیا۔ آپؓ گھر پر آگئے اور متعلقہ لوگوں کی امانتیں انھیں دے کر مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔

پوری رات اور دن کا آدھا حصہ چلتے اور دوپہر کو کسی جگہ چھپ جاتے۔ کئی روز تک یہ سفر اسی طرح جاری رہا۔ کوئی خاص زادِ راہ بھی ساتھ نہ تھا۔ بالآخر چند دن کے بعد قبا پہنچ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم قبا سے روانہ ہوکر جب مدینۂ منوّرہ پہنچے تو علیؓ اسلام کے اس تاریخی جلوس میں شامل تھے۔ مدینے میں مسلمانوں کی آمد کے بعد حضورؐ نے جب مہاجرین کی انصار کے ساتھ اخوّت قائم کی تو حضرت علیؓ محروم رہ گئے۔ چنانچہ آپؓ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا "اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے میری مواخات تو کسی سے کرائی نہیں؟" ارشاد فرمایا "اے علیؓ، تم کیوں آزردہ ہوتے ہو؟ تمھارا بھائی تو میں ہوں، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے لیے "مربد"[1] خریدا گیا۔ اس میں مشرکین کی قبروں، اُن کے کھنڈروں، کھجور کے درختوں اور خودرو جھاڑیوں کو کاٹ کر مسجد کے پلاٹ کو ہموار کرنے کا کام ہوا۔ حضرت علیؓ نے چند دوسرے اصحابؓ کے ساتھ مل کر اس کام کو نمٹایا۔ اس کے بعد تعمیر شروع ہوئی تو بڑی محنت اور سرگرمی سے پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور کبھی مٹی میں پانی ملا کر اس کا گارا تیار کرنے پر مقرر ہوتے۔

۲ ہجری کے اوائل سے چھوٹے چھوٹے سرایا کا سلسلہ شروع ہوا جن میں غزوہ

۱؎ وہ جگہ جو چوپایوں کے رکھنے اور باندھنے کے لیے مخصوص کر دی گئی ہو۔ یہ جگہ پہلے قبرستان کے لیے استعمال ہوتی تھی پھر یہاں جانور باندھے جانے لگے تھے۔

الواء، بُواط، عُشیرہ اور نخلہ وغیرہ شامل ہیں۔ آپ ان غزوات وسرایا میں شریک رہے اور جو خدمت بھی آپ کے سپرد ہوئی، اُس کو انتہائی محنت اور پُورے خلوص سے انجام دیا۔

جنگِ بدر میں آپ کا کردار:

شعبان ۲ ہجری مطابق مارچ ۶۲۴ عیسوی میں مُشرکینِ مکّہ کی قوّت ایک ہزار جنگی سُورماؤں کو لے کر نکلی۔ ان میں چھ سو سپاہی زرہ پوش تھے، ایک سو سواروں کا رسالہ بھی اس قوّت کو مزید طاقتور بنانے کے لیے ساتھ تھا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر لحظہ مستعد و باخبر رہتے تھے۔ آپؐ ۹ رمضان ۲ھ کو اللہ کے پرستاروں کا ایک چھوٹا سا لشکر لے کر مدینے سے نکلے۔ ان کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ تھی۔ سامانِ جنگ، سواریاں اور راشن بہت کم تھا۔ کل ستّر اونٹ تھے۔ اس وجہ سے ہر اُونٹ پر باری باری چار چار آدمی سوار ہوتے تھے۔ صرف دو یا تین گھوڑے تھے۔ لشکر کا ایک سیاہ پرچم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔

۱۷ رمضان (۱۳ مارچ) کو دونوں طرف کے لوگ صف بستہ ہو گئے۔ عربی دستور کے مطابق کافروں نے لڑائی کا آغاز کیا۔ اُن کی صفوں سے قریش کا رئیس، سردار اور نامور بہادر عُتبہ بن ربیعہ مع اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے باہر نکلا اور از راہِ غرور و خود پسندی للکار کر کہا "باہر نکل آؤ، جنھیں اپنے خون میں نہانا ہو۔" مسلمانوں میں سے تین انصاری مقابلے کے لیے بھیجے گئے۔ عتبہ نے کہا "تم تو مدنی ہو۔ ہمارا تمھارا کیا مقابلہ۔ ہمارے مقابلے کے لیے قریش کو آنا چاہیے۔" سرکارؐ خود سپہ سالار

تھے۔ انصار کو واپس بلا لیا گیا اور اب حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ ولید کے۔ حضرت علیؓ شیبہ کے اور حضرت عبیدہؓ بن حرث عتبہ سے مقابلے کے لیے نکلے۔

حضرت حمزہ نے ولید کو تہ تیغ کیا اور حضرت علیؓ شیبہ کی طرف رجز پڑھتے ہوئے بڑھے۔ اُس نے کہا "مقابلے کے دن زبان نہیں چلائی جاتی، تلوار سُونتی جاتی ہے" اُس کی زبان سے ابھی یہ جملہ پورا ہونے بھی نہ پایا تھا کہ علیؓ کی تلوار اُس کی گردن کے پار ہو گئی۔ اب آپؓ نے دیکھا کہ عتبہ، ابن حرثؓ کو زخم لگا چکا ہے۔ یہ دیکھ کر ایک ثانیے میں جھپٹ کر اُدھر پہنچے۔ حمزہؓ بھی آ چکے تھے۔ چنانچہ دونوں نے عتبہ کو ہلاک کر دیا۔

اس کے بعد دونوں طرف سے صفیں ٹوٹ پڑیں اور عام جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت علیؓ نے اس جنگ میں پہلی بار اپنی شجاعت کا ایسا ثبوت دیا کہ اپنے اور بیگانے سب مان گئے۔ جس کے نتیجہ میں اللہ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح ہوئی حضورؐ مالِ غنیمت اور ستر مشرک قیدیوں کو لیے ہوئے ۲۲ رمضان کو واپس مدینے پہنچے۔

حضرت علیؓ کو اُن کی شجاعت و بسالت کی بنا پر آپؐ نے "حیدرِ کرار"[1] کہہ کر مخاطب فرمایا اور اُس دن سے آپؓ حیدرِ کرار کے لقب سے مشہور ہوئے۔

جنگِ بدر سے واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ قبیلہ غطفان کے لوگ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے قصبۂ کُدر میں جمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابنِ مکتومؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام کیا اور اسلامی فوج کا پرچم حضرت علیؓ کو دے کر غطفانیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ آپؐ کی آمد کی خبر پا کر منتشر ہو گئے۔ آپؐ تین

---

[1] یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی جوانمردی اور دلیرانہ انداز کی وجہ سے دیا تھا۔ حیدر کے لغوی معنی شیر کے ہیں اور کرار کے معنی ہیں مقابل کو بھگا دینے والا یا اُس پر تابڑ توڑ وار کر کے ٹکڑے کر دینے والا۔ آپؓ کے اوصاف میں یہ دونوں صفتیں موجود تھیں۔

دن غطفان کے علاقے میں قیام کے بعد مدینے واپس تشریف لائے۔

غزوۂ کُدر سے واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بدر میں ملا ہوا مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرمایا۔ حضرت علیؓ کو اُس میں سے ایک اُونٹ، ایک زرہ اور ایک تلوار ملی۔

بنتِ رسول اللہؐ سے نکاح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اوّلین رفیقۂ حیات اور اسلام کی مایۂ ناز خاتون حضرت خدیجہؓ کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی سیدۃ النّساء فاطمہ زہراؓ تھیں۔ حضورؐ نے مدینے آکر کچھ عرصے بعد حضرت ابو رافع کو مکہ روانہ کیا اور وہ اُمّ المومنین حضرت سودہؓ اور لڑکیوں اُمِ کلثومؓ اور فاطمہؓ کو اپنے ساتھ مدینے لے آئے۔ ابنِ جوزی کی روایت کے مطابق اُس وقت حضرت فاطمہ کی عمر ۱۷ سال ہو چکی ہوگی۔ کیونکہ وہ آپ کی ولادت نبوّت سے پانچ سال پہلے (جس زمانے میں خانۂ کعبہ کی مرمّت ہو رہی تھی) کی تبلاتا ہے۔

بنتِ رسولؐ سے نکاح کی درخواست پہلے حضرت ابو بکرؓ نے کی۔ اُس کے کچھ عرصے بعد حضرت عُمر فاروقؓ نے کی۔ مگر سرکارِ دو عالمؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ بعض اوقات آپؐ کے ذاتی اور نجی معاملات بھی اللہ کے حکم سے طے ہوتے تھے۔ جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کی خواہش کی تو رسالت مآب نے اُن کے ساتھ عقد کر دینے کا فیصلہ فرمالیا۔

حضورؐ نے اپنے بھائیؐ اور پروردہ علیؓ سے پوچھا "تمھارے پاس ادائے مہر کے لیے کچھ ہے؟" جواب دیا، ایک گھوڑے اور زرہ کے سوا میرے پاس تو کچھ نہیں فرمایا "گھوڑا تو جہاد کے لیے ضروری ہے۔ البتہ زرہ کو فروخت کر سکتے ہو"۔ حضرت عثمانؓ نے زرہ کو ۴۸۰ درہم میں خرید لیا۔ تاریخ نکاح طے ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے بلالؓ کو بُلا کر بازار سے خوشبو اور چھوہارے منگائے اور عصر اور مغرب کے درمیان عقد ہو گیا۔ رسالت مآبؐ نے جہیز میں ایک پلنگ، آس کا بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک

مشک پانی کے لیے دی۔

نکاح کے بعد رسمِ عروسی کا وقت آیا تو رسول اللہؐ نے حضرت حارثہؓ بن نعمان کا مکان مستعار دلا دیا اور زوجین نے اُس میں قیام کیا۔ دُوسرے روز ولیمہ ہوا اور اپنی خواہش کے مطابق حضرت علیؓ نے شاندار دعوت کی، جس میں شرکاء کی تعداد بھی خاصی تھی اور کھانا بھی۔ اس سے پہلے آلِ مُطّلب میں اتنے عمدہ کھانوں کا ولیمہ نہیں ہوا تھا۔

دونوں کے بزرگ اور مُربّی حضورؐ تھے۔ زوجین کے تعلقات خوش گوار تھے جس کے لیے آنحضرتؐ کی توجہات شامل تھیں۔ پھر بھی دونوں میاں بیوی کے درمیان گاہے گاہے رنجش ہو جایا کرتی اور اس موقع پر حضورؐ کو صلح کرانی پڑتی تھی۔

ایک مرتبہ تلخ کلامی ہو گئی۔ زہراؓ شکایت کرنے باپؐ کے گھر کی طرف چلیں۔ تعاقب میں علیؓ بھی آئے۔ آپؐ نے بیٹی کی شکایت پر فرمایا "تم کو خود سوچنا چاہیے کہ کونسا شوہر ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ درگزر اور سکوت کا مُعاملہ کرتا ہے۔" حضرت علیؓ نے اس ارشاد کا اثر لیا اور حضرت فاطمہؓ سے کہا "میں آیندہ کوشش کروں گا کہ تمھارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔"

ایک بار صاحبزادی صاحبہؓ کے یہاں حضورؐ تشریف لے گئے۔ آپؐ نے السلام علیکم کہا۔ بیٹی نے جواب دیا۔ پھر پوچھا "علیؓ کہاں ہیں؟" عرض کیا کچھ باتیں ہو گئی تھیں۔ وہ ناراضی میں گھر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا، برہنہ زمین پر سو رہے ہیں کپڑا پہلو سے علیحدہ ہو گیا ہے اور مٹی جسم پر لگ گئی ہے۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے جسم کو جُنبش دی اور از راہِ محبت و خوش طبعی فرمایا "اے ابو تراب اُٹھو! اے ابو تُراب اُٹھو!" آپؓ بیدار ہوئے اور رسالت مآبؐ کے ہمراہ اپنے گھر میں آئے۔ اُس روز سے آپؓ کا لقب ہی ابُو تراب ہو گیا۔

غزوۂ اُحد میں آپؓ کا کردار:

جنگِ اُحد میں بھی اسلامی لشکر کے علمبردار آپؓ ہی تھے۔ بڑی بے جگری اور بہادری سے لڑے۔ اس معرکے کے دوسرے مرحلے میں جب پانسا بدلا اور بے خبری میں اچانک پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ ہوا اور سرکارِ دوعالمؐ اتفاق سے ایک گڑھے میں جاگرے تو حضرت علیؓ نے اُوپر سے ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہؓ نے گڑھے کے اندر کود کر پُشت میں ہاتھ ڈال کر اُٹھایا۔

نابکار ابنِ قمئہ فکر میں لگا ہوا تھا۔ وہ کسی طرف سے بڑھ کر آنحضرتؐ کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اور سرِ مبارک پر تلوار کا وار کیا، جس سے خود کے دو حلقے رُخسار میں دھنس گئے۔ چہرۂ انور لہو لہان ہوگیا۔ اس کے بعد سنگ باری سے آگے کے دو دانت شہید ہوگئے۔ حضرت علیؓ غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے اپنی ڈھال میں بھر بھر کر پانی لا رہے تھے اور اُن کی زوجۂ محترمہؓ دخترِ پیغمبرؐ آبدیدہ حالت میں رُخِ انور سے خون دھو رہی تھیں۔ اس واقعے کا ثبوت بھی مُسلم کی روایت سے سُنیے:

"حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ہاں! خُدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ اُحد کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے زخموں کو کون دھو رہا تھا، کون پانی ڈال رہا تھا۔ اور کیا دوا کی گئی تھی۔ پھر انھوں نے بتایا، فاطمہؓ بنتِ رسول اللہؐ زخم دھو رہی تھیں اور علیؓ ڈھال میں پانی لاکر ڈال رہے تھے الخ۔"

قرآن بتاتا ہے "اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ" (خالقِ کائنات غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے)۔ اُحُد کی لڑائی کے بعد مشرکینِ مکہ کے رئیس اور سپہ سالار ابوسفیان یہ اعلان کر کے کہ آج اُحد میں بدر کی لڑائی کا بدلہ لے لیا گیا

آیندہ سال پھر بدر میں ہم مسلمانوں سے لڑیں گے، چلا گیا۔ حالانکہ اُس نے مال و اسباب پر قبضہ کیا نہ کسی مسلمان سپاہی کو اسیر بنایا نہ مکمل طور پر شکست دینے کا اسے خیال آیا۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل سے تھا، ورنہ وہ اُحد کی وادی میں مسلمانوں کی قوت کو توڑ کر مدینہ شہر پر حملہ کر دیتا تو اس کا جو انجام ہوتا وہ ظاہر ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی اس کوتاہی کو محسوس فرما رہے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا خیال تھا کہ روانگی کے بعد بھی ابوسفیان کو اپنی اس کوتاہی کا خیال آسکتا ہے اور وہ ہمیں شہدائے اُحد کی تکفین میں مصروف سمجھ کر، مدینہ پر پلٹ کر حملہ کر سکتا ہے۔

نوعِ انسانی کے سب سے بڑے لیڈر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے رخصت ہونے کے فوراً بعد حضرت علیؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ ان کے تعاقب میں جاؤ اور دیکھو کہ انھوں نے اونٹوں پر باقاعدہ کجاوے کس لیے ہیں اور گھوڑوں کو کوتل چھوڑ دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو سمجھو کہ اللہ نے انھیں دفع کر دیا ہے۔ وہ اپنے شہر کو جا رہے ہیں۔ اگر اس کے خلاف دیکھو یعنی وہ جلدی میں بغیر کسے کجاووں پر اور خاصی رفتار سے گھوڑوں پر چلے جا رہے ہیں، تو میرے پاس برق رفتاری سے آکر فوراً بتاؤ۔ کیونکہ اس انداز سے وہ مدینے کو لوٹنے اور تباہ کرنے جائیں گے۔

حضرت علیؓ گئے اور تھوڑی دیر بعد آکر بتایا کہ وہ بہت اطمینان سے جا رہے ہیں۔ کوئی جلد بازی ظاہر نہیں ہوتی۔

جنگِ احزاب میں آپؓ کا کردار:

۵ ہجری میں جنگِ احزاب (خندق) ہوئی۔ اس میں مدافعت کے لیے کئی حصّوں

پر خندق کو تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک کمپنی کے کمانڈر حضرت علیؓ تھے۔ مدافعانہ کارروائی کے دوران ایک دن قریش کے چند شہرت یافتہ بہادر اور شہسوار لڑائی کے جوش میں گھوڑے دوڑاتے حملہ کرنے کے لیے بڑھے۔ انھوں نے حضرت علیؓ کے حصے پھلانگنا چاہا۔ ان میں سے ایک مع گھوڑے کے خندق میں گر کر ہلاک ہوا، ایک کو مسلمانوں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا اور بعض خندق کے پار نکل آئے۔ انھی میں ایک بن ودّ عرب کا نامی گرامی شہسوار تھا۔ حضرت علیؓ یہ کہتے ہوئے اُس کی طرف بڑھے تجھے مرنے میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اُس نے کہا، ناتجربہ کار اور ناواقف میں تیری نادانی پر غصہ نہیں کروں گا۔ بہرحال افسوس ہے کہ میرے مقابلے کے لیے کوئی نہیں ہے۔ اتنے میں شیرِ خدا قریب پہنچ گئے اور للکار کر کہا "ہتھیار سنبھال کہ اب تیری موت بات کرنے کی مہلت نہیں دے گی۔" آپؓ نے وار کیا اور اس کا سر کٹ دُور جا پڑا۔ اُس کے ساتھی دوسرے مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے۔ اُس حصہ کے محافظوں پر مشرکین دُور سے تیر برساتے رہے اور شام ہونے تک یہ سلسلہ جاری حضرت علیؓ کی نمازِ عصر قضا ہو گئی جس کی وجہ سے آپؓ بہت افسردہ ہوئے۔ فرماتے ہیں :

"ہم جنگِ خندق میں نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ خدا اُن کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ اُنھوں نے ہمیں مشغول رکھا۔ فرصت ہی نہ دی۔ یہاں تک کہ سُورج غروب ہو گیا۔"

معاہدۂ حُدَیبیہ میں آپؓ کا کردار :

ذیقعدہ ٦ ہجری میں بیعتِ رضوان اور مشرکینِ مکّہ کے ساتھ ایک سمجھوتا

تھا جو صلح نامۂ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان دونوں کاموں میں، جن کی اہمیت کے سبب قرآن نے نہ صرف ان کا ذکر کیا ہے بلکہ ترتیب قرآنی کے لحاظ سے اڑتالیسویں سورۂ فتح اس بارے میں نازل فرمائی ہے، آپؓ شریک تھے۔

بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے اصحاب کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں پروانۂ رضامندی وخوشنودی عطا فرما دیا۔ مذکورہ سورت کی آیت ۱۸ میں اعلان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اُن تمام مومنین سے راضی ہو گیا جو درخت (مغیلاں) کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اور ارشاد ہوا کہ ہم نے اس صلح نامہ کے ذریعے تمھیں فتح مبین عطا کر دی۔ (آیت اوّل)۔ اور بتلایا گیا کہ ہم نے اس صلح نامہ کے ذریعہ مومنین کے دلوں میں سکینت اُتار دی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایک اور ایمان بڑھا لیں۔ یعنی اُن کا خدا پر جو ایمان موجود تھا اُس میں، اِس صلح نامہ کے طے پانے کے بعد مزید اضافہ ہو جائے۔

اِس نصرت بخش، فتح نصیب اور سکینت اثر صلح نامہ کی کتابت کے لیے اللہ کے پیغمبرؐ نے حضرت علیؓ کو منتخب فرمایا، اور یہ کام آپؓ کے لیے عظمت و شان کا باعث بن گیا۔ آپؓ نے اسلامی قاعدے اور شعار کے مطابق معاہدہ یا صلح نامہ کے عنوان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔ مشرکین مکہ کے نمائندے سُہیل نے کہا کہ ہم مسلمان نہیں ہیں ہمیں یہ نہیں چاہیے۔ عربوں کے دستور کے موافق باسمک اللّٰھم لکھو۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اسی طرح لکھ دو۔

دوسری سطر میں آپؓ نے یہ عبارت لکھی ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یعنی یہ وہ (شرائط) ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح قبول فرمائی ہے۔ سُہیل بن عمرو کو اس عبارت پر بھی اعتراض ہوا۔ اُس نے کہا اگر ہم آپؐ کو رسول اللہ تسلیم کر لیتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ اس لیے صرف اپنا

نام ولدیت کے ساتھ لکھائیے۔ ہادیٔ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"ابنِ عمرو! حقیقت تو یہی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، خواہ تم لوگ پسند کرو
ناپسند، چاہے مانو یا نہ مانو۔"

سہیل نے کہا "آپ کا یہ معاملہ اُن لوگوں سے ہے جو آپ کو رسول نہیں مانـ
آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا "اس لفظ کو کاٹ دو۔" مگر فرمانِ نبویؐ کے باوجو
علیؓ کی غیرت اور حمیت نے گوارا نہ کیا کہ رسول اللہ کے لفظ کو مٹائیں۔ مودبانہ عرض
کیا "اے اللہ کے سچے رسولؐ! مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا۔" اس پر خود آنحضرتؐ نے
اپنے ہاتھ سے اُس کو قلم زد کر دیا۔

صلح نامے کی شرطوں میں ایک یہ بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں اپنے ساتھیو
کے ساتھ تین دن ٹھہر کر جائیں گے۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی تو کفار حضرت
کے پاس آئے اور کہا:
"قُل لصاحِبکَ اخراج عنّا، فقد مضیٰ الاجل" اپنے رفیق سے کہو کہ ہمیں
چھوڑ دیں، کیونکہ مقررہ مدت ختم ہو گئی۔

چلتے وقت حضرت حمزہؓ سید شہدا کی بچی نے آپؐ کو دیکھ لیا۔ وہ چچا چچا کہتی
ہوئی دوڑی۔ حضرت علیؓ اُسے لے کر حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور کہا "لو
تمھارے چچا کی بیٹی ہے۔ میں اِس کو لے آیا ہوں۔" اس کے بعد دو اولوالعزم اصحاب
بچی کے مربی بننے کے حقدار پیدا ہو گئے، یعنی حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ۔ حضرت
کا کہنا تھا کہ میرا حق زیادہ ہے۔ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب
کی دلیل یہ تھی کہ یہ میری چچازاد بہن ہے اور پھر میری بیوی اس کی خالہ ہے۔ حضر

یدبن حارثہ فرماتے تھے کہ میرے بھائی کی بچی ہے۔

بالآخر تینوں حضرات اپنے اپنے دعوے لے کر عدالتِ نبوی میں پہنچے۔ حضورِ رم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے حق میں اس بنیاد پر فیصلہ دیا کہ اُن کی بیوی ت حضرت حمزہؓ کی خالہ ہیں اور خالہ کا وجود بمنزلہ ماں کے ہے۔ اس فیصلے کے اتھ ہی تینوں مدّعیوں سے عنایتِ خاص کے طور پر ارشاد فرمایا "اے علیؓ! تم مجھ سے ، اور میں تم سے ہوں۔ اے جعفر! تم سیرت اور صورت میں میرے مُشابہ ہو۔" اور ضرت زیدؓ سے فرمایا "اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا" (اے زید! تم ہمارے بھائی ہو اور رے مولا ہو)۔

ئِ خیبر میں آپؓ کا کردار:

خیبر کے یہودیوں سے لڑنے کے لیے حضورؐ کو اوائلِ مُحرّم، ہجری میں نکلنا ۔ مدینے سے خیبر کا فاصلہ تقریباً دوسو میل ہے۔ پندرہ سو فدائین، جن میں دو سو ارشامل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ مقامِ رجیع پر پہنچے تو رتوں اور باردانے کو وہیں چھوڑ دیا اور لشکرِ اسلامی اپنی منزل کی طرف آگے بڑھ گیا۔

حضرت علیؓ کو اُن دنوں آشوبِ چشم کی شکایت تھی۔ اِس وجہ سے لشکر میں شامل ں ہوئے تھے۔ بعد میں قلق ہوا اور تنہا خیبر پہنچ گئے۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی ایت کو امام بخاریؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"حضرت علیؓ غزوہ خیبر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ، کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں۔ (ایک وقت انھیں غزوہ پر نہ جانے کا شدید احساس ا، پس) انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہؐ سے پیچھے رہ گیا۔ یہ کہہ کر گھر سے نکل

کھڑے ہوئے اور پہنچ کر نبی صلے اللہ علیہ وسلّم سے مل گئے "

خلدون نے لکھا ہے کہ آپ ؓ لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ لیکن اس بارے میں عبدالرحمٰن بن خلدون سے تسامح ہوا ہے کیونکہ بخاری کے آگے ہر تاریخ ناقابل التفات ہے۔

ایک ایک کر کے سب قلعے فتح اور مطیع ہو گئے۔ صرف سب سے بڑا قلعہ قموص باقی رہ گیا۔ اسی میں یہودیوں کا شہسوار مرحب رہتا تھا۔ اس کو فتح کرنے کی بڑے بڑے صحابہ ؓ نے کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ایک دن شام کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ کل صبح میں عَلَم اُس شخص کو دوں گا جو اس قلعے کو فتح کرے گا۔ جامع صحیح میں اس تاریخی معرکے کو بھی ایک سے زیادہ راویوں کے ذریعے حضرت بخاریؒ نے بیان کیا ہے، جن میں سے حضرت سہل بن سعد کی روایت کو ہم درج کرتے ہیں :

" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کل کو میں عَلَم ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالےٰ (یہ قلعہ) فتح کرا دے گا۔ اس کے بعد رات میں لوگ سوچتے رہے کہ دیکھو یہ منصب کس کو ملتا ہے؟ صبح ہوئی۔ ہر شخص آرزومند تھا کہ یہ شرف اُس کو مل جائے۔ لوگ حضورؐ کے پاس اکٹھا ہو گئے۔ فرمایا، ابوطالب کا بیٹا علیؓ کہاں ہے؟ بتایا گیا یا رسول اللہؐ! وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں۔ ارشاد ہوا، اُس کو بلواؤ اور میرے پاس لے کر آؤ۔ حضرت علیؓ آ گئے تو آنحضرتؐ نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا۔ پھر دُعا کی تو وہ اچھے ہو گئے۔ ایسے اچھے جیسے کبھی شکایت ہی نہ تھی۔ پھر پرچم اسلام اُن کے حوالے کیا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا میں اس لیے لڑوں کہ وہ یہودی ہماری طرح مسلم ہو جائیں؟" فرمایا " بلا جذبۂ طیش و لاطفت کے ساتھ جاؤ، میدان میں اُن کے رُوبرو اُترو، اسلام کی دعوت دو، اللہ کے حقوق بیان کرو

للہ گواہ ہے علی! تیرے ذریعے سے اگر ایک آدمی کو بھی ہدایت نصیب ہو گئی تو یہ
تیرے لیے بہت سے سرخ اونٹوں سے بہتر ہو گا۔"

آپؓ اس بخشش و عطا پر مسرور و شاد کام علم ہاتھ میں لیے، اللہ والوں کے
لشکر سے آگے آ گئے، میدانِ جنگ میں پہنچے۔ قموص کے سنگین در و دیوار کے سامنے
کھڑے ہو کر ایک مختصر، جامع اور فصیح و بلیغ تقریر کی، جس میں بتایا ہم کیا ہیں، ہمارا
عقیدہ کیا ہے اور ہماری دعوت کیا ہے۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جھوٹے ماننے
والوں نے کوئی التفات نہ کیا بلکہ جواب میں، اپنی طاقت میں مست، اپنے تجربوں
پر نازاں اور اپنی شجاعت پر فریفتہ مرحب قلعے سے برآمد ہوا۔ وہ گھوڑے پر سوار
تھا اور اُس کا دیو ہیکل قامت سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور یہ رجز
پڑھتا ہوا خراماں خراماں آگے بڑھا:

"قد علمت خیبر انی مرحب، شاک السلاح بطل مجرب اذا الحرب
اقبلت تلھب" (خیبر والے تو خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار بند،
دلیر اور تجربہ کار۔ اور میری کیا حالت ہوتی ہے جب لڑائی کے شعلے بھڑکتے ہیں)۔

علیؓ حیدرِ کرار نے جواب میں کہا:

"انا الذی سمتنی امی حیدرہ، کلیث غابات کریہ المنظرہ، اوفیھم
بالصاع کیل السندرہ" (میرا نام ماں نے اسی وجہ سے حیدر رکھا تھا کہ خونخوار
شیروں کی طرح میرا منظر خوفناک ہے۔ میں لوگوں کو اس طرح ناپتا ہوں جیسے سندرہ
ناپتا ہے)۔

مرحب جذباتی ہو گیا، تلوار میان سے نکال لی اور اُس کا گھوڑا بالکل ابن ابی طالبؓ
کے گھوڑے کے پاس پہنچ گیا۔

شیرِ خداؓ کی تیز تلوار، اُس کی گردن کو اس طرح کاٹ کر نکل گئی جیسے

چھری پیاز کے پیٹ کو تراشتی ہوئی نکل جاتی ہے۔ اس کے قتل ہوتے ہی یہودی ہمت ہار بیٹھے اور یہ قلعہ محاصرے کے بیسویں روز فتح کر لیا گیا۔

دو واقعات :

شعبان ۸ ہجری میں مشرکین مکہ نے جب بنی بکر اور ان کے سردار نوفل کے شریک بن کر خزاعہ پر حملہ کر کے معاہدۂ حدیبیہ کو توڑ ڈالا تو اس نقضِ عہد کے بعد سخت خوف زدہ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے رئیس ابوسفیان کو مدینے بھیجا کہ جا کر بھی صورت معاہدہ کی تجدید کریں۔ وہ مدینے میں اپنی بیٹی زوجۂ رسولؐ ام حبیبہؓ کے پاس آئے۔ پھر مسجد میں جا کر حضورؐ سے ملے۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ عمر فاروق اعظمؓ سے ملاقاتیں کیں۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ فاطمہ زہراؓ اور حضرت حسنؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ حضرت علیؓ نے کہا "میں اس بارے میں آنحضرتؐ سے کچھ نہیں کہہ سکتا اور آپ نے جو کچھ فیصلہ فرما لیا ہے میں اُسے تبدیل نہیں کرا سکتا۔"

ابوسفیان اب حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کچھ زیادہ نہیں تو اپنے اِس لڑکے یعنی حسنؓ کو نانا کے پاس بھیج سکتی ہو۔" انھوں نے فرمایا "جی نہیں۔ میں یہ کام خود کر سکتی ہوں نہ کسی سے کرا سکتی ہوں۔"

ابوسفیان فرطِ غم سے بدحواس سے ہوئے جا رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا "ابوسفیان! میں تم کو ایک تدبیر بتلاتا ہوں۔ تم نسلوں کے رئیس اور بنو کنانہ کے سردار ہو۔ باشندگانِ مکہ کے لیڈر اور نمائندہ ہو۔ تمھیں کسی تعارف کی ضرورت کیا۔ اُٹھو اور سیدھے مسجد میں چلے جاؤ اور پکار کر کہہ دو کہ میں تجدید عہد کرنے آیا تھا، حضورؐ

اقات اور مقصد بیان کر چکا ہوں۔ اور پھر اپنے شہر واپس ہو جاؤ۔"

ابوسفیان کے سرگشتہ دماغ میں یہ بات آگئی۔ مسجد میں آتے اور یہ پکار کر کہ میں
ب از سرِ نو عہد و میثاق کر کے آج اپنے شہر کو لوٹ رہا ہوں، واپس چلے گئے۔
مکّے والوں کو جا کر بتایا تو انھوں نے کہا "ہمارے خیال میں تو علیؓ نے تم سے مذاق
کیا ہے۔"

مکّے پر لشکر کشی سے کچھ پہلے کا دوسرا واقعہ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا ہے، جنھوں
نے ایک خفیہ خط ایک گانے بجانے والی عورت کے ذریعے قریش کے سرداروں
کو بھجوایا تھا تاکہ وہ ان کی اس خیر خواہی سے متاثر ہو کر اُن کے اقربا کو جنگ کے
زمانے میں کچھ نہ کہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس واقعے سے عین وقت پر خبردار
کر دیا اور آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم نے خط مذکور کی بازیافت کے لیے عورت کے
تعاقب میں حضرت علیؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ اور حضرت زبیرؓ کو روانہ فرمایا اور حکم
دیا کہ تیزی سے جاؤ، روضۂ خاخ کے مقام پر (مدینے سے بارہ میل مکّے کی جانب)
تم کو ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین کے نام حاطبؓ کا ایک خط ہے۔ جس
طرح بھی ہو اُس سے وہ خط حاصل کرو۔ اگر وہ دے دے تو اُسے چھوڑ دینا، نہ دے
تو قتل کر دینا۔

یہ حضرات جب اُس مقام پر پہنچے تو عورت وہاں موجود تھی۔ اُس سے خط مانگا
جواب ملا میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ تلاشی لی مگر کوئی خط نہ ملا۔ بالآخر انھوں نے
سختی سے کہا کہ خط ہمارے حوالے کر، ورنہ ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ جب اُس نے سمجھ لیا
کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکال کر ان لوگوں کے
سامنے ڈال دیا اور وہ اُسے حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ اُس میں قریش کو لکھا گیا

تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تم پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔[1]

تسخیرِ مکّہ اور جنگِ حُنَین میں آپؓ کا کردار:

۱۰ رمضان ۸ ہجری کو اللہ کے رسولؐ دس ہزار اصحاب کے ساتھ مکّے کی طرف روانہ ہوئے تو ہر قبیلہ اپنے سردار کے پیچھے، مسرت و مستی کی کیفیتوں میں محوِ خرام ہو۔ لیکن ایک علَم پُورے لشکر کا سب سے بڑا بھی تھا اور سب سے آگے بھی۔ اُس کو حضرت سعدؓ بن عُبادہ خزرجی بُلند کیے ہُوئے تھے۔

مَرُّ الظہران میں روشنیاں کرنے اور رات گزارنے کے بعد، یہ پرستارانِ خُدا جب مکّے کے قریب پہنچے تو حضرت سعدؓ بن عُبادہ کی نظر ابوسفیان پر پڑ گئی اور وہ جوش

---

[1] ہم اس واقعے کو جزوی طور پر لکھ کر اُس کے نفسِ ماہیت پر اجمالاً تشریحی نوٹ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ قارئین کوئی نامناسب تاثر نہ لے لیں۔ نیز حضرت حاطبؓ کے اس واقعہ میں اُمّتِ مُسلمہ کے لیے کئی پہلوؤں سے جو سامانِ فکر و بصیرت موجود ہے اس کی طرف بھی چند اشارات کر دیے جائیں۔

حضرت حاطبؓ سے اس حرکت کی وجہ معلوم کی گئی تو انھوں نے جو کچھ جواب دیا اُس کا خلاصہ یہ ہے "میرے اہل و عیال مکّے میں ہیں جن کا قریش سے نسبی تعلق نہیں ہے۔ مہاجرین میں سے دوسرے جن لوگوں کے اہل و عیال مکّہ میں ہیں، اُن کو تو اُن کا قبیلہ بچالے گا مگر میرے متعلقین کو وہاں کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے۔ میرا دل اُن میں پڑا تھا اور جذبات سے مغلوب ہو کر قریش کو میں نے خط لکھ دیا تاکہ قریشیوں پر میرا احسان قائم ہو جائے جس کا لحاظ کر کے وہ میری ماں، بیوی بچّے اور بھائی وغیرہ کو مسلمانوں کے حملے کے وقت مامون رکھیں۔ ویسے میں نادم ہوں، خطا کار ہوں۔ میں نے گھناؤنا جرم کیا ہے۔ اللہ مجھے معاف فرمائے"۔ حضورؐ نے اُن کا یہ بیان سُن کر حاضرین سے فرمایا "قَدْ صَدَقَكُمْ" یعنی حاطبؓ نے تم سے سچّی بات کہی ہے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں حاطبؓ کافروں کی مدد بھلا کیسے کر سکتا ہے۔ رحمتِ عالمؐ نے حاطبؓ سے فرمایا "میں نے تمھیں معاف کر دیا"۔ قرآن نے دوسری تنبیہات کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ قیامت کے دن نہ تمھاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی نہ تمھاری اولاد۔ اُس روز اللہ تمھارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور وہ تمھارے ہر کام پر نظر رکھے ہوئے ہے (الممتحنہ: آیت ۳)

حضرت حاطبؓ اُن مہاجرین میں سے ہیں جو اہلِ بدر ہیں اور جن کے گناہ معاف ہو چکے تھے۔ مگر اس کے باوجود اُن سے یہ جُرم سرزد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی۔ یہ واقعہ بھی منجملہ اُن بہت سے شواہد کے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ بے خطا نہیں تھے۔ اُن سے بھی بشری کمزوریوں کی بنا پر خطائیں سرزد ہو سکتی تھیں ہوئیں۔ اُن کے احترام کی تعلیم اللہ اور اُس کے رسولؐ نے دی ہے مگر اُس کے تقاضوں میں یہ بات شامل نہیں ہے کہ اُن سے کبھی اگر کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو اُس کا ذکر تعبیرِ سیرت و کردار کے لیے یا علمی بیان و انداز میں بھی ہرگز نہ کیا جائے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ اُن باتوں کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کرتا، اور نہ صحابہؓ، تابعین، مفسرین اور محدثین ان کی روایات اور تفصیلات بیان کرتے۔

ں آکر تھوڑی بلند آواز سے اس طرح نغمہ سنج ہو گئے۔

الیوم یوم الملحمۃ　　　الیوم تحل الحرمۃ

آج لڑائی کا دن ہے　　　آج حرمتِ کعبہ حلال ہے

اولادِ آدم میں سب سے بڑے انسان، سب سے بڑے انسان ساز اور سب سے اونچے ہادیؐ نے ابنِ عبادہؓ کے جذبات کا فوری نوٹس لیا۔ کیونکہ رحمتِ عالمؐ ہی دیر بعد "لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء[1]" کا جانی دشمنوں کے لیے، اللہ کی اس زمین پر پہلی بار، اعلان کرنے والے تھے۔ لہٰذا تا دیبًا پرچمِ اسلام ابنِ عبادہؓ سے لے لیا گیا اور اب نگاہِ انتخاب ابنِ ابوطالب ابوترابؓ پر جا کر ٹھہری۔ اشارے سے بلایا اور حضرت ابراہیمؑ کے حرمِ مقدس کو بتوں سے پاک کرنے کے لیے جو بت شکنوں کا گروہِ پارسایاں آ رہا تھا، اب اس کے علمبردار حیدرِ کرارؓ تھے۔

اللہ والوں کی فوج مختلف اطراف سے مکے میں داخل ہوئی۔ حضرت ابوتراب علیؓ ی طویٰ کی جانب سے داخل ہوئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صادر ہو چکا تھا کہ مکے کے کسی شخص سے انتقام نہیں لیا جائے گا، بلکہ عفو و درگزر کے علاوہ ہربانی اور محبت کا سلوک کیا جائے گا۔ چند آدمی ایسے تھے جنھوں نے خاص جرائم کیے تھے اور شاید خلقِ عظیم نے ایمائے خداوندی کے تحت ان کے قتل کا حکم دیا۔ ان میں ایک حویرث بن نفیل بھی تھا۔ اس شخص نے ہجرت سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ ناقابلِ بیان سختیاں اور معاندانہ سرگرمیاں جاری رکھی تھیں۔ عین مکے میں داخلہ کے روز حضرت علیؓ نے اسے خود اپنی تلوار سے جہنم رسید کیا۔

خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک اور مکے کے شہریوں سے بیعتِ اطاعت لینے کے بعد حضورؐ نے مضافاتِ مکہ میں مجاہدین کی جماعتیں بھیجیں کہ وہ لوگوں کو اصنام پرستی

---

[1] یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

سے روکیں اور خدائے واحد کی عبادت و بندگی کے لیے وعظ کریں۔ اس مہم کے
سلسلے میں حضرت خالد بن ولیدؓ بنو کنانہ کی طرف اپنے ساتھ مجاہدین مبلغین کی ایک
جماعت لے کر روانہ ہوئے لیکن اُن لوگوں نے اُن کے وعظوں کا اثر نہیں لیا یسیفُ اللہ
خالدؓ کی فطرت "جہاد بالسّیف" نے زور کیا۔ انھوں نے کنانہ والوں کو مارا اور اُن کے
مال اسباب پر قبضہ کر لیا اور پھر ساری روداد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی
آپؐ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اور سیدنا حضرت علیؓ کو ایک جمعیت اور اُس سامان کے
ساتھ، جو حضرت خالدؓ لے آئے تھے، کنانہ والوں کے پاس روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے
اُن کا سامان واپس کیا اور ہر مقتول کا خُون بہا اُس کے وارث کو دیا۔

ہادئ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو یہ نہیں سکھایا تھا کہ قوت
کی لاٹھی گھما کر بس علاقوں پر علاقے فتح کر لو، اور انسانوں کو اندر سے تبدیل کیے بغیر جبر
کی لاٹھی سے بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکتے پھرو۔ ہر چیز تلوار کی نوک سے منواؤ اور ہر تبدیلی
نیزے کی انی اور تلوار کی دھار سے کر کے چھوڑو۔ ایسی جباری و قہاری تاریخ کے
ہر طالب علم کو دنیا کے سارے فاتحین کے یہاں مل جائے گی، مگر ہمارے رسُولؐ اور اُن
کے تربیت یافتہ اصحابؓ کے یہاں اس طرح کا کوئی ایک ادنیٰ واقعہ بھی نہیں ملے گا
کیونکہ جباری صرف چار دن چل سکتی ہے اُس کے بعد دل بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں
دوسرے اللہ نہیں چاہتا کہ لوگ بے دلی سے اُس کے دین میں آئیں۔ وہ تو یہ دیکھنا چاہتا
ہے کہ حق کو حق سمجھ کر اُس کے راستے پر پوری یکسوئی کے ساتھ کون بڑھتا ہے۔
بنو کنانہ اسلامی نظام کے اس دل کش عمل سے غور و فکر میں پڑ گئے اور دوسرے
ہی روز سے وہ مسلمانوں کے نورانی نظام میں تیزی سے داخل ہونے لگے۔

اسلامی انقلاب کے قائد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد علیؓ کو
جذیمہ اور مذحج کے قبائل اور سرداروں کے علاقوں میں اسلام کی روشنی پہنچانے

کے لیے بھیجا۔ آپؓ نے تبلیغ و تذکیر کے ذریعے ان آبادیوں کو خیر و بھلائی کے راستے پر ڈال دیا اور اس طرح پورا علاقہ صداقت کے نور سے جگمگا اٹھا۔ وہاں کے باسیوں کو وہ کچھ مل گیا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

فتحِ مکہ کے زلزلہ افگن واقعے نے عرب کو اس سرے سے اُس سرے تک جھنجھوڑ کر خوابِ غفلت سے جگا دیا اور کعبۂ ابراہیمیؑ جھوٹے خداؤں سے صاف ہو گیا۔ اس انقلاب آفریں فتح نے اکثریت کو مائلِ صداقت کر دیا مگر بعض قبیلے تعصب کے روگی تھے۔ اُن کے کانوں میں اذان کی آواز نہیں پہنچ سکی۔ یہ ہوازن اور ثقیف کے لوگ تھے۔

ابھی فتح کے بعد حضورؐ مکہ ہی میں تھے کہ یہ خبریں ملیں۔ چنانچہ لشکر تیار کر کے چلے۔ پرچم حضرت علیؓ کے سپرد ہوا۔ وادیٔ حُنین میں پہنچے تو کمین گاہوں سے نکل کر صبح کی تاریکی میں کافروں نے شدید حملہ کر دیا۔ اسلامی فوج تتر بتر ہو گئی۔ صرف چند آدمی تھے جو اس مرحلے پر آنحضرتؐ کے پاس جان نثاری کے لیے رہ گئے۔ انھی میں شیرِ خدا حضرت علیؓ بھی تھے۔ آپؓ کو اپنی بسالت و شجاعت کے اظہار کا اچھا موقع مل گیا اور اس قدر جاں فروشی سے لڑے کہ آپؓ اور آپ کے چند ساتھیوں کی استقامت کو دیکھ کر چند لمحوں کے بعد تقریباً سو آدمی وہاں جمع ہو گئے اور سب نے جانوں پر کھیل کر پُرزور حملہ کیا۔ آس پاس سے بکھرے ہوئے مسلمان بھی آ آ کر حملہ میں شریک ہوتے رہے اور ہاری ہوئی جنگ جیت لی گئی۔

اعلانِ براءت :

حجۃ الوداع سے پہلے سال ۹ ہجری میں جب زمانہ حج بالکل قریب آ گیا تو حضورؐ نے تین سو مشتاقانِ زیارت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر روانہ فرمایا۔

اس کے بعد خُدا کے رسول پر کچھ احکام و ہدایات نازل ہوئیں جو قرآنِ حکیم کی ترتیب میں نویں سُورہ "التوبہ" کی پہلی آیت سے لے کر پانچویں رکوع کی آخری آیت ۳۷ تک بیان ہوئی ہیں۔ اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اس ہدایت نامہ کو حضرت ابوبکرؓ کو بھیج دیجیے تاکہ وہ حج کے اجتماع میں انھیں سُنا دیں۔ آپؐ نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ کسی اپنے خاندانی آدمی کو بھیجوں"۔ لہٰذا آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ آیات دے کر امیرِ حج کے پاس اعلانِ براءت کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اور آپؓ نے بیت اللہ شریف پہنچ کر منیٰ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ جنھیں حضرت صدیق اکبرؓ نے اعلانِ عام پر مقرر کیا تھا، مُنادی کی۔ اِس میں چار باتیں تھیں:

۱۔ جنّت میں غیر مُسلم داخل نہ ہوگا۔

۲۔ اس سال کے بعد کوئی مُشرک حج کے لیے نہ آئے۔

۳۔ بیتُ اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہ کیا جائے گا۔

۴۔ جن مُشرکین سے مسلمانوں کے معاہدے ہو چکے ہیں، اُن کی مقررہ مدّت تک پابندی کی جائے گی۔ اور جن سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے اُن کو چار ماہ کی مُہلت ہے۔ اس کے بعد اللہ اور اُس کا رسولؐ اُن سے بری الذمہ ہیں۔

اسلامی ریاست کے اس سرکاری اعلان سے اُن مکروہ اور شرم سے عاری طریقوں کی زنجیر کٹ گئی جو یہاں کے رہنے والوں نے صدہا برسوں سے حج اور طواف کے لیے جاری کر رکھے تھے۔ مثلاً یہ لوگ ننگے ہو کر کعبے کا طواف کرتے، کعبے کے گرد چکر لگاتے ہوئے مُنھ سے سیٹیاں بجاتے۔ جاہلیت میں عربوں کے اندر بہت سے اندھے بھرے اعتقاد جڑ پکڑے ہوئے تھے جن کی تحریک پر وہ ایسے متعفن اعمال، عبادت سمجھ کر کرتے آئے تھے۔ اب روشنی و نُور کا زمانہ آچکا تھا اور انسان کی گُم کردہ راہ عقل کو ہاتھ پکڑ کر اسلام صراطِ مستقیم پر ڈال چکا تھا۔ جزیرہ نمائے عرب کی اکثر آبادی

راہِ راست پر گامزن ہو چکی تھی۔ اس لیے اقلیت کے اعتقاد اور جاہلیت کے نیچے کھچے
ار ماحول سے مرعوب ہو کر بغلیں جھانک رہے تھے۔

یمن کی گورنری پر آپ کا تقرّر:

خلفائے راشدینؓ میں یہ خصوصیت صرف حضرت علیؓ کو حاصل ہے کہ وہ عہدِ نبوتؐ
میں یمن کے سربراہ اور قاضی بنا کر بھیجے گئے۔ آپؓ سے پہلے وہاں کے سربراہ حضرت خالد
سیف اللہؓ تھے۔ اُنھوں نے صوبہ یمن سے خمس زکوٰۃ کی رقم مرکزِ رسالت میں نہیں بھیجی تھی۔
چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جگہ حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا، اور آپؓ
سے فرمایا کہ خالدؓ کے ہمراہیوں سے کہنا کہ تم میں سے جو لوگ یہیں اقامت کرنا چاہیں وہ
رک سکتے ہیں۔ حضورؐ کی طرف سے اجازت ہے۔ اور جو اصحاب حضرت خالدؓ کے ساتھ واپس
جانا چاہیں، وہ چلے جائیں۔ حضرت براءؓ بن عازب بھی خالدؓ کے ہمراہ گئے ہوئے تھے
وہ وہیں تھے مگر وہ یمن ہی میں رہے۔ واپس نہیں آئے۔

حضرت خالدؓ نے مالِ زکوٰۃ حضرت علیؓ کو دے دیا۔ اُنھوں نے اُس میں سے کچھ
اپنے لیے رکھ لیا اور مابقی بھیج دیا۔ حضرت بریدہؓ یہ دیکھ رہے تھے۔ وہ پہلے حضرت علیؓ کو
اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ یہ عمل دیکھ کر اُنھیں بُرا معلوم ہوا۔ اور جب وہ مالِ زکوٰۃ خدمتِ
رسالتؐ میں پہنچا تو بریدہؓ نے بہ طورِ شکایت حضرت علیؓ کے لینے کا ذکر کیا۔ آنحضرتؐ
نے فرمایا "بریدہؓ! تمھیں یہ بات ناگوار نہیں ہونی چاہیے کیونکہ علیؓ کا عاملِ زکوٰۃ کی
حیثیت سے اُس سے زیادہ حق ہے جو اُنھوں نے لیا ہے۔"

حجۃ الوداع میں آپ کی شرکت:

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا۔ اور پراگندہ حال اور خوابیدہ ضمیر لوگ

ایک مرکزِ عبادت میں جمع ہوگئے اور اُن کو اخوّت و مواسات کے رشتے میں باندھ کر پیوست کر دیا اور وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح بن گئے، اور جب اللہ کی زمین کے ایک حصّے پر خدا کی فرماں روائی جاری ہوکر انسانیت کے لیے مثال اور روشن مینار بن گئی، گویا اب رسالت کا کام ختم ہوگیا اور پھر سورۂ النصر کی شکل میں، مَلاءِ اَعلیٰ پر واپس بلانے کا اشارہ ہوا تو اللہ کے رسولؐ نے اللہ کے گھر میں جاکر ایک آخری وعظ کہنے کا ارادہ فرمایا۔

حضورؐ نے مہاجرین و انصار کی بڑی تعداد، سو اُونٹ اور ازواجِ مطہرات کو ہمراہ لیا۔ حضرت فاطمہؓ بھی ساتھ تھیں۔ اتوار کے دن ۵ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو مکّے میں داخل ہوئے۔ حضرت علیؓ اطلاع پاکر یمن سے روانہ ہوئے، حرم شریف میں حاضر ہوئے اور سلام بجالائے۔

آپؓ نے اصحاب رسولؐ سے پوچھا کہ حضورؐ نے احرام کس نیت سے باندھا ہے بتایا گیا کہ حج اور عُمرہ دونوں کی نیت سے۔ چنانچہ آپ نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؓ ہدی (قربانی کے جانور) یمن سے ہمراہ لائے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ علیؓ! تم نے احرام کس طرح باندھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا "جس طرح حضورؐ نے باندھا ہے یعنی حج و عمرہ کا"۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اچھا، طوافِ زیارت کے بعد رُک جاؤ۔ صرف عُمرہ پر اکتفا نہ کرو، کیونکہ تم ہدی لاچکے ہو محرم رہو۔

قربانی کے روز ۱۰ ر ذی الحجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اُونٹوں میں سے کچھ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد فرماکر حکم دیا کہ ان کو ذبح کرو، یا ذبح کرالو۔ مگر گوشت یا کھال کی صورت میں قصاب کو معاوضہ نہ دو۔ علیحدہ سے اُجرت دے سکتے ہو۔ اس کے بعد گوشت، کھالیں اور جانوروں کی جھولیں تقسیم کر دینا۔

(علا)لتِ نبوی ؐ کے دوران تین واقعات :

حضور سرورِ کائنات ؐ کے ایام علالت میں سیدنا حضرت علیؓ کے تین واقعات
(صحیح) بخاری کو ماخذ بنا کر درج کرتے ہیں :

۱۔ وفات سے چار دن پہلے جمعرات کے دن آنحضرت ؐ نے سکون حاصل کرنے
(کے) لیے سات مشک پانی اپنے اوپر ڈلوایا اور مسجد میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ ظہر کے
(وق)ت حضرت علیؓ اور حضرت عباس آپ ؐ کو اُس وقت لائے کہ جماعت کھڑی ہو چکی
(تھی)ں ۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ انھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر آپ ؐ نے اشارے
(سے) روکا اور اُن کے پہلو میں بیٹھ کر اس طرح نماز پڑھائی کہ آپ ؐ امامت کر رہے تھے اور
(ابو)بکرؓ مکبّر تھے[1]

۲۔ سلسلۂ علالت شروع ہونے کے پانچ دن کے بعد، پیر کے دن، حضور ؐ حجرۂ
(ع)ائشہ صدیقہؓ میں، دوسری بیویوں کی اجازت سے، دو آدمیوں کے سہارے اس طرح
(آ)ئے کہ زمین پر لٹکے ہوئے پاؤں لگ رہے تھے۔ لانے اور سہارا دینے والوں میں
(ا)یک حضرت عباسؓ اور دوسرے حضرت علیؓ تھے[2]

۳۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب حضور ؐ کے مرضِ وفات میں گھر سے یعنی حضور ؐ کے کمرے
سے باہر نکلے۔ اصحابؓ نے پوچھا، ابوالحسنؓ! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی طبیعت
(ک)یسی ہے ؟ آپؓ نے بتایا، بحمد اللہ ٹھیک ہے۔ عباسؓ بن عبدالمطلب نے حضرت علیؓ
کا ہاتھ پکڑ کر کہا، "خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ واللہ! میرا خیال ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اسی مرض میں انتقال ہو جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اولادِ
(عبد) مُطلب کا چہرہ موت کے وقت کیسا ہو جاتا ہے۔ چلو! ہم رسول اللہ ؐ سے دریافت

---

[1] بخاری و مسلم، باب النہی عن بناء المساجد علی القبور [2] بخاری کتاب الوضوء باب الغسل۔

کریں کہ یہ امر یعنی خلافت کس کے سپرد ہو گا؟ اگر یہ خلافت ہمارے سپرد ہو، تو ہمیں معلوم
ہو جائے گا اور اگر دوسروں میں ہو تب بھی ہمیں خبر ہو جائے گی اور آپؐ ہمارے متعلق
وصیت تو کر ہی جائیں گے۔" حضرت علیؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم! اگر ہم نے اس بارے
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور آپؐ نے انکار کر دیا تو پھر ہمیشہ کے
اُمید جاتی رہے گی۔ اور میں تو اس بارے میں ہرگز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نہیں پوچھوں گا"[۱]

واقعۂ افک:

شعبان ۵ ہجری میں حضورؐ بنو مصطلق سے جنگ کے لیے جانے لگے تو حسبِ
عادت قرعہ ڈالا جو عائشہؓ کے نام نکلا۔ آپؐ اُن کو ہمراہ لے گئے۔ مقامِ قدید پر
بنو مصطلق کو شکست دے کر واپس ہو رہے تھے تو رات ہو گئی۔ آپؐ وہیں فروکش
ہو گئے۔ سحر ہونے سے پہلے اُمّ المومنینؓ رفعِ حاجت کے لیے گئیں۔ ادھر لشکر کی روانگی
ہو گئی۔ آپؓ جس ہودج میں سوار ہوتی تھیں، لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ آپؓ اس میں سو
ہو چکی ہیں اُٹھا کر اُونٹ پر رکھ دیا۔ لوٹیں تو لشکر جا چکا تھا۔ آپؓ نے خیال کیا کہ جب
ہودج خالی ملے گا تو حضورؐ کسی کو بھیجیں گے جو مجھے لے جائے گا۔ آپ بہت ہلکے
والی اور کم عمر تھیں۔ نیند زیادہ آتی تھی۔ بہر حال چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں اور نیند آ گئی
حضرت صفوان بن معطلؓ کی لشکر کی دیکھ بھال کی ڈیوٹی تھی۔ وہ ادھر سے گزرے
پہچان گئے۔ حکمِ حجاب سے پہلے وہ بارہا دیکھ چکے تھے۔ بدری صحابی تھے۔ اُنھوں
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور اپنے اُونٹ پر بٹھا کر لے آئے۔ اس
منافقین نے بہتان کا طوفان کھڑا کر دیا۔ اُن کے بہکانے میں آ کر چند مسلمان بھی

[۱] بخاری: کتاب المغازی باب مرض النبیؐ

غلط فہمی میں پڑ گئے۔ روایات میں تین آدمیوں کے نام ملتے ہیں: مسطح بن اثاثہ رضؓ،
حسان بن ثابت رضؓ اور حمنہ بنت جحش۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ اپنے والد کے ہاں گئیں۔ اُن کے پیچھے رسول اللہ
صلّے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضؓ اور حضرت اُسامہ بن زید رضؓ کو مشورہ کے لیے بلایا۔
اسامہ رضؓ نے حضورؐ کی عفّت مآب بیوی کے لیے اپنے علم و فہم کے مطابق کلمۂ خیر
کہا۔ عرض کیا:

"اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ کی بیوی میں ہم نے تو کوئی چیز بھلائی کے
سوا کبھی نہیں دیکھی۔ ہمارے خیال میں یہ سب کچھ کذب اور جھوٹ ہے۔ آپؐ
اس کی مطلق پروا نہ کریں۔"

حضرت علی رضؓ نے کہا "یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم! عورتوں کی کیا کمی ہے۔
آپؐ اس کی جگہ دُوسری بیوی کر سکتے ہیں۔ اور تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو خدمت گار
لونڈی کو بُلا کر حالات دریافت فرمائیں۔ وہ ٹھیک ٹھیک بتلا دے گی۔"

کم و بیش ایک مہینے تک اللہ کے رسولؐ کی زوجۂ محترمہ رضؓ اور حضورؐ خود اِن
افواہوں کی وجہ سے سخت اذیّت میں مُبتلا رہے۔ اِس کے بعد بُہتان کے سلسلے میں
سُورۂ نُور نازل ہوئی، جس کے نو رکوع میں دُوسرا اور تیسرا رکُوع خاص اس بہتانی
طوفان کے لیے اور باقی حصّے معاشرتی اصلاح کے لیے شریعتِ الٰہی کے نفاذ کے
بارے میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ
قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ (النّور: آیت ۱۲)۔ (جس وقت تم لوگوں نے (ان
غلط اور بے ہُودہ باتوں کو) سُنا تھا، اُسی وقت بلا تامّل اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں
کو حُسنِ ظن سے کام لینا چاہیے تھا کہ یہ تو صریح بُہتان ہے۔"

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت اُسامہ رضؓ نے ایسا ہی کیا تھا اور اس ہنگامہ آرائی کو جھ
کا ایک پلندہ قرار دیا تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے اصولی وقانونی جواب دیا۔ وہ الزام ل
والوں میں ہرگز شامل نہیں تھے۔ امام زہری نے دو بزرگوں کے نام لے کر بتایا کہ ا
نے کہا، حضرت عائشہ رضؓ علیؓ کو واقعۂ افک سے علیحدہ اور محفوظ سمجھتی تھیں [۱]

"حضرت امام زہریؒ نے بتایا کہ دو افراد، ابوسلمہ بن عبدالرحمان اور ابوبکر بن عبد
بن حارث، نے مجھے خبر دی ہے کہ ہم دونوں سے اُمّ المومنین عائشہ رضؓ نے بیان کیا
کہ علیؓ اُن کے بارے میں محفوظ تھے۔"

خلافتِ صدیقی میں میراثِ نبویؐ کا مسئلہ:

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے بتایا کہ جب حضورؐ نے وفات پائی تو تھوڑے
جَو کے سوا ہمارے گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا [۲]۔ وفات کے وقت آپؐ کی زرہ ایک
یہودی کے یہاں تین صاع جَو پر گروی رکھی تھی، اور جن کپڑوں میں وفات پائی
انتہائی بوسیدہ تھے۔ اُن پر تلے اُوپر کئی کئی پیوند لگے ہوئے تھے [۳]۔ فرمایا کرتے اِنّما
اَنَا قَاسِمٌ (میں تو بانٹنے والا ہوں)۔ ایسے قاسم اور صاحب کرمؐ کے پاس کیا تھا
اُس کے وارث گِن گِن کر لیتے۔ حضرت عمروؓ بن حویرث اُمّ المومنین جویریہؓ کے بھائی
اِطلاع کو امام بخاریؒ نے لیا ہے جو یہ ہے:

"آنحضرتؐ نے وفات کے وقت کچھ بھی تو نہ چھوڑا۔ نہ درہم نہ دینار، نہ غلام نہ لونڈی، نہ
کچھ۔ البتہ (جہاد کا سامان) سفید خچر اور ہتھیار تھے اور کچھ زمین تھی جو آپؐ عام مسلمانوں
کے لیے صدقہ کر گئے۔"

یہ زمین جس کا ذکر حضرت عمروؓ نے اس حدیث میں کیا، تین مقامات پر تھی

---

[۱] بخاری: کتاب المغازی، باب حدیث الافک۔ [۲] مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۰۸۔ [۳] بخاری: کتاب الجہاد اور کتاب

یں، یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کی۔ خیبر میں، یہودیوں کی۔ فدک (خیبر کے متصل ایک گاؤں) میں، یہودیوں کی۔ یہ وہ زمینیں تھیں جو فے میں شمار ہوتی تھیں۔ ایسی ساری جائیداد و مال کو اللہ تعالےٰ نے سورہ الحشر کی آیات ۶ اور ۷ میں اللہ اور رسولؐ اور قرابت مندوں و مسکینوں وغیرہ کا قرار دیا ہے۔ اس حکم کے مطابق وہ حضورؐ کے پاس تھیں۔ آپؐ حسب منشا اُس میں سے اپنے لیے لے لیتے اور باقی حسب فرمان دوسرے مستحقین پر خرچ کر دیتے۔ یہ زمینیں اور باغ جو آپؐ کے فریضۂ نبوت کے طور پر آپؐ کے اختیار اور انتظام میں تھیں، اُن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا:

"جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے کیونکہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ محمدؐ کے گھر والے تو اُس مال میں سے بس کھا لیتے ہیں اور کھانے بھر سے زیادہ لینے کا انھیں حق نہیں ہے" (بخاری و مسلم)۔

مرویاتِ ابوبکر صدیقؓ کے تحت امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کیا ہے:

"اللہ عزّ و جلّ کسی نبی کو بسر اوقات کے لیے جو کچھ دیتا ہے وہ اُس کی وفات کے بعد اُس شخص کے حوالے ہو جاتا ہے جو اُس کا جانشین ہو"

اِس جائیداد کے بارے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہدایات کچھ چھپی ڈھکی نہ تھیں۔ بہت سے صحابہؓ کو معلوم تھیں۔

شرعی دستور کے لحاظ سے حضورؐ کے وارث تین فریق ہو سکتے تھے۔ سب سے اوّل ازواجؓ، دوسرے فاطمۃ الزہراؓ اور تیسرے حضرت عباسؓ۔ ازواج مطہراتؓ نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے ذریعے خلیفۂ اوّل سے اپنے حقِ ترکہ کا مطالبہ کریں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اس موقع پر اُن کو اس طرح فہمائش کی:

"کیا تُم خدا سے نہیں ڈرتیں، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مال میں میراث نہیں۔ ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہوگا۔ البتہ

محمدؐ کے اہل و عیال تو بس اُس میں سے کھا سکتے ہیں[1]"۔

حضرت عائشہ رضؓ کے بتلانے کے بعد اُمہات المومنینؓ نے متروکات کے لیے جانشین رسولؐ سے دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ دو فریقوں یعنی حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے فوراً بعد تقسیم میراث کا دعویٰ دائر کر دیا۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے جو کچھ فرمایا وہ یہ تھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہم چھوڑیں، وہ صدقہ ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، کوئی ایک کام بھی ایسا نہ ہوگا جسے میرے رسولؐ کرتے تھے اور میں نہ کروں۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے آپؐ کے کسی ایک حکم کو بھی نظر انداز کر دیا تو گمراہی سے نہیں بچ سکتا۔ مگر میں اُن تمام حضرات کی عیال داری کروں گا جن کی حضورؐ کیا کرتے تھے اور اُن سب لوگوں پر خرچ کروں گا جن پر میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔ خدا کی قسم! میرے لیے اپنے رشتے داروں سے صلۂ رحمی کرنے کی بہ نسبت حضورؐ کے رشتے داروں سے صلۂ رحمی کرنا بہت زیادہ محبوب ہے[2]"۔

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اس جواب سے کبیدہ خاطر ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[3] "فاطمہؓ نے اُن (ابوبکرؓ) کو چھوڑ دیا اور وفات تک بات نہیں کی۔" بخاری میں دوسری جگہ ہے "حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ ناراض ہو گئیں، ابوبکرؓ کو چھوڑ دیا اور مرتے دم تک اُن کا ترکِ تعلق قائم رہا۔ وہ رسول اللہؐ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں[4]"۔

---

[1] بخاری: کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر [2] ایضاً [3] بخاری: کتاب الفرائض۔ باب قول النبی لا نورث [4] بخاری: کتاب الجہاد باب فرض الخمس۔

حضرت علیؓ اور عہدِ صدیقی

جب حضرت فاطمہؓ کی وفات ہو گئی تو حضرت علیؓ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ ابوبکرؓ نے آپؓ سے کہا "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، سلوک کرنے کے معاملے میں مجھ کو اپنی قرابت سے زیادہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی قرابت عزیز و محبوب ہے۔ اور یہ جو میرے اور تمھارے درمیان اموال (متروکہ) کے بارے میں اختلاف ہوا، تو میں نے اپنی طرف سے اس معاملے میں بھلائی اختیار کرنے میں کوتاہی نہیں کی، اور میں نے کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا کہ جسے حضورؐ تو کرتے ہوں اور میں نے نہیں کیا ہو۔"[1]

حضرت علیؓ نے کہا "ہم آپؓ کی فضیلت سے واقف ہیں اور جو کچھ خدا نے آپؓ کو عطا فرمایا ہے، اُس کو بھی جانتے ہیں۔ نیز ہم اُس بھلائی پر جو خدا نے آپ کے پاس پہنچائی ہے، رشک نہیں کرتے۔ لیکن خلافت کے معاملے میں آپؓ نے استبداد سے کام لیا۔ حالانکہ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے رشتے داری کی وجہ سے اپنا کچھ حصّہ سمجھتے تھے۔"[2]

حضرت علیؓ خلافتِ صدیقی میں مجلسِ مشاورت کے رُکن تھے اور خلیفہؓ اوّل نے تحفّظِ دین کے لیے عالی قدر صحابہؓ پر مشتمل جو محکمۂ افتاء قائم کیا تھا آپؓ اُس کے رُوحِ رواں تھے۔ آپؓ نے دین و شریعت کی جس قابلیّت کے ساتھ خدمت کی اور لوگوں کے انفرادی و اجتماعی، انتظامی و سیاسی مسائل میں اُن کی رہنمائی فرمائی، بعض اَوقات اس پر لوگ حیران رہ جاتے۔ کچھ کو شبہ ہوا کہ شاید حضرت علیؓ کے پاس اُن کی اپنی مُرتّب کی ہوئی یا حضورؐ سے ملی ہوئی کوئی کتاب ہے، جس سے وہ مسائل اخذ کرتے ہیں۔ چنانچہ عہدِ صدیقی میں حضرت ابوجحیفہؓ نے آپؓ سے دریافت کیا تھا کہ آپؓ

---

[1] بخاری: کتاب المغازی باب غزوہ خیبر [2] ایضاً۔

کے پاس کوئی کتاب بھی ہے؟ ارشاد فرمایا، کوئی نہیں۔ میرے پاس صرف قرآن ہے یا عقل و فہم۔

حضرت علیؓ اور عہدِ فاروقی :

حضرت عمرؓ کی بیعت آپؓ نے عام استخلاف کے وقت کر لی تھی۔ ان کے ساتھ بھی آپ کے تعلقات مخلصانہ رہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا "قضا اور فقہ میں علیؓ کو فضیلت حاصل ہے۔" حضرت فاروق اعظمؓ بیانِ حدیث اور فصلِ مقدمات کو عام نہیں کر سکتے تھے اس لیے آپؓ نے اس شعبۂ زندگی میں خدمات انجام دینے والوں کو نامزد کر دیا تھا۔ ہر صحابیؓ فتویٰ نہیں دے سکتا تھا۔ جن صاحبانِ فضل و کمال کو اجازت ملی تھی وہ آٹھ بزرگ اور فاضلِ شریعت تھے۔ حضرت علیؓ کا مقام ان میں بھی نمایاں تھا۔ وفات سے قبل بھی حضرت عمرؓ نے آپؓ کا نام ان چھ برگزیدہ ترین افراد میں لیا جو پوری اُمت میں گُلِ سرسبد کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ چھ اصحابؓ وہ ہیں جن کے جنتی ہونے کی خبر اللہ کے رسولؐ نے دی ہے اور حضورؐ دنیا سے رخصت ہوتے وقت ان سے راضی تھے۔ طاعون کی وبا کے سلسلے میں فاروقِ اعظمؓ شام روانہ ہوتے تو حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑ گئے۔ ۲۱ھ میں یزد گرد نے اپنی تخت نشینی کے بعد جب تمام ایران میں فوجی بھرتی شروع کر کے اسلام کے مقابلے پر آنے کا ارادہ کیا تو حالات کی سنگینی کے تحت حضرت عمرؓ نے خود کمانڈر ان چیف کی حیثیت سے محاذ پر جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر پارلیمنٹ (شوریٰ کے ارکان وغیرہ) نے اصرار کیا کہ آپؓ نہ جائیں بلکہ کسی موزوں شخصیت کو سپہ سالار بنا کر بھیج دیں۔ اُس وقت بھی آپؓ کی نگاہِ انتخاب سیدنا حضرت علیؓ پر ہی پڑی۔ خلیفہ فاروقؓ نے اُن سے کہا، میری خوشی ہے کہ آپؓ اس وقت ایران کے محاذ کو سنبھال لیں۔ مگر حضرت علیؓ

ے معذرت کردی۔

راثِ نبوی کا مسئلہ عدالتِ فاروقی میں :

حضرت عمرؓ کی خلافت کو دو سال گزر چکے تھے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ
ے فاطمہ الزہراؓ کی وفات کے پونے چار سال بعد متروکاتِ نبوی کا مطالبہ عدالتِ
ارقی میں پھر پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں جو فرمایا اس کا ترجمہ درج ذیل
ہے :

"پھر خدا کے حکم سے ابوبکرؓ وفات پا گئے تو میں اُن کی جگہ ولی بنایا گیا۔ میں
نے اس جائیداد پر اپنی امارت میں دو سال قبضہ رکھا۔ میں نے وہی کیا جو رسول اللہؐ
ادر ابوبکرؓ کرتے تھے۔ اللہ جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اُس میں سچا ہوں اور
راستی اور نیکی پر ہوں۔ جو ہدایت میں نے سیکھی ہے اُس کو حق سمجھ کر عمل کر رہا ہوں۔
بعد ازاں تم دونوں میرے پاس آئے اور (اس جائداد کے بارے میں) گفتگو کی۔ تم
دونوں کا بیان اور معاملہ ایک ہی تھا۔ یعنی عباسؓ تم آئے اور اپنے بھتیجے (آنحضرتؐ)
کے ترکے میں سے اپنا حصہ مانگا۔ اور یہ (علیؓ) آئے یہ اپنی بیوی کے والد (آنحضرتؐ)
کی طرف سے ترکہ میں سے حصہ طلب کرتے تھے۔ میں نے جواب میں تم دونوں سے
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ہمارے (انبیا) مال میں میراث
تقسیم نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑیں، صدقہ ہے۔ پھر جب میں نے اس بات کو اچھی طرح
جان لیا کہ میرا اُس کو تم دونوں کے حوالے کر دینا مناسب ہے، تو میں نے کہا، اگر
تم چاہو تو اس شرط پر یہ جائداد تمھارے سپرد کر سکتا ہوں کہ تم خدا سے عہد و پیمان
کرو کہ اسی طرح عمل کرو گے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور جس
طرح حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا اور جس طرح اپنی ذمہ داری کے زمانے میں، میں

کررہا ہوں۔ تم نے کہا اچھا، اس کو ہمارے سپرد کر دیجیے۔ میں نے اسی بنا پر اسو تم دونوں کے سپرد کر دیا تھا۔[1]

حدیث کا مطلب واضح ہے۔ عمرؓ دو سال تک جائدادِ خالصہ بنو نضیر کا انتظا خود کرتے رہے لیکن جب مذکورہ دونوں بزرگ امیر المومنینؓ کے پاس آئے اُنھوں نے قولِ رسولؐ کا حوالہ دیتے ہوئے تقسیمِ میراث سے معذوری ظاہر کی۔ پھر تالیفِ قلب کی یہ صورت نکالی کہ حسبِ سابق عمل کرتے رہنے کی شرط لگا کر، بجائے اُن دونوں کے ہاتھوں میں عدم تملکِ جائداد کے طور پہ بندوبست دے تاکہ وہ اُس کی آمدنی بموجب طریقۂ جاریہ خود بھی لیں اور دُوسرے اہلِ بیت کو بھی پہنچائیں۔ باقی فدک اور خیبر کی زمینوں کی آمدنی عہدِ رسالتؐ ہی سے مصالحِ عامہ خرچ ہوتی تھی اُس کا انتظام اپنے ہی ہاتھوں میں رہنے دیا۔

حضرت علیؓ اور عہدِ عثمانی :

حضرت عثمان ذی النورینؓ سے بھی حضرت علی ابو ترابؓ کے تعلقات خوشگوا اور مخلصانہ تھے۔ مجلسِ انتخابِ امارت میں جب حضرت عبدالرحمان بن عوف نے آپ سے پوچھا کہ اگر میں عثمانؓ کو امیر بنادوں تو آپؓ اُن کی اطاعت کریں گے تو آپؓ نے اثبات و اقرار میں جواب دیا۔ اور جب رائے عامّہ کی پسند کے مطابق حضرت عثمانؓ کا استخلاف ہوا تو آپؓ نے بلا توقف بیعت کرلی۔

حضرت عثمانؓ نے بھی آپؓ کو حکومت کا ایک اہم منصب عطا فرمایا اور وہ حدو شریعت کے عملاً اجراء کا معاملہ تھا کیونکہ حدود و قصاص کے مقدمات میں جو سزا دی جاتی تھیں، وہ آپؓ ہی کے ذریعے سے تکمیل پاتی تھیں۔ جب ولید بن عبدالملک کو

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الجهاد، باب فرض الخمس۔

خلیفۂ ثالث نے سزا دینی چاہی تو حضرت علیؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ ان کو کوڑے ماریں، اور آپؓ نے ان کو اسّی کوڑے مارے۔

آنحضرتؐ کے زمانے میں سزائیں دینے پر صرف حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ مامور تھے ہر صحابی یہ کام نہیں کرتے تھے۔

آپ ہر سال سرکاری طور پر حضرت عثمانؓ کے ساتھ حج کو جاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے آخری زمانے میں جب افتراق پیدا کر دیا گیا تو اُس زمانے میں حضرت علیؓ نے اخلاص کے ساتھ فتنہ گروں کو سمجھانے اور راہِ راست پر ڈالنے کی کوشش کی اور اپنے بیٹوں کو امیر المومنینؓ کی مدافعت کے لیے بھیجا۔

آپؓ کی خلافت اور عہد:

خلیفۂ مظلوم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ دارِ رسولؐ مدینۂ منورہ پر غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ گلی کوچوں میں شورِ قیامت برپا تھا۔ بلیشتر بزرگانِ اُمّت مدینے میں نہیں تھے۔ سیاسی حالات پر غلبہ اُنھی بدقماش اور سبائی فرقے کے منافقوں کو حاصل ہو گیا تھا جنھوں نے محاصرہ، بلوے اور قتل میں حصّہ لیا تھا۔

حضرت علیؓ سے زیادہ مقبول شخصیت اور کوئی نہ تھی۔ فضائل اور کثرتِ رائے، بڑی حد تک حضرت علیؓ کو حاصل ہو گئیں۔ حضرت علیؓ کے انتخاب کا واقعہ بخاریؒ نے کسی روایت میں نہیں لیا ہے اور تاریخی بیانات میں اختلاف ہے۔ بہرحال لوگ حضرت علیؓ کے پاس حاضر ہوئے اور خلافت قبول کرنے کے لیے کہا۔ آپؓ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں خلافت کے مقابلے میں وزارت کو ترجیح دوں گا۔ لوگوں نے اصرار کیا تو آپؓ مسجد میں آئے۔

طلحہؓ و زبیرؓ کی بیعت کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ لائے گئے اور اُن سے بیعت کرنے کو کہا گیا۔ انھوں نے کہا اور لوگ کرلیں گے تو میں بھی کرلوں گا میری جانب سے مخالفت کا اندیشہ نہ کرو۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ نے بھی یہی کہا۔ اس پر بیعت کے لیے اصرار کرنے والوں نے کہا کہ ضامن لاؤ۔ انھوں نے کہا، میں ضامن نہیں لاؤں گا۔ اس موقع پر اشتر کو غصہ آگیا۔ کہا، اِن کی گردن اُڑادوں؟ یہ سُن کر حضرت علیؓ نے جھڑک کر فرمایا "یہ کیا جہالت ہے؟ آپ کا ضامن میں ہوں"۔

اس کے بعد بیعتِ عام ہوگئی مگر کچھ مزید عالی قدر اصحابؓ نے بیعت نہیں کی۔ ابنِ خلدون نے اُن کے نام یہ بتائے ہیں : انصار میں سے حضرات حسّان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ، مسلمہؓ بن مخلد، ابوسعید خدریؓ، محمدؓ بن مسلمہؓ، نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، فضالہ بن عبیدؓ، کعبؓ بن عجرہ، اور سلمہ بن سلامہؓ مہاجر صحابہؓ میں سے عبداللہ بن سلامؓ، صہیبؓ بن سنان، اسامہ بن زیدؓ، قدامہ بن مظعونؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ۔ کچھ لوگ اس خیال سے کہ بیعت نہ کرنی پڑے مدینے سے شام چلے گئے۔ حضرت نعمانؓ بن بشیر زوجۂ حضرت عثمانؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں اور خلیفہ مظلوم کی خون آلود قمیص لے کر شام پہنچ گئے۔ یہ دونوں آثار جامع مسجد دمشق کے منبر پر رکھ دیے گئے جن کو دیکھ دیکھ کر لوگوں کا غم سے بُرا حال تھا۔ وہ قسمیں کھا کھا کر قصاص لینے کا عزم کرتے۔

حضرت علیؓ بیعت کے بعد منبر پر تشریف لائے اور ایک مختصر مگر فصیح و بلیغ تقریر فرمائی، جس میں مسلمانوں کے باہمی حقوق کی تشریح اور اُن کو فتنہ اُٹھانے اور تخریبی کارروائیاں کرنے سے اجتناب کی تلقین کی۔ لوگوں کو اُن کے دینی، اخلاقی اور سیاسی فرائض یاد دلائے۔ پھر خدا ترسی اور آخرت کی جواب دہی کا احساس دلایا اور فرمایا، جو

ہم بوئیں گے وہی کاٹیں گے۔ جو ہم اعمال کریں گے اُن کے نتائج سزا یا جزا کی
صورت میں ہمیں بھگتنے پڑیں گے۔

آپؓ کی تقریر کے بعد وہ صاحب اثر اصحابؓ بھی اِس تقریب میں پہنچ گئے جنھوں
نے اب تک بیعت سے اجتناب کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اُن کی پذیرائی کی اور فرمایا
آپ بیعت میں آجائیں۔ اُمّت کو اور مجھے بھی آپ کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا
آپ جانتے ہیں، ہم ملّتِ اجتماعی میں رخنہ کیسے ڈال سکتے ہیں۔ ہمیں آپ سے بیعت
کرنے میں قطعاً کوئی عذر نہیں ہو سکتا بشرطیکہ آپ کتابِ اللہ، سنّتِ رسول اللہؐ اور
اقامتِ حدود کے لیے عہد کریں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا، اس میں بھلا کیا عذر
ہو سکتا ہے۔ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ کتاب و سنّت پر عمل کروں گا اور شریعت کی
حدود نافذ کروں گا۔ چنانچہ اُن میں سے اکثر حضراتؓ نے بیعت کر لی۔

حضرت علیؓ تقریر کے بعد اپنے مکان میں تشریف لے آئے۔ کچھ دیر بعد حضرت طلحہؓ
اور حضرت زبیرؓ نے اُن کے پاس آکر کہا، آپ قاتلینِ عثمانؓ سے نہ صرف یہ کہ لاتعلق ہو
جائیں بلکہ اُن سے قصاص لینے کی فکر کریں اور اس سلسلے میں قدم اُٹھائیں۔ آپؓ نے فرمایا
میں بھی اس بات کو جانتا ہوں۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ وہی لوگ حالات پر غلبہ پائے ہوئے
ہیں۔ ایسی صورت میں ہم قصاص کس طرح لے سکتے ہیں؟ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اُن
لوگوں نے انتہائی بُرا کام کیا ہے جو لائق گرفت ہے۔ مگر اطمینان و سکون ہو جانے دو۔
اُس وقت تک مجھے مُہلت دو۔" یہ حضرات واپس گئے لیکن اب مختلف قسم کے
خیالات دلوں میں پرورش پانے لگے۔ بنی اُمیہ اور بعض دیگر صحابہؓ مدینے سے چلے گئے۔
قریش کے جو لوگ باقی رہ گئے تھے حضرت علیؓ نے اُن کو مدینے میں روک لیا۔ بنی اُمیہ
اس سے بددل ہوئے اور سوچنے لگے کہ اگر خلافت ان کے پاس رہی تو یہ بنی اُمیہ پر

ضرور سختی کریں گے۔

گورنروں کی معزولی :

خلیفہ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ان تمام گورنروں کو، جو خلیفہ سابق کے مقرر کیے ہوئے تھے، معزول کر دینے کا ارادہ کیا۔ غالباً آپؓ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ امراء اس قابل نہیں کہ ایک دن کے لیے بھی یہ اہم ذمّے داری ان کے پاس رہے۔

اس کے بعد امیرالمومنینؓ نے پانچ افراد کو مختلف صوبوں میں گورنری کے پروانے دے کر روانہ فرمایا، جس کی تفصیل یہ ہے :

سہلؓ بن حنیف کو شام کی امارت کا فرمان دے کر بھیجا گیا تھا۔ جب وہ مقام تبوک میں پہنچے تو شامی سواروں کا ایک دستہ اُن کے سامنے آیا اور پوچھا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟" انھوں نے بتایا "میں امیرالمومنین کی طرف سے شام کا گورنر مقرر ہوا ہوں"۔ انھوں نے کہا "اگر آپ کا فرمان حضرت عثمانؓ کا لکھا ہوا ہے تو خوشی سے تشریف لائیے ورنہ واپس لوٹ جائیے کیونکہ ہم علیؓ کے حکم کو جائز نہیں سمجھتے"۔ مجبوراً سہلؓ بن حنیف واپس چلے آئے۔

قیس بن سعد کو مصر روانہ کیا گیا تھا۔ جب یہ وہاں پہنچے تو لوگوں کے تین گروہ ہو گئے۔ کچھ لوگ اُن کی حمایت میں اور کچھ مخالفت پر آمادہ تھے۔ جو حمایتی بنے انھوں نے اعلان کر دیا کہ امیرالمومنینؓ ہمارے بھائیوں سے قصاص نہ لیں اور دار و گیر نہ کریں اس شرط پر ہم طرف دار ہیں۔ دوسروں کا کہنا تھا کہ خلیفہ نے قاتلوں اور مجرموں کو چھوڑ رکھا

ہے۔ تیسرے خاموش اور غیر جانب دار تھے۔

عثمان بن حنیف کو بصرہ کا والی بنایا گیا تھا۔ وہاں کے عہدِ عثمانی کے گورنر عبدُاللہ بن عامر حج کے لیے آئے ہوئے تھے۔ عثمان کو بھی مصر کی طرح تین جماعتوں سے سابقہ پڑا۔ عمارہ کو کوفے پہنچ کر چارج لینا تھا۔ انھیں راستے میں مقامِ ذُبالہ پر طلحہ بن خویلد اسدی مل گئے جو حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پا کر اُن کے خون کا بدلہ لینے کے لیے مدینے آ رہے تھے۔ اُنھوں نے عمارہ سے کہا " بلا حیل و حجت پلٹ جاؤ، ورنہ تمھیں قتل کر دیں گے۔"

عبیداللہ بن عباّس یمن روانہ ہوئے تھے۔ وہاں کے گورنر یعلیٰ بن منیہ تھے۔ جب انھوں نے نئے گورنر کے آنے کی خبر سُنی تو وہ خراج کی کل رقم لے کر مکّہ مکرمہ چلے گئے۔

تمام اسلامی صوبوں کے صدر مقامات میں اضطراب پھوٹ پڑا۔ معاویہ بن سفیانؓ جو شام کے گورنر اور بنو اُمیہ کے رئیس اعظم تھے، حضرت علیؓ کی خلافت پر رضامند نہ ہوئے۔ وہ خلیفہ عثمانؓ کے قتل میں بھی اُنھیں الزام دیتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت علیؓ نے قصاص لیا نہ بلوائیوں کی گرفتاریاں کیں، بلکہ وہ اُن کے لشکر میں موجود ہیں۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اُن کی معزولی کا حکم پہنچا جس سے اُنھوں نے سمجھ لیا کہ اس خلافت کا قیام میرے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے سبرہ جہنی کو حضرت معاویہؓ سے بیعت لینے کے لیے بھیجا۔ لیکن اُنھوں نے معنی خیز خاموشی اختیار کر لی۔ پھر قتلِ عثمانی کے دو ماہ گزرنے کے بعد معاویہؓ نے ایک ایسا خط جس کے سرنامے پر لکھا تھا " از معاویہ بہ علی" اور

سب سے نیچے اُن کی مُہر لگی ہوئی تھی باقی سارا حصّہ سادہ تھا، قبیلہ عبس کے ایک آدمی کو دے کر امیر المومنینؓ کے پاس روانہ کیا اور اُس کو ہدایت کر دی کہ جب شہر داخل ہو تو اُس کو نیچے سے پکڑ کر اس طرح لٹکائے رکھنا کہ اہلِ مدینہ چاہیں تو دیکھ لیں

یکم ربیع الاوّل ۳۶ ہجری کو عبسی مدینے میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اس خط کو دیکھا اور پھر وہ حضرت علیؓ کو پہنچا دیا گیا۔ آپؓ نے پوچھا "اس میں تو کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ بتاؤ بات کیا ہے؟" اُس نے کہا "جامع مسجد دمشق کے منبر پر خلیفہ مظلوم مقتول کا خون آلودہ پیراہن اور حضرت نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ رکھا ہوا ہے اور وہ اپنی بے کے باوجود قصاص اور عدل و انصاف کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس کے سامنے ساٹھ ہزار بیٹھے ماتم کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جب تک خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا ہرگز خاموش نہ ہوں گے" آپ نے پوچھا "وہ کس سے بدلہ لیں گے؟" کہا "آپ سے، اس لیے اگر قتل میں شریک نہیں بھی تھے تو قاتلوں کی حمایت کرنے، انھیں اپنی فوجوں میں بھرتی کرنے اور عہدے دینے سے انکار نہیں کر سکتے"

حضرت علیؓ اُمّت میں اختلاف کو بُرا سمجھتے تھے۔ انھیں طوائف الملوکی اور انتشار سخت ناگوار تھا۔ ہمارے خیال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

"میں اختلاف کو مکروہ سمجھتا ہوں یہاں تک کہ لوگ متحد ہو جائیں، یا میں اسی طرح مر جاؤں جس طرح میرے اصحاب (خلفائے سابق) مر چکے ہیں"

حالات اور سبائیوں کے شدید دباؤ کی وجہ سے، اپنی طبیعت کے خلاف، حضرت علیؓ کو شام کے والی معاویہؓ کے خلاف جنگ کی تیاری کرنی پڑی۔ قثم بن عباسؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام کیا اور اپنے بیٹے محمّد بن حنفیہ کو لشکر کا پرچم عنایت فرمایا۔ اس فوجی تیاری کے

دوران اہلِ مدینہ نے زیاد بن حنظلہ کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا کہ امیرالمومنین کے ارادے و خیالات دریافت کریں اور اگر معاویہؓ سے جنگ کا قصد کر رہے ہوں تو ہماری نمائندگی کرتے ہوئے انھیں اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ زیاد گئے مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اسی دوران حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ عمرہ کی اجازت لے کر مکے چلے گئے۔

جنگِ مربد:

حضرت علیؓ تیاری میں مصروف تھے کہ خبر آئی، اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ بصرہ پہنچ گئے ہیں اور وہاں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے کے لیے اجتماع ہو رہا ہے۔

اُمّ المومنین عائشہؓ شہادتِ عثمانؓ سے پہلے حج کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ وہیں اُن کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا اور حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہو گئے۔ آپؓ نے اہلِ مکہ سے فرمایا کہ لوگوں نے قائم مقام رسولؐ کو قتل کیا ہے۔ طلحہؓ، زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ مدینہ کی تباہ حالت اور مجرم بلوائیوں کے عمل دخل سے بچ کر یہاں پہنچے ہیں۔ حضرت علیؓ اُن کے دائرے میں گھر کر معذور ہو چکے ہیں۔ پس جس کسی کو اسلام کے بچانے کا خیال اور خونِ عثمانی تک بغاوت پہنچانے والوں کا احتساب کرنا ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ ہم بصرے جائیں گے اور وہاں سے تعاون لے کر مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے۔ مکے سے ایک ہزار آدمی حضرت عائشہؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، عبداللہؓ (مکہ کے گورنر) یعلےٰ بن منیہ (یمن کے گورنر) اور سردارانِ بنی اُمیہ وغیرہ کی زیرِ قیادت بصرے کی طرف روانہ ہوئے۔

بصرے کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف نے، جو حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنر تھے دریافت کرایا کہ آپ حضرات کس ارادے سے آ رہے ہیں۔ جواب دیا گیا کہ لوگوں کو حالاتِ حاضرہ سے آگاہ کریں گے اور اگر وہ درستیِ حالات کے لیے کچھ کرنا چاہیں تو انھیں ایک جمعیت اور قیادت دیں گے۔ پوچھا گیا، آپ لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم میں سے کچھ لوگوں سے جبراً بیعت لی گئی ہے۔

اس کے بعد حضرات طلحہؓ و زبیرؓ نے تقریریں کیں۔ بعد میں اُمّ المومنین عائشہؓ نے تقریر کی۔ اُن کی آواز بلند اور رُعب دار تھی، جس کے نتیجے میں بصرے کے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ان کی ہمنوا ہو گئی۔ ایک دن سبائی فرقہ کے لیڈر حکیم بن جبلہ[1] اور عثمان گورنر بصرہ نے مل کر حضرت عائشہؓ کے آدمیوں پر حملہ کر دیا۔ اُمّ المومنینؓ کا منادی برابر پکارتا رہا کہ مت لڑو مگر اُن کے حملے شدید ہوتے گئے یہاں تک کہ دوپہر کے وقت اہل بصرہ دونوں نے شکست کھائی اور حضرت عائشہؓ کے ساتھی کامیاب ہوئے۔

اس کے بعد فریقین یعنی طلحہؓ و زبیرؓ اور گورنر عثمان میں معاہدہ ہوا کہ ایک متفق علیہ آدمی کو مدینے بھیج کر دریافت کرایا جائے کہ حضراتِ طلحہؓ و زبیرؓ سے بلوائیوں نے مجبور کر کے بیعت لی تھی یا انھوں نے اپنی مرضی سے کی تھی۔ اگر انھوں نے جبراً بیعت کی ہو تو عثمان بصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اگر بطیبِ خاطر کی ہو تو وہ اور اُن کے متفقین واپس لوٹ جائیں گے۔ چنانچہ دونوں فریقوں نے بصرے کے قاضی کعب بن سُور کو بھیجا۔ کعبؓ نے جمعہ کے دن مسجدِ نبویؐ میں اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور کہا کہ ان دونوں

---

[1] یہ وہی حکیم بن جبلہ ہے جس کے ہاں آکر سب سے پہلے دشمنِ اسلام عبداللہ بن سبا ٹھہرا تھا۔ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے باب میں گزر چکا ہے۔

حضرات محترم کی بیعت کس طرح ہوئی، اُس کی حقیقت مجھے بتاؤ تاکہ مسلمانوں کے درمیان نزاع ختم ہو جائے۔ سارے لوگ خاموش تھے کہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا "بے شک ان دونوں حضرات سے جبراً بیعت لی گئی ہے۔" یہ سنتے ہی کچھ لوگ حضرت اُسامہؓ پر ٹوٹ پڑے۔ قریب تھا کہ وہ قتل کر دیے جاتے کہ حضرت صہیبؓ رومی، حضرت ابوایوبؓ انصاری اور حضرت مسلمہؓ وغیرہ نے ان کو کسی نہ کسی طرح بچا لیا اور کہا اُسامہ سچے ہیں۔

حضرت علیؓ نے مسجد کے اِس واقعے کے بعد گورنر عثمان کو خط لکھا کہ تم تساہل کر رہے ہو۔ اگر اُن سے جبراً بھی بیعت لی گئی تو کیا ہوا، وہ اتحاد پر مجبور کیے گئے تھے نہ کہ افتراق پر۔ کعب مسجد کی شہادتیں لے کر، اور قاصد خلیفہ کا خط لے کر ایک ساتھ پہنچے۔ اب گورنر بصرہ نقضِ عہد پر آمادہ ہو گئے۔ آخر لڑائی ہوئی جس میں وہ ناکام اور گرفتار ہوئے مگر اُمّ المومنینؓ نے انھیں چھوڑ دیا وہ مدینے میں آ گئے۔ حکیم بن جبلہ سبائی اور اور اُس کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔

جنگِ جمل :

حضرت علیؓ کو بصرے کے حالات سے آگاہی ہوئی تو آپؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بصرے روانہ ہو گئے۔ مقامِ ربذہ میں پہنچ کر آپؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو شہر کوفہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو مدد کے لیے تیار کریں اور ساتھ لے کر آئیں۔ اس بارے میں بخاری کی ایک روایت جس کو ابومریم عبداللہ بن زیاد نے بیان کیا ہے، سُنیے :

"حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ اور حسن بن علیؑ کو بھیجا۔ وہ دونوں ہمارے یہاں کوفہ آئے۔ مسجد میں جا کر حضرت حسنؑ منبر پر کھڑے ہوئے اور حضرت عمارؓ اُن سے کچھ نیچے۔ میں اور دوسرے لوگ منبر کے پاس جمع ہو گئے۔ میں نے سُنا، عمار کہہ رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ بصرے میں آچکی ہیں۔ واللہ وہ تمہارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی اس دُنیا اور آخرت میں بیوی ہیں لیکن اللہ تعالےٰ نے اُن کے سلسلے میں تمہاری آزمائش کی ہے کہ یہ دیکھے کہ تم اُن (یعنی علیؓ) کی اطاعت کرتے ہو، یا اِن (حضرت عائشہؓ) کی۔"

بصرے کے قریب پہنچ کر امیر المومنین علیؓ نے قعقاع بن عمرو کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے حاضر ہو کر دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟ فرمایا "اصلاح"۔ حضرات طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی یہی جواب دیا۔ قعقاع نے پوچھا، اصلاح سے آپ کیا مُراد ہے؟ فرمایا "ملزموں کو سزائیں دی جائیں اور جو خلیفہ شہید کے قتل میں شریک ہوں، اُن سے قِصاص لیا جائے۔ ایسا نہ کرنا قرآن کو پسِ پُشت ڈالنا ہے۔" قعقاع نے کہا "آپ حضرات نے بصرے کے باغیوں سے خود قصاص لینا شروع کر دیا۔ اگر اِس اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا ہوتا تو پھر آپ کا دعوٰی زیادہ قوی ہوتا۔"

حضرت طلحہؓ نے کہا "ہم نے محترم خلیفہ کو بے بس اور لاچار پایا اور اس کے سوا کوئی صورت نہیں دیکھی۔"

قعقاع نے کہا "آپ نے یہاں کے ایک کم چھ سو آدمیوں کو اس لئے قتل کر دیا کہ قتلِ عثمانؓ میں شریک تھے۔ اس وجہ سے اُن مقتولوں کے چھ ہزار آدمی آپ کے دشمن ہو گئے اور جب حرقوص بن زہیر کو آپ نے گرفتار کرنا چاہا تو وہ چھ ہزار افراد اُن کی

حمایت و مدافعت میں کھڑے ہو گئے۔ جس کی وجہ سے وہ گرفتار نہیں ہو سکا۔ میرے خیال میں جن حالات کا ہمیں سامنا ہے اُن کا علاج صرف یہ ہے کہ اُمّت دو ٹکڑے نہ ہو۔ ہم متحد ہو جائیں اور متحدہ مقاصد کے لیے مشترکہ کوشش کریں۔ اس کے بعد ہی ہم مطلوبہ مُراد کو پاسکیں گے۔ رسولؐ کی اُمّت کے لیے یہ فال نیک ہوگی، مظلوم خلیفہؓ کے قاتلوں سے قصاص بھی ملے گا اور جملہ نیک مقاصد حاصل ہوں گے۔ میں اللہ کا واسطہ دے کر آپ محترم حضرات سے استدعا کروں گا کہ آپ غور فرمائیں۔ یہ ایک آدمی یا ایک خاندان کا معاملہ نہیں ہے، ساری اُمّت کا ہے۔ اس میں امیرالمومنین علیؓ اور آپ دونوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا، ایک پالیسی بنانی ہوگی اور اُس پر پُرخلوص طور پر عمل کر کے ملّتِ اسلامیہ کو حوادثِ روزگار اور معاندینِ بدشعار کے چُنگل سے نکالنا ہوگا۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ نے کہا "تمھاری باتوں میں اُمّت کے لیے دردمندی، مسائل کے حل کے لیے معقولیت اور خلوص ہے۔ اگر یہی جذبات ہمارے بھائی علیؓ کے بھی ہیں تو پھر مصالحت بہت آسان ہے۔"

قعقاعؓ نے جا کر امیرالمومنینؓ کو رپورٹ دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ دوسرے ہی دن صبح کو بصرے کی طرف بڑھے اور حکم دیا کہ ہمارے لشکر میں جو لوگ ایسے ہیں کہ جنھوں نے محاصرے میں حصّہ لیا، یا قتلِ عثمانؓ میں بالواسطہ یا بلا واسطہ، خفیہ یا علانیہ شرکت کی ہے، وہ یہیں رہ جائیں اور ساتھ نہ چلیں۔ حضرت علیؓ کے ہمراہ بیس ہزار آدمی تھے۔ دوسرے فریق کے تیس ہزار آدمی وہاں پہلے سے فروکش تھے۔

بدلا ہوا رنگ دیکھ کر عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں نے کہا "اب ہماری خیر نہیں۔ تعاقب میں لگے رہو اور جب دونوں فریق ملیں تو جنگ شروع کرا دو مصالحت کا موقع کسی صورت پیدا نہ ہونے دو۔"

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی جمعیتیں بصرہ شہر کے قریب ایک میدان میں فروکش

تھیں۔ صلح کے پیامبر آجا رہے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ حضرت عائشہؓ اور اُن کے رفقائے کار کے پاس گئے اور حضرت محمد بن طلحہؓ دوسرے فریق کی طرف سے حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ برادرانہ ماحول میں تفصیلی گفتگو ہوئی اور مصالحت کے لیے سارے نکات طے ہو گئے۔ قرار پایا کہ رات زیادہ ہو چکی ہے، صبح کو صلحنامے پر دستخط ہو جائیں گے۔

لیکن (جمادی الآخر ۳۶ھ مطابق ستمبر ۶۵۶ء) طلوعِ فجر سے پہلے ہی یہودی نو مسلم عبداللہ بن سبا نے، اپنے ایک سردار ابن السوداء کی طے شدہ تجویز کے مطابق، دونوں طرف کے لشکروں پر حملہ کر دیا۔ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ نے پوچھا یہ کیسا ہنگامہ ہے؟ جواب ملا "حضرت علیؓ کا لشکر حملہ آور ہو گیا"۔ انھوں نے کہا "ہمارا تو پہلے ہی یہ خیال تھا کہ اُن کو اپنے ساتھیوں پر قابو حاصل نہیں ہے"۔

دوسری طرف حضرت علیؓ نے کہا "یہ آوازیں کیسی ہیں؟" لوگوں نے بتایا "حملہ ہو گیا" کہنے لگے "میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ بلا جنگ کیے باز نہیں رہیں گے"۔ اس کے بعد خوفناک لڑائی ہوئی۔ اُمت میں آج پہلا دن تھا کہ تقریباً پچاس ہزار مسلمان آپس میں لڑ گئے۔ سبائی تحریک کے سازشی کارندے بغلیں بجا رہے تھے۔ دس ہزار مسلمان جنگ میں کام آئے۔ ان میں حضرت طلحہؓ، اُن کے صاحبزادے محمدؒ، اور عبدالرحمانؓ بن عتاب جیسے جلیل القدر اصحاب شامل تھے۔

حضرت طلحہؓ کے آغازِ جنگ ہی میں، پیر میں تیر پیوست ہو گیا۔ جسم سے سارا خون کھنچ کر زخم کے راستے سے نکل گیا اور وہ شہید ہو گئے۔ آپ بے بدل شجاع اور غزوۂ اُحد کے ہیرو تھے۔ حضرت زبیرؓ خاصانِ رسولؐ اور مددگارِ رسولؐ تھے۔ حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور اُمّ المومنین خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ وہ مسلمانوں سے لڑنے اور خون بہانے پر آمادہ نہ ہوئے اور جنگ کے دوران ہی سباع وادی کی طرف پریشان و سرگردان نکل گئے۔

عمرو بن جرموز تعاقب میں لگ گیا اور قریب پہنچ کر مسئلہ پوچھنے لگا۔ آپ نے نماز پڑھنے کے لیے نیت باندھی تو عمرو نے شہید کر دیا۔

دونوں طرف کے مقتولین کو دفن کرانے کے بعد حضرت علیؓ ام المومنینؓ کے پاس آئے، اُن سے باتیں کیں اور مدینہ روانگی کا سامان کیا۔ واپسی کے وقت آپ کئی میل ساتھ ساتھ گئے۔ حسنینؓ بھی مشایعت میں ساتھ تھے۔ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ اُونٹ پر سوار ہو کر اپنے لشکر کو لڑا رہی تھیں اس لیے اسے جنگِ جمل کہتے ہیں۔

جنگِ صفّین :

جنگِ جمل کے کچھ عرصے بعد حضرت علیؓ بصرے سے کوفے تشریف لائے اور جریر بن عبداللہ بجلی کو معاویہؓ کے پاس دعوتِ بیعت دینے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے دمشق پہنچ کر اپنے آنے کی وجہ بتائی مگر معاویہؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دو تین دن بعد معاویہؓ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تمھارے امیر خلیفہ مظلوم کے قتل میں شریک ہیں یا پھر کم از کم اُن کے قاتلوں کے حامی تو ضرور ہیں۔ جریر نے واپس آکر حضرت علیؓ کو بتایا۔ اب آپؓ کے لیے کوئی راستہ نہیں تھا بجز اس کے کہ لشکر کشی کریں۔ اس لیے فوج لے کر نکلے اور مقامِ نخیلہ میں فروکش ہوئے۔ امیر معاویہؓ شام سے اپنی فوجوں کے ساتھ نکلے اور میدانِ صفّین میں فرات کے ساحل پر فروکش ہو گئے۔

حضرت علیؓ نخیلہ سے بڑھ کر رقیہ پہنچے، دریائے فرات کو عبور کیا اور پھر صفّین میں پڑاؤ ڈال دیا۔ عہدِ رسالت میں مسلمانوں کا سب سے بڑا لشکر حنین میں لڑا تھا اور اُس کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ تینوں سابق خلفاء کے زمانے میں سب سے زیادہ فوج رومیوں کے مقابلے میں "یرموک" میں لڑی تھی اور اُس کی تعداد چالیس ہزار کے اندر تھی۔ لیکن اس میدان میں ایک طرف کے مسلمان اسّی ہزار اور معاویہؓ کی طرف کے مسلمان اس سے بھی زیادہ

تھے۔ بعض واقعات نگاروں نے شامی فوجوں کی تعداد نوّے ہزار لکھی ہے۔

حضرت علیؓ نے بشیرؓ، سعید اور شبث کو امیر معاویہؓ کے خیمے میں دعوتِ بیعت دینے اور لڑائی سے پرہیز کرنے کے لیے بھیجا۔ بشیرؓ نے وفد کی قیادت کرتے ہوئے کہا "اے معاویہؓ! دُنیا فانی ہے۔ تم کو اللہ کے سامنے جانا ہے اور وہاں اعمال کا حساب دینا ہے۔ میں تم کو اللہ اور اُس دن کی یاد دلا کر کہتا ہوں کہ اُمت میں تفرقہ نہ ڈالو، مسلمانوں کا خون بہانے سے پرہیز کرو اور امیر کی اطاعت میں تاخیر نہ کرو۔"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا "تم نے یہ وعظ حضرت علیؓ کو کیوں نہیں سُنایا؟ مجھے ہر مسلمان کی جان اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ میں قرآن کو نظر انداز و فراموش نہیں کرنے دوں گا۔ ایک مُبشّر بالجنۃ خلیفہ اور قائم مقام رسولؐ کے ظالمانہ قتل کا حساب بتاؤ کہاں جائے گا؟"

اس کے بعد دوسری سفارت میں حضرت عدیؓ، یزید بن قیس، زیاد اور شبث حضرت علیؓ کی طرف سے دوبارہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے، مگر یہ سفارت بھی ناکام رہی۔ پھر تیسری سفارت معاویہؓ کی جانب سے حضرت علیؓ کے پاس گئی۔ اس کے بھی چار ارکان تھے: حضرت حبیبؓ بن مسلمہ، شرجیل بن سمط، معن بن یزید اور اخنس بن شریق۔ ان حضرات کی گفتگو بھی مفید نتیجہ پیدا نہ کر سکی۔ فریقین کے خیالات میں گو سخت اختلاف تھا، پھر بھی اگر معتدل اور ٹھنڈے مزاج کے لوگ پیغام رسانی کے لیے بھیجے جاتے اور وہ مناسب الفاظ، لہجہ اور پیرایہ بیان اختیار کرتے تو شاید فضا سے کچھ غیظ و غضب کا دُھند چھٹتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں کی طرف سے جو سفیر بھی آئے انھوں نے ضبط و تحمّل اور حکمت سے کم اور جذبات سے زیادہ کام لیا۔ کوئی ایسا حل اور مُوقف نہ سوچا گیا جس پہ دونوں زاویۂ نظر کے لوگ اتّفاق کر لیتے اور اُمت کے سر سے تباہی ٹل سکتی۔

جہاں تک حضرت علیؓ کی ذات کا تعلق ہے آپؓ نے صلح و صفائی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ آپؓ نے ہر مرحلے پر نہ صرف گفت و شنید کا راستہ کُھلا رکھا بلکہ افہام و تفہیم

، لیے بار بار دروازہ کھٹکھٹاتے رہے، ٹھہر ٹھہر کر پیغامِ صلح دیتے رہے، وقفے
قفے سے نویدِ دوستی سُناتے رہے۔

دونوں لشکروں کو صفین کے میدان میں پڑے ہوئے ایک ماہ ہو گیا۔ صلح و موافقت
، کوئی آثار نہ تھے۔ اس لیے امیرالمومنین نے مطلع کیا کہ اب طاقت استعمال ہوگی اور تلوار
یصلہ کرے گی۔ پہلی صفر (۳۷ھ) کو کچھ دستے دونوں طرف سے مقابلے پہ آئے۔ تیر پھینکے
ر چلے گئے۔ ایک ہفتے تک یہی انداز رہا۔ ۸ صفر کی رات کو حضرت علیؓ نے اپنی فوج
ں پُرجوش خطبہ دیا اور صبح کی نماز کے بعد پُرزور حملہ کر دیا۔ عراقی لشکر کے دائیں بازو
حملہ شامی فوجوں کے بائیں بازو پر ہوا۔ عراقی بازو کے کمانڈر عبداللہ بن بدیل تھے۔
اویہؓ کی فوج کا بازو ڈگمگا گیا جس کی قلب کے سپاہیوں نے مدد کی جس کی وجہ سے
، اس ضرب کو جھیل گیا۔ مگر اب شامی میسرہ نے عراقی میمنہ پر پوری قوت سے ضربات
انی شروع کر دیں، یہاں تک کہ وہ پسپا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ اپنی فوجوں کے
ی حصّے کو ساتھ لے کر شامی میسرہ کے مقابلے پہ آ گئے۔ لیکن وہ اب بھی شامیوں کے
ر اور دباؤ کو کم نہ کر سکے۔ اس وقت حضرت علیؓ اپنی فوجوں کے ساتھ خود لڑ رہے
تھے۔ حضرت عمّار بن یاسرؓ اس موقع پہ شہید ہوئے۔ عراقی فوج بھاگنے لگی۔ امیرالمومنینؓ
نے اشتر نخعی سے فرمایا "عراقیوں کو پکارو۔ کہو، موت سے فرار کرنے والوں کو موت نہیں
چھوڑتی!" وہ بھاگنے والوں کی طرف بڑھا اور پکارتا رہا۔ کچھ لوگ پلٹے اور شامیوں کے
مقابلے پہ آ کر پھر لڑنے لگے۔ دوسرے لوگوں نے بھی بھاگتوں کو پکارا۔ اب اچھی خاصی
تعداد ہو گئی۔ ان سب کو لے کر اشتر نے شامیوں پر حملہ کیا۔ شامی پیچھے ہٹتے رہے، یہاں
تک کہ عراقی شامی فوجوں کے قلب تک پہنچ گئے۔ نہایت ہی ہولناک لڑائی ہو رہی تھی۔
رات اور دن اس کا سلسلہ جاری تھا۔ تیسرے دن صبح کو عراقی فوجوں کے سالار اشتر نے
شامیوں کے میمنہ پہ حملہ کیا۔ حضرت علیؓ بھی اُن کو مسلسل کمک بھیجتے رہے۔ شامیوں پر

دباؤ پڑ رہا تھا کہ انھوں نے اپنے نیزوں پر قرآن باندھ کر خدا کا واسطہ دیا اور کہا " اس لڑائی کا انجام ہر حالت میں دونوں کے لیے تباہی ہے۔ یہ قرآن ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اہلِ عراق اگر مٹ گئے تو کس کا نقصان ہوگا۔ اور مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور اگر شامی فنا ہو گئے تو عیسائیوں کی یلغار کو کون روکے گا مغربی سرحدوں کو بچانے کے لیے لوگ کہاں سے آئیں گے؟" لڑائی رُک گئی اور طے پایا کہ دو ارکان ثالث مقرر ہو جائیں اور کتاب الٰہی کی رُو سے دونوں فریقوں کا فیصلہ کر دیں۔ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاویہؓ کی جانب سے حضرت عمروؓ بن عاص مقرر ہوئے۔ فیصلہ کرنے کی میعاد چھ ماہ رکھی گئی۔ یہ تقرریاں ۱۳ صفر ۳۷ ہجری کو ہو گئیں اور اس طرح یہ تباہ کن جنگ ختم ہوئی، جس میں نوّے ہزار اُمّت کے قیمتی افراد خاک و خون میں لوٹ کر واصل بحق ہو گئے۔ اگر ہم اس جانی نقصان کا ہلکا اور سرسری سا تصوّر کریں تو معلوم ہوگا کہ جنگِ بدر سے لے کر جنگِ تبوک تک گیارہ برس ہوتے ہیں۔ اس عرصے میں جتنی جنگیں لڑی گئیں ان میں فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کی کُل تعداد ڈھائی تین ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی۔ مگر صرف جمل اور صفین میں کام آنے والوں کی تعداد کم از کم ایک لاکھ ہے۔

ثالثی کی وجہ سے حضرت علیؓ کے لشکر اور ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ وہ کہتے تھے قرآن کے فیصلے میں تم نے دو آدمیوں کو ثالث کیوں مانا؟ وہ آپس میں دست و گریباں ہو گئے۔ اُن میں سے کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کی خلافت سے بھی خروج کر لیا۔ غرض اہلِ عراق جس وقت کوفے سے شامیوں کی طرف چلے تھے، سب متحد و متفق تھے لیکن جب صفین سے واپس ہوئے تو باہم دشمن اور مخالف تھے۔ راستے بھر میں ہر منزل پر آپس میں لڑتے رہے۔

فیصلے کا وقت آیا تو دونوں مقرر ثالث اور ہر فریق کے چار چار سو آدمی دومۃ الجندل

کے قریب اذرح میں جمع ہوئے اور ثالثوں کا فیصلہ اس طرح ظہور میں آیا:

حضرت عمروؓ بن عاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھا "کیا آپ کو اس امر کا یقین ہے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے؟"

ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا "بے شک یقین ہے۔"

عمرو بن عاصؓ نے دوسرا سوال کیا "یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ اُن کے قصاص کے ولی اور وارث معاویہؓ ہیں۔"

ابوموسیٰؓ نے جواب دیا "ہاں۔"

اس کے بعد عمروؓ بن عاص نے کہا "اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں فرماتا ہے، جو شخص ظلم سے مارا جائے اُس کے ولی کو ہم نے صاحب اختیار کیا ہے۔ پھر آپ کو امیر معاویہؓ کو امیر بنانے میں کیا عذر مانع ہے؟ خاندانِ قریش میں جو مقام و مرتبہ ان کو حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ اسلام کی ابتدائی کوششوں میں اُن کا کوئی کارنامہ نہیں تو اُس کا جواب یہ ہے کہ وہ مظلوم و مقتول خلیفہ کے ولی ہیں۔ نیز سیاست میں اُن کا جواب نہیں۔ حسنِ تدبیر میں شہرۂ آفاق ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ اُمّ المومنین اُمّ حبیبہؓ کے بھائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی اور کاتبِ وحی ہیں۔"

ابوموسیٰؓ نے جواب دیا "عمرو! اللہ سے ڈرو۔ خلافت کے لیے اُمت میں سے بہترین آدمی کو منتخب ہونا چاہیے۔ ابھی تو مہاجرین اوّلین موجود ہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے معاویہؓ خلیفہ کیسے ہو سکتے ہیں۔"

آخر فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں میں سے کسی کو خلافت نہ دی جائے۔ لیکن کون خلیفہ ہو؟ اس انتخاب کو اُمت پر چھوڑ دیا۔ امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس فیصلے کو منشائے قرآنی کے خلاف قرار دے کر تسلیم نہیں کیا۔ لیکن امیر معاویہؓ بہ خوشی راضی ہو گئے۔ کیونکہ حضرت علیؓ اس فیصلے کی رو سے معزول ہوتے تھے۔

اس فیصلے کے بعد حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے کچھ لوگ نکل گئے۔ انھوں نے عبداللہ بن وہب نامی ایک شخص کو اپنا امیر بنالیا اور حامیانِ علیؓ اور اپنے خلاف رائے رکھنے والوں سے جنگ وقتال شروع کر دیا۔ یہ لوگ حامیانِ معاویہؓ یا بنوامیہ اور حامیانِ بنوہاشم یا حضرت علیؓ دونوں کو دین سے خارج سمجھنے لگے۔ یہ لوگ اپنے عقیدے میں نہایت سخت اور انتہا پسند تھے۔ غلط معتقدات کی فریفتگی اور دیوانگی اُن کے ذہنوں پر مستولی ہوگئی تھی۔ اس گروہ کو "خارجی" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت علیؓ کی بیعت کر کے اطاعت کا معاہدہ کیا اور پھر اُس سے نکل کر خارج ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے ہر چند ان کو سمجھایا مگر بے سود۔ ایک مرتبہ نہروان کے پُل سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو ہزار آٹھ سو خارجی اپنے سردار عبداللہ بن وہب کے ساتھ مقابلہ کے لیے جمع ہوئے۔ حضرت علیؓ کے لشکر سے اُن کا مقابلہ ہوا۔ چار سو خارجی مجروح اور باقی سب لڑکر مارے گئے۔

کچھ دنوں بعد حضرت علیؓ نے شام پر حملے کے لیے تیاری کا حکم دیا تو کوفیوں نے کہا "ہمارے اسلحہ لڑائیوں میں خراب ہو چکے ہیں۔ چند دن میں اُن کی مرمت کرلیں۔ آپؓ نے سردارانِ قبائل اور اُمرا کا جلسہ بُلا کر فرمایا" لوگوں کو تیار کرو۔ یہ کیا صورت پیدا ہو رہی ہے؟" مگر بعض نے مخالفت کی اور کچھ نے عُذر پیش کر دیے۔ بہت کم لوگ تھے جو خوشی سے شام کے محاذ پر جانے کے لیے آمادہ تھے۔

آپؓ روزانہ پُرجوش تقریریں کر کے اہلِ کوفہ کو مخالفین سے جنگ کرنے کے لیے اُبھارتے تھے مگر لاحاصل۔ آخر کار جب اُن کا جمود نہیں ٹوٹا تو مایوس ہو کر لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے برعکس اہلِ شام معاویہؓ کی حکمت عملی اور داد و دہش سے اُن کے اطاعت پذیر اور اُن کی فوج تابع فرمان تھی۔

معاویہؓ نے پہلے شامیوں سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔ پھر مصر پر اپنی

عت کا دائرہ وسیع کرنے کی فکر کی۔ وہاں حضرت علیؓ کے گورنر قیس بن سعد تھے۔
اویہؓ کو خطرہ تھا کہ آیندہ جنگ کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ مغرب کی طرف سے
ں اور مشرق سے امیر المومنین علیؓ آکر مجھ کو دونوں اطراف سے دبالیں۔ گورنر قیس
رت علیؓ کے خاص طرف داروں میں تھے۔ معاویہؓ کی سیاسی بصیرت نے پہلے تو قیس
دام سیاست میں پھانسنے کی کوشش کی اور ادھر سے ناکامی کے بعد حضرت علیؓ کو
ط فہمی میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے قیس کو وہاں سے ہٹا کر
ضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے محمدؒ کو مصر کی گورنری پر بٹھا دیا۔ جب مصر کے ایک علاقہ
بتا کے لوگوں نے دیکھا کہ علیؓ کی قوت کمزور پڑ رہی ہے تو وہ اُن کی حمایت سے
ست کش ہو گئے۔ ادھر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو فوجیں دے کر خربتا
امداد کے لیے بھیج دیا۔ حضرت عمروؓ نے محمدؒ سے کہا "تم اپنے امیر کے پاس عراق چلے
باؤ۔ باوجودیکہ تم قاتلینِ عثمانؓ کے سرغنے اور آگ لگا کر اُن کے گھر میں گھسنے والے
تھے مگر اس موقع پر ہم تم کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے" وہ اس دھمکی سے متاثر نہیں ہوئے
ور مقابلے پر آئے۔ لیکن شکست کھا کر بھاگے اور کسی کے گھر میں چھپ گئے۔ معاویہ بن
خدیج نے انھیں وہاں پہنچ کر قتل کر دیا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ آگ میں جلا دیا۔ اس طرح
مصر پر بھی امیر معاویہؓ کی حکومت قائم ہو گئی۔

مصر پر قبضے کے بعد معاویہؓ نے دوسرے صوبوں کے لیے فوجیں روانہ کیں۔ نعمان بن
یرؓ کو عین التمر بھیجا۔ وہاں کے والی مالک بن کعب نے حضرت علیؓ سے امداد طلب کی۔
ؓ نے اہلِ کوفہ کو حکم دیا لیکن کسی نے تعمیل نہ کی۔ نعمان نے عین التمر پر قبضہ کر لیا۔ عبداللہ
مسعدہ کو تیما کی طرف بھیجا اور وہاں سے فراغت کے بعد حجاز جانے کا حکم دیا۔ حضرت
نے ان کے مقابلے کے لیے مسیب کو روانہ کیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ مسیب غالب
ے اور عبداللہ اپنی فوجیں نکال لے گئے۔ حضرت معاویہؓ نے ضحاک بن قیس کو بصرہ اور

واقصہ اور بُسر بن ارطات کو یمن اور حجاز کے لیے بھیجا۔ چنانچہ مدینہ، مکّہ، یمن اور ...
حضرت علیؓ کی امارت سے نکل گئے۔ ضحاک کو واقصہ میں خاص کامیابی نہیں ہوئی۔

اُس وقت اجمالی حالت یہ تھی کہ اُمّت کا شیرازہ متفرق اور نظام ابتر تھا۔ حضرت
کو رنجیدہ کرنے والا ایک واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو اُن کی طرف
بصرے کے والی تھے، ناراض ہو کر مکّے چلے آئے۔

حضرت علیؓ کے آخری دورِ خلافت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ
کے لیے تکلیف دہ تھا۔ عراقیوں نے عموماً اور کوفے والوں نے خصوصاً اپنی سرشت
مطابق آپ سے بے وفائی کی۔ ہر جگہ فتنہ فساد کے شعلے اُٹھ رہے تھے، اُمّت کا چین
رُخصت ہو گیا تھا۔ آپؓ اس حالت سے سخت غم زدہ تھے۔ مگر مجبور و بے بس تھے۔

حضرت علیؓ کی شہادت :

مسلمانوں کے اندر نفاق و افتراق دیکھ کر تین انتہا پسند اور نیم جنونی خارجی عبدالرحمٰن
برک اور عمرو مل کر بیٹھے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس صورتِ حال سے نجات پانے
کیا صورت ہے؟ آخر تینوں نے طے کیا کہ موجودہ مصیبت کے اصل ذمّہ دار تین حضرات
ہیں : حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ۔ اگر یہ تینوں سیاست
کے سٹیج سے ہٹا دیے جائیں تو جھگڑا مٹ جائے گا۔ لہٰذا ہم میں سے ہر آدمی ان میں
ایک ایک کے قتل کا ذمّہ لے۔ عبدالرحمان ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے قتل کا ذمّہ لیا، برک
نے معاویہؓ کا اور عمرو نے عمرو بن عاصؓ کا۔ تینوں خارجیوں نے قسم کھائی کہ قتل کر
گے یا قتل ہو جائیں گے۔ ۱۵ رمضان ۴۰ ہجری کی تاریخ مقرّر ہوئی کہ فجر کے وقت
تینوں اسی ایک تاریخ میں کوفہ، دمشق اور مصر پہنچ کر ان حضرات کو قتل کریں گے۔
چنانچہ ابن ملجم تاریخ مقرّرہ پر اس مسجد میں جہاں حضرت علیؓ نماز پڑھایا کرتے تھے

...ھات میں بیٹھ گیا۔ جب آپؓ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو اس نے سر پر تلوار سے ...لیا۔ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ زخم گہرا آیا تھا۔ آپؓ تیسرے دن رحلت فرما گئے۔ آپؓ کی ...دتِ خلافت چار سال اور دو دن کم نو مہینے تھی۔

...زواج و اولاد :

امیر المومنین حضرت علیؓ نے نو نکاح کیے۔ تفصیل یہ ہے :

۱۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سب سے پہلی بیوی تھیں۔ ...جب تک یہ زندہ رہیں آپؓ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ اُن سے دو بیٹے حسنؓ و حسینؓ ...اور دو بیٹیاں زینب کبریٰؓ اور اُم کلثوم کبریٰؓ تھیں۔

۲۔ اُم البنین بنتِ خزام۔ ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔

۳۔ لیلےٰ بنتِ مسعود تمیمی۔ ان سے دو بیٹے عبداللہ اور ابوبکر ہوئے۔

۴۔ اسماء بنتِ عمیس۔ یہ یحییٰ اور محمد اصغر کی والدہ تھیں۔

۵۔ صہباء بنتِ ربیعہ۔ یہ بنی تغلب کے اسیرانِ جنگ میں آئی تھیں۔ ان کے بطن سے ...بچے عمرؓ اور رقیہ پیدا ہوئے۔

۶۔ امامہ بنتِ ابی عاص۔ یہ زینب بنتِ رسول اللہؐ کی بیٹی تھیں۔ ان سے محمد اوسط ...پیدا ہوئے۔

۷۔ خولہ بنتِ جعفر۔ ان سے محمد پیدا ہوئے جو ننہالی نسبت سے محمد بن حنفیہ کہلائے۔

۸۔ اُمِ سعید بنتِ عروہ بن مسعود۔ ان سے دو بیٹیاں اُم الحسین اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

۹۔ محیات بنتِ امرأ القیس۔

ان کے علاوہ اُمہات ولد سے کئی بیٹیاں تھیں، جن کے نام یہ ہیں : اُمِ ہانی، میمونہ، ...ب صغریٰ، اُمِ کلثوم صغریٰ، فاطمہ، خدیجہ، اُمِ الکرام، اُمِ سلمہ، اُمِ جعفر، جمانہ اور نفیسہ۔

جو چار اولادیں حضرت فاطمہؓ کے بطن سے ہوئیں اور اُن سے جو سلسلۂ نسب
وہ سب سادات کہلاتے ہیں۔ آپؓ کی دوسری اولادیں اور اُن کی نسل علوی کہلاتی
لیکن کُل سیّدوں اور علویوں میں صرف پانچ کی نسل چلی۔

سادات میں : حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ۔

علویین میں : محمد بن حنفیہ، عباس اور عمر رضی اللہ عنہم سے۔

اوصافِ عالیہ کا اجمالی تذکرہ :

آپؓ نے بچپن سے سایۂ رحمت و رسالت میں پرورش پائی اس لیے اوصاف
کا پرتو آپ کی شخصیت میں نمایاں تھا۔ وفاتِ نبویؐ کے وقت آپؓ کی عمر تقریباً ا
تھی مگر علم و بصیرت کے لحاظ سے آپ مُعمّر اصحابؓ سے کم نہ تھے۔ تفسیرِ قرآن، طریقۂ
اور اخذِ مسائل میں آپ کو امتیاز حاصل تھا۔

مخالفِ اسلام طاقتوں کا مقابلہ میدانِ کارزار میں کرنے کا مرحلہ آیا تو آپؓ
شجاعت، جواں مردی اور جان نثاری کا وہ ریکارڈ قائم کیا کہ کوئی اُس کو توڑ
سکا لڑائیوں میں جب کبھی سخت مواقع آئے تو اُن پہ آپؓ کا جذبۂ بسالت اور
بڑے بڑے مانے ہوئے جنگ آور آپ کے مقابلے پر آتے ہوئے لرزتے تھے۔

آپؓ کے اخلاقی فضائل میں زُہد و تقویٰ کا اعلیٰ معیار نظر آتا ہے۔ پوری زند
ورع و قناعت میں اس درجہ ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعے کو اُس سے الگ کر
دکھانا مشکل ہے۔ آپ پر عسرت اور امارت دونوں دور گزرے مگر کسی دور میں
تفریط اور عدمِ توازن پیدا نہیں ہوا۔

ذکر و عبادت سے آپؓ کو سیری نہ ہوتی تھی۔ زبیر بن سعید قرشی کا بیان
بنی ہاشم میں آپؓ سے زیادہ کوئی شب بیدار اور عبادت گزار نہ تھا۔ اُم المومنین

عائشہ صدیقہؓ نے کہا تھا "وہ (علیؓ) قائم اللّیل اور صائم النّہار تھے۔"

سراپا:

ابن سعدؒ نے مستقل عنوان لگا کر حضرت علیؓ کا حلیہ لکھا ہے جو حسب ذیل ہے:
"آپؓ کی ڈاڑھی عریض (چوڑی) شانوں کے درمیان پھیلی ہوئی اور سر کے بال اُڑے ہوئے تھے۔ شہادت کے وقت بال سفید ہو گئے تھے۔ شکم بڑا تھا اور مونڈھے چوڑے تھے۔ کلائیاں پُر گوشت مضبوط اور چوڑی تھیں۔ پنڈلیاں موٹی اور قد میانہ تھا۔ رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی اور سُرمگیں۔ سینے اور شکم پر بال تھے۔ شہادت کے وقت عُمر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۵۸ سال سے لے کر ۶۵ سال تک کی روایتیں ہیں۔

اصحابِ رسولؐ
اور
اُن کے کارنامے

جلد اوّل

نبی احمد سُہا

Ferozsons Limited
فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور پاکستان